گورنر (کوفہ) عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ) کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے۔ کوفہ کے شیعان علی میں سے کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا۔ حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا۔

(ص ۱۱۶۲)

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا ہے کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا۔ ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے۔ یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن و ملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو۔ عمر بن سعدؓ کو "قاتل حسین" کہتے ہیں لیکن ان ہی راویوں خاص کر ابو مخنف نے اپنی ایک روایت میں گویا حق بر زبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعدؓ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے ان کے رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہو گئی ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے۔

قال فکانی انظر الی دموع عمر (بن سعد) وھی تسیل علی خدیہ ولحیتہ

(ص ۲۵۹ ج ۶ طبری)

(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر (بن سعد) کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بہ سبب گریہ) ان کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے تھے۔

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؓ کو کیوں نہ ہوتا حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ انہوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتری کی کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر بھائیوں کی دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا۔ جس کا بین ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلے کے بہتر

مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے۔ پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مورخ (صاحب اخبار الطوال) لکھتے ہیں۔

وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسینؓ واخواتہ وجواریہ وحشمہ فی المحامل المستورۃ علی الابل۔

اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔

(ص ۲۶۷ سطر ۱۱۔ اخبار الطوال)

دلندیزی محقق دے خوے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا اسی غرض سے یہ چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسینؓ" پر ایسا رنج و قلق ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے لگتے ہیں رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ خواتین اور پسماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔

دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بعد مسافت (مکہ و کربلاء) تعداد منازل و مراحل روانگی کی صحیح تاریخ کربلاء کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالجات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبانوات ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں اور عمر بن سعدؓ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں بذیل الطبقہ الاولیٰ من اہل المدینۃ من التابعین تابعین کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل

جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے مثلاً ابو اسحٰق[1] عمرو بن عبد اللہ السبیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۵ سال وقتادہ بن دعامہ سدوسی ومحمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ خالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاثرات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے مولود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں بھی شبہات کا اظہار کیا تھا۔

محدث ابو بکر[2] بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب الاستیعاب کا ذیل لکھا تھا چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں سب اور کیونکر شامل ہوئے تھے۔

قال کتب عمر بن الخطاب الی سعد بن ابی وقاص ان اللہ فتح الشام والعراق فابعث من قبلک جنداً الی الجزیرۃ فبعث جیشاً مع عیاض بن غنم و بعث معہ عمر بن سعد وھو غلام حدیث السن مکنا زواہ یعقوب بن سفیان والطبری من طریق سلمہ بن الفضل عن اسحٰق وکان ذالک تع عشرۃ قال ابن فتحون من کان فی ھذا السنۃ بعث

راوی نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالٰے نے شام وعراق پر مسلمانوں کو فتح یاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ ابن سعدؓ نے عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ اپنے فرزند عمر بن سعد کو بھی بھیجا جو اس وقت نو عمر تھے۔ اسی کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انہوں نے ابن اسحاق

---

[1] یہ ابو اسحاق شیعہ اولی بیت تھا اور روافض سے بیزار۔

[2] سخاوی نے اپنی تالیف الاعلام بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (مطبوعہ دمشق ۱۳۴۹ھ) میں بتایا ہے کہ جس جماعت محدثین نے الاستیعاب کے ذیل کی تدوین کی تھی ان میں ابی اسحاق بن الامین اور ابی بکر بن فتحون شامل تھے جو دونوں ہمعصر تھے اور ان دونوں میں باعتبار فضیلت علمی ابن فتحون برتر تھے (وھما متعاصران وثانیھما احسنھما) کشف الظنون میں ابو بکر بن فتحون کو مالکی مسلک کا بتایا ہے۔

عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں:-

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی سکن الکوفۃ روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراھیم وابن ابنہ ابو بکر بن حفص وابو اسحاق السبیعی والعیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادہ والزھری ویزید بن ابی حبیب وغیرھم وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وھو تابعی ثقۃ۔

(ص ۴۵۰ ج ۷ تہذیب التہذیب)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ۔ انہوں نے اپنے والد ماجد اور ابو سعید الخدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابو بکر بن حفص نے نیز ابو اسحٰق السبیعی اور العیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادہ والزہری ویزید بن ابی حبیب وغیرہ نے اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔

عمر بن سعدؓ کو "قتل حسینؓ" سے جب متہم کیا جانے لگا متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہٖ تو غیر متہم تھے، لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۵۰) علامہ ذہبی کا زمانہ ان کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثہ کربلا کی صورت کاذبہ عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہوچکی تھی اور کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو صحیح حالات کا انکشاف ہوجاتا۔ ابن خلدون کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثہ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچسو برس کی مدت گزرجانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہوسکے باایں ہمہ عمر بن سعدؓ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے پوتے کے علاوہ زمرۂ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجر نے متذکرہ بالا عبارت میں درج کیے ہیں۔ ان میں مشہور تابعی محدثین شامل ہیں۔

فی الجیوش فقد کان لا محالۃ مولوداً فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن عساکر ہذا ایدل انہ ولد فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی آخرہ۔

(ص۳۰۰ ج الاصابہ فی تمیز الصحابہ مطبوعہ مصر)

سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے۔ ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سنہ میں فوج میں شامل کر کے بھیجا گیا ہو وہ لامحالہ عہد نبی صلعم کا مولود ہوگا۔ ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؓ) عہد نبوی میں پیدا ہوئے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہے کہ حضرت سعدؓ خلیل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کو تشریف لے گئے انہوں نے آپ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا توحجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا۔ اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعد کی ولادت عہد نبوی میں نہیں ہوئی تھی کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عہد نبوی کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے۔ یہ حدیث ہی اوّل تو محل نظر ہے عہد نبوی میں حضرت سعدؓ ایسے مالدار کہاں تھے پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعدؓ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان کا یہ بیٹا تولد ہو کر وراثت مال کا حقدار بنا ہو قطع نظر اس کے جب ان کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر سعدؓ اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ جیسا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے تو یہ بین دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؓ نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے بلکہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی ہوگی کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کر سکتا ہو پندرہ بیس برس کا تو یقیناً ہوگا۔ پوتے کی عمر اتنی ہو تو دادا کا سن کم از کم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حضرت عمر بن سعدؓ اور حضرت حسین بن علیؓ دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے بیٹے اور دوسرے آپ کی بیٹی کے بیٹے۔ اس قرابت قریبہ کے ہوتے ہوئے کیا ان شدید اتہامات سے حضرت عمر بن سعد کو کسی طرح بھی متہم کیا جا سکتا ہے جو "قتل حسین" کے متعلق ان پر لگائے گئے ہیں۔ کفر و زندقہ کا

الزام تو ان راویوں میں سے کسی نے بھی ان پر عاید نہیں کیا تو پھر یہ بات کیونکر قابل قیاس ہو سکتی ہے کہ جس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہوں۔ جس ذاتِ اقدس سے یہ قرابت قریبہ ہو کہ ان کی دختر۔۔۔ حضرت فاطمہ زہراؓ۔۔۔ رشتہ میں ان کی پھوپھی کی پوتی اور خود ان کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں۔ ان ہی کے فرزند دلبند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں ان کے نواسہ ہوں، ان کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کے لالچ میں !!

ان وضاعین نے خاص مقصد کے پیش نظر خیالی مظالم کی یوں بھیانک تصویریں کھینچنے میں کوتاہی نہیں کی مگر عمر بن سعدؓ کی حسینؓ سے قرابت قریبہ کا خیال کر کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ حسینؓ سے مقاتلت کرنے میں ان کو شدید کراہت تھی اور اس فعل کے ارتکاب کو وہ دین و دنیا میں "مطرود و ملعون" ہو جانے کے مرادف سمجھتے تھے۔

صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:۔

چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت۔۔۔۔

(ص۲۳۴ ج ازکتاب دوئم)

چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہت تھی۔۔۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ با حسین مقاتلت آغاز و خود را مطرود ملعون دارین سازد۔۔۔

(ص۲۲۶ ایضاً)

لیکن عمر بن سعد چونکہ حسینؓ سے قتال و جدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین و دنیا میں اپنے کو مطرود و ملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

واقعات سے ثابت ہے کہ قتال و جدال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کرتے رہے کہ معاملہ آشتی سے سمجھ جائے اور وہ تنہا ہی اس کے کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ اور دوسرے افسروں کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے خود امیر المومنین کی اپنے اس عامل کو جنہیں خاص طور سے کوفیوں کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا تھا۔ صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کریں اور

اس وقت تک تلوار نیام میں رکھیں جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے سپہ سالار فوج عمر بن سعدؓ کا رویہ نازک موقع آ جانے پر بھی وہی مخلصانہ و ہمدردانہ رہا۔ حتیٰ کہ جب ان کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کو گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا، انہوں نے اپنے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا بیّن ثبوت جیسا ابھی ذکر ہوا ان راویوں کے اس قول سے ملتا ہے کہ ماہر حرب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں ۱۲ جوان حسینی قافلے کے مقابلے میں زیادہ مارے گئے اور وہ بھی ان کے ہاتھوں جنہیں نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا فوجیوں کی طرح نہ کوئی تجربہ تھا نہ ایسی مہارت۔ سرکاری فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ساتھ بیٹھ کوفیوں اور برادرانِ مسلم کا یہ قاتلانہ حملہ بالکل غیر متوقع، دفعتہً اس تیزی سے ہوا کہ بیچ بچاؤ کی لوبت نہ آنے پائی۔

عمر بن سعدؓ اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہو گئے۔ جیسے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادرکشی سے روکتے رہے مگر بے سود۔ ابو مخنف وغیرہ راویوں نے جنگ جمل کے حالات جس مبالغہ کے ساتھ بیان کئے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ اغراق و مبالغہ کے ساتھ کربلا کے حالات ہیں خصوصًا نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ روائتیں محض وضعی و اختراعی ہیں اور پایہ اعتبار سے قطعاً ساقط" بالخصوص حضرت عمر بن سعدؓ کے کردار پر قبیح سے قبیح اتہامات لگائے ہیں اور سرکاری فوج کا شمار تو افسانوں کے مبالغات سے بھی بڑھ چڑھ کر بتایا ہے۔ مثلاً چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں سے لے کر بیس ہزار تک مختلف راویوں نے تعداد بیان کی ہے ابو مخنف نے اسی ہزار اور ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ۵۳ ہزار تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

علمائے اخبار و مورخین آثار در شمار لشکرے کہ از برائے مقاتلت با حسین انجمن شدند باختلاف سخن کردہ اند

علمائے اخبار اور مورخین آثار نے اس لشکر کی تعداد کے بارے میں جو حسین سے قتال وجدال کرنے کے لئے جمع

این جملہ را من بندہ یاد کردم و با سپاہ عمر بن سعد بشمار آوردم پنجاہ و سہ ہزار در قلم آمد۔

(صفحہ ۲۳ ج ۶ از کتاب دوم)

ہوا تھا مختلف باتیں کہی ہیں ان سب کو مجھ بندہ نے خیال میں رکھ کر اور عمر بن سعد کی سپاہ کا اس کے ساتھ شمار کر کے ۵۳ ہزار تعداد قلمبند کی ہے۔

ان ہی مؤلف نے ابو مخنف کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس اسی ہزار میں حجاز و شام کا ایک متنفس بھی شامل نہ تھا سب کے سب کوفی ہی تھے۔

ہمگان کوفی بودند و حجازی و شامی با ایشاں نبود (صفحہ ۲۳۱ ایضاً)، یہ جناب تو خود کوفہ ہی کے ساکن تھے انہیں اپنے وطن مالوف کی آبادی کا صحیح اندازہ ہونا چاہئے تھا مگر ان کو تو داستان آرائی کرنی تھی نہ صدق بیانی۔ اور اگر شہر کوفہ کے علاوہ علاقہ کوفہ کے تیغ زن باشندوں کا شمار بھی اس تعداد میں شامل تھا۔ تب بھی اس علاقہ سے اتنی کثیر تعداد میں فوج و سپاہ کسی طرح فراہم نہیں ہو سکتی تھی اس زمانہ میں تمام ایران و خراسان کے علاقے کوفہ کے تحت نہیں تھے جیسا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں اس وقت تک رہے جب امیر زیاد کا زمانہ تولیت تھا ۵۳ھ کے بعد سے خراسان کا جداگانہ صوبہ بن گیا تھا جس میں ہمدان درے وغیرہ کے علاقے تھے چنانچہ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں جیسا ذکر ہوا خراسان کے عاملوں کے تبادلہ و تقرر کا از سر نو انتظام کیا گیا۔

بہرکیف اگر ایران کے سب علاقہ جات کوفہ ہی کے تحت تسلیم کر لئے جائیں تب بھی پچیس تیس دن کے قلیل عرصہ میں کہ یہی مدت حادثہ کربلا کے وقت تک عبیداللہ کے کوفہ آنے اور انتظام کی باگ سنبھالنے کی ہوتی ہے۔ اتنی زبردست اور کثیر افواج کا فراہم ہو جانا قطعاً محال اور ناممکن تھا۔ اسّی ہزار فوجی اور ان کے متعلقہ دیگر عملے کے لوگوں کو شامل کر کے ایک لاکھ نفوس کے لئے سامان رسد وغیرہ سواری کے جانوروں کے دانہ چارہ کے اتنے عرصہ میں کوفہ یا کربلا جیسے مقام پر مہیا کر لینا نہ صرف المحصول تھا بلکہ ناممکن علمائے اخبار و مورخین آثار" نے یہ نہ بتایا کہ یہ سب کچھ اہتمام اور یہ لشکر مور شمار آخر کیوں، کس غرض سے اور کس کے مقابلے کے لئے تھا؟ کیا صرف ۷۲ یا سو سوا سو افراد سے نبرد آزمائی کے لیے جن میں متعدد نو عمر تھے اور جدال و قتال

سے ناآشنا و ناتجربہ کار۔ یہ خیال ان وضاعین کو کیوں آتا کو ان کی ان ساختگیوں کو کبھی نہ کبھی تو فہم و دانش انسانی کی میزان سے جانچنے کی نوبت آئے گی ان کو تو امیر المومنین یزیدؒ ان کے عمال خلافت اور خاندان بنی امیہ کے خیالی ظلم وستم کی وضعی داستانیں بیان کرنی اور غرضی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں اس قسم کے عجوبات پیش کرتے تھے مثلاً یہ کہ :-

بالجملہ (حسین) میزد و میکشت دمی انگندرو لشکر از پیش روئے او چوں گورخراز شیرو گلہ از گرگ می رمیدند و در پہن دشت حرب گاہ می پراگندند تا ایں وقت بہ روایت ایں شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ہزار و صد و پنجاہ کس از آں کفار را بیروں زخمداران با تیغ درگذانید (صفحہ ۲۹۹ ج ۲ از کتاب دوئم)

خلاصہ یہ کہ (حسین) عمر بن سعد کے لشکریوں کو تلواریں مارتے، قتل کرتے - اٹھا پھینکتے تھے اور لشکری ان کے سامنے سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر کے سامنے سے گورخر اور بھیڑیئے سے بھیڑوں کا گلہ بھاگ جاتا ہے اور یہ سب لشکری میدانِ جنگ میں پراگندہ و منتشر ہو گئے اور اس وقت تک بہ روایت ابن شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ایک ہزار نو سو پچاس نفر ان کفار میں سے علاوہ زخمیوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔

مقتل ابو مخنف میں بھی یہ روایت ہے کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت حسینؓ نے ایک ہزار نو سو ۱۹۰۰ سواروں کو قتل کر ڈالا تھا پھر جب میدان رزم سے پلٹ کر خیمہ کی جانب آئے کلام منظوم زبان سے ادا کر رہے تھے، دو چار نہیں اکھٹے ۳۵ شعر اسی وقت کہہ ڈالے تھے جو ابو مخنف نے درج کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

نعلی الطھرمن لعد النبی والنبی الھاشمی الوالدین
خیرۃ اللہ من الخلق ابی لعد جدی فانا ابن الخیرتین
والدی شمس و امی قمر فانا الکوکب وابن القمرین
امی الزاھراء حقاً وابی وارث العلم ومولی الثقلین

بھلا ان حسبی ونسبی تعلیوں کے اظہار کا کہ میرے ماں باپ شمس و قمر ہیں اور میں چاند سورج کا بیٹا اور چمکدار ستارہ ہوں اس وقت موقعہ ہی کیا تھا حاشا

جنابہ! یہ سب تو سبائی راویوں کی اپنی اختراعات ہیں یہی راوی کہتے ہیں کہ ذرا دم لیکر پھر جو دوسرا حملہ کیا خلق کثیر کو قتل کر ڈالا "قتل منھم خلقاً کثیراً" (صفحہ ۸۸)

ابو مخنف نے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی مولف "مجاہد اعظم" نے آپ کے اور آپ کے رفقا کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت نے متواتر کئی حملے کئے اور ہر حملہ میں دس دس ہزار لاشیں بچھا دیں بھلا اس مبالغہ کا کیا ٹھکانا ہے" پھر کہتے ہیں کہ "اسرار شہادت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت کے ہاتھ سے تین لاکھ، حضرت عباس کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار دوسروں کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ کوفی قتل ہوئے" (صفحہ ۲۶۶)

یہ لغو بیانیاں ہی اس کا ثبوت ہیں کہ معرکہ آرائیوں کے سارے قصے عجمی ذہنیت کے تراشیدہ ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ چاروں طرف سے جب تیر باری ہونے سے حضرت حسینؓ کے تیر لگا بے ہوش ہو کر گر پڑے ہوش آیا تو ضعف سے اٹھا نہ گیا، دھاڑیں مار کر بین اور فریاد کرنے لگے "فبکی ابکاءً شدیداً" وقادی (صفحہ ۸۹) ابو مخنف نے بین و فریاد کے یہ کلمات حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں:-

واجداہ، وامحمداہ، وابتاہ واعلیاہ، واخاہ، واحسناہ واغربتاہ، واعطشاہ، وغرثاہ واقلۃ ناصراہ، اقتل مظلوماً وجدی مصطفٰی، واذبح عطشاناً وابی علی المرتضٰی اترک مھتوکاً وامی فاطمۃ الزھرا۔ (ابی مخنف مطبوعہ نجف صفحہ ۸۹)

ہائے نانا، وائے محمد، ہائے ابا، ہائے علی، ہائے بھیا، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی وائے شدت پیاس، ہائے مدد والے مددگاروں کی قلت، ہائے مظلوم قتل ہوتا ہوں (حالانکہ میرے نانا مصطفٰی ہیں ہائے پیاسا ذبح ہوتا ہوں (حالانکہ میرے باپ علی مرتضٰی ہیں۔ ہائے مردہ پھینکے جاتے ہیں (حالانکہ) میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! حضرت حسینؓ جیسے غیور مرد مومن سے کیا لغو کلمات منسوب کئے ہیں۔

کسی عرب خصوصاً قریشی "ہاشمی" کی زبان سے مرتے وقت ایسے کلمات ادا نہیں ہو سکتے
یہ بین و واویلا خاص عجمی ذہنیت ہے اور اسی ذہنیت نے مصنوعی معرکہ آرائیوں کے یہ
جھوٹے قصے گھڑے ہیں۔ اب ذرا ناسخ التواریخ کی مندرجہ بالا روایت کو جس میں کم سے
کم مقدار حضرت حسینؓ کے ہاتھوں ایک ہی حملے میں لشکریانِ ابن سعدؓ کے مارے
جانے کی بیان ہوئی ہے جانچ کر دیکھیے۔

عمر بن سعدؓ اور ان کے لشکریوں کے مسلمان ہونے سے تو کسی نے انکار نہیں کیا۔
راویوں کے فرمانے سے زمرہ "کفار" میں ان کو شامل سمجھیں تو ایک ایک لشکری سے
نبرد آزما ہونے، قتل کرنے، پچھاڑنے میں فی کس کم از کم ایک ہی منٹ کے حساب سے
۱۹۵۰ لشکریوں کے لئے حضرت موصوف کو ساڑھے بتیس گھنٹے تک بلا توقف مسلسل
قتال کرنے میں لگنے چاہئیں یعنی پورا دن پوری رات گذرنے کے بعد بھی دوسرے دن
کے ساڑھے آٹھ گھنٹے مزید حالانکہ طبری و دیگر تمام مورخین نے ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں
کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک
جائے۔ یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں اس کی تائید مزید ان راویوں کے اس بیان سے بھی
ہوتی ہے کہ فریقین کے مقتولین کی تعداد ۷۲ اور ۸۸ تھی، قطع نظر اختلاف بیانی کے جب
بُعدِ مسافت و تعداد منازل کے اعتبار سے حسینی قافلہ موقع واردات پر ایک دن قبل بھی
نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو جمع جیوش اور نبرد آزمائیوں کی یہ سب داستانیں قطعاً و اور
بے حقیقت اور بے اصل قرار پاتی ہیں۔ برادران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا فوجی
دستہ کے سپاہیوں پر عاقبت نا اندیشانہ اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ حزن انگیز
یکایک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔

ان راویوں کا ایک طرف تو بیان یہ ہے کہ عمر بن سعدؓ نے خواتین اور ان کے خیموں کو
تاراج نہ ہونے دیا۔ نابالغوں کو اور علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو یہ کہہ کر کہ اس مریض
لڑکے ،، سے کوئی تعرض نہ کرے قتل ہونے سے بچا لیا حالانکہ وہ اس وقت ۲۳ برس
کے سن و سال کے صاحب اولاد تھے اور دوسری طرف ان ہی ابن سعدؓ پر بہتان باندھا ہے
کہ حضرت حسینؓ کی نعش کی اس درجہ بے حرمتی کی کہ دس سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے
پامال کرا کے سینہ اور پشت کو چور چور کرا دیا اور پھر ان حرکات شنیعہ کی "خوشخبری" سنانے کو

ایک آدمی اپنے اہل و عیال کے پاس بھیجا کہ اللہ نے فتح مند کیا" لا بشرهم بفتح الله عليه
(ص ۲۶۲ ج طبری) حضرت عمر بن سعدؓ کی اہلیہ مریم بنت عامر بن ابی وقاصؓ تھیں یعنی ان
کے چچا عامرؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عامرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے
ماموں سابقون الاولون میں سے اور ایمان لانے والوں میں سے گیارھویں تھے اور وہ
صحابی تھے جنہوں نے حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی ان ہی کے ساتھ مدینہ
واپس آئے اور حضرت مریم ایسے جلیل القدر صحابی کی دختر زوجہ حضرت عمر بن سعدؓ تھیں
جن کو یہ "خوشخبری" پہنچانے کے لئے یہ مکذوبہ روایت وضع ہوئی۔ ان مضامین کو
صحابہ کرام اور ان کی اولاد سے جو تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں جو بغض ہے وہ اس قسم کے
بہتان تراشیوں سے ظاہر ہے۔ خود حضرت عمر بن سعدؓ عہد خلافت فاروقی کے غازیوں میں
سے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ منجملہ اپنی بائیس اولادوں یعنی
۱۲ بیٹوں اور ۹ بیٹیوں کے دو بیٹیوں کے نام حضرت موصوف کی دختر ام المومنین حفصہؓ کے
نام پر حفصہ کبریٰ اور حفصہ صغریٰ رکھے اور ایک بیٹے کو ابو حفص سے موسوم کیا۔ شاید ان کے
نام "عمر" کی مماثلت کا کوئی شائبہ اور اثر ان بہتانوں کی قباحت اور شدت کا موجب
بنا ہو ان تمام مبالغات اور وہمی و اختراعی داستانوں کی پوری تکذیب حضرت علی بن الحسینؒ
اور آپ کے اہل خاندان کے موقف اور ان مسلسل قرابتوں سے ہو جاتی ہے جو خاندان امیر المومنین
یزیدؒ اور بنی امیہ سے بعد واقعہ کربلا ہوتی رہیں چنانچہ ابن سعدؒ کا کردار بے داغ ثابت ہوتا ہے

موقف علی بن الحسینؒ

حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اپنے جذبات
و خیالات اور فرائض ملیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار
حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا
سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں، لیکن آپ ان کے دھوکہ
میں نہیں آئے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا۔ ان کے نزدیک
آپ نے اموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے تھی ورنہ حقیقی
جذبات باغیانہ رکھتے تھے آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور
ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی
حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہو جاتا ہے کہ یہ امت حضرت

علی (زین العابدینؒ) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقۂ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے درست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے، اوّل سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت و مودّت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوا وہ بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑ سکا آپ نے دمشق میں امیر المومنین یزیدؓ سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں تین آپ کے حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی امیہ کے تمام افراد کو خارج البلد کر دیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے۔ واعتزل الناس علی بن الحسین زین العابدینؒ (ص۲۱۸ البدایہ والنہایۃ) اور محض الگ ہی نہ رہے، بارگاہ خلافت کو اپنے موقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔

امیر المومنین یزیدؒ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المزنی کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا تھا۔ اس وقت تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہہ بھی لکھتے تھے (انساب الاشرف بلاذری جلد۴) جن میں شرب خمر کے اتہام کی خوبی سے تردید بھی ہے۔

ابلغ ابا بکر اذا الجیش انبری	واشرف القوم علی وادی القری
یعنی جب فوج روانہ ہو کر وادی القریٰ	پہنچ جائے تو ابوبکر (ابن الزبیرؓ کی کنیت ہے) کہہ دینا
اجمعُ سکران من الخمر تری	ام جمع یقظان اذاحت البسُری
کیا اسے تم ایک شرابی بدعت کی جماعت سمجھتے ہو	یا اس ہوشمندی کی جو لغاوت کرنے کو فوج بھیجتا ہے
واعجبا من ملحد واعجبا	مخادع فی الدین یقفو بالفری
افسوس و تعجب ہے اس ملحد دین میں نئی بات پیدا کرنے والے پر	جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے

یہ شعر پڑھ کر تقریر کی، سردار فوج کو نصیحتیں کیں اور حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ) کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی خاص ہدایت کی۔ اور فرمایا:-

"دیکھو تم علی بن الحسینؓ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ توقیر کے ساتھ بٹھانا وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو ان لوگوں نے ہماری کی ہے۔ ان کی تحریر میرے پاس آگئی ہے۔"
(طبری ج۷ ص۲)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے:-

ان امیر المومنین امرنی ببرّہ واکرامہ (صفحہ ۳۹ جلد۴ قسم ثانی مطبوعہ یروشلم)

یعنی امیر المومنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سن کر امیر المومنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ ان کو دعائیں دیں اور کہا: "وصل اللہ امیر المومنین" یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت میں ڈھانکے۔

طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابو جعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:-

سال یحییٰ بن شبل ابا جعفر یوم الحرّۃ۔ ھل خرج فیھا احد من اھل بیتک؟ فقال ماخرج فیھا احد من آل ابی طالب ولا خرج فیھا احد من بنی عبد المطلب، الزموا بیوتھم فلما قدم مسرف (اعنی مسلم بن عقبۃ) وقتل الناس وسار الی العقیق سأل عن ابی علی بن الحسین احاضر ھو فقیل لہ نعم فقال مالی لا اراہ فبلغ ابی ذلک فجاءہ ومعہ ابوھاشم عبد اللہ والحسین ابنا محمد بن علی (ابن الحنفیۃ) فلما رای ابی رحب بہ واوسع لہ علی سریرہ ثم قال کیف کنت بعدی قال انی احمد اللہ الیک فقال مسرف ان امیر المومنین اوصانی بک خیرا

فقال ابي وصل الله امير المؤمنين۔

"یحییٰ بن شبل نے ابوجعفر (محمد الباقرؒ) سے واقعۂ حرّہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابوطالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبدالمطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے۔ جب (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادیٔ عقیق میں ٹھہرا تو اس نے میرے والد علی بن الحسینؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا بات ہے میں ان کو نہیں دیکھتا؟ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد (علی بن الحسینؒ) کو پہنچی وہ اس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابوہاشم عبداللہ اور حسن فرزندانِ محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) بھی تھے۔ مسرف نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے۔ انہوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا مسرف نے کہا کہ امیر المومنین (یزیدؒ) نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (علی زین العابدینؒ) نے کہا:۔

وصل الله امير المومنين یعنی اللہ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے

حضرت ابوجعفر محمد کے (باقر) کی اس روایت کے مضمون کو الامامۃ والسیاسۃ کے (مؤلف) نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے

وسال مسلم ابن عقبة قبل ان يرتحل من المدينة عن علي بن الحسين احاضر هو؟ فقيل له نعم فاتاه علي بن الحسين ومعه ابناه فرحب بهما وسهل وقربهم وقال ان امير المومنين اوصاني بك فقال علي بن الحسين وصل الله امير المومنين واحسن جزاءه

(ج ۱ صفحہ ۲۳۰)

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ یہاں ہیں۔ اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں علی بن الحسین اس کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کے فرزند بھی تھے مسلم نے ان کو خوش آمدید کہا، استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ امیر المومنین (یزیدؒ) نے آپ کے بارے میں مجھے حسن سلوک کی

وصیت فرمائی ہے یہ سن کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے کہا کہ وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے اور ان کو جزائے خیر دے۔

حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کی زبان سے امیر المومنین یزیدؒ کو "امیر المومنین" کہتے ان کو دعائیں دیتے سننا ناواقفوں اور "یزید دشمنی" کے ہزار سالہ پروپگنڈے سے متاثر لوگوں کے لئے کچھ نئی سی بات معلوم ہوگی۔ مگر بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔

"یزید کو امام و خلیفہ (امیر المومنین) کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (۶۱ - ۶۴ھ) میں بااختیار حکمران تھے، صاحب سیف تھے طاقتور تھے عزل و نصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے حکموں کو جاری کرنے کی قوت رکھتے تھے، حدود شرعی قائم کرتے تھے، کافروں پر جہاد کرتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ یزیدؒ کے صاحب اختیار حکمران ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ (حضرت) ابوبکرؓ (حضرت) عمرؓ (حضرت) عثمانؓ حکمران نہیں تھے یا قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی"

(ملخصاً منہاج السنۃ در رسالہ حسین و یزید)

زمانہ خلافت میں تو "امیر المومنین" سے مخاطب ہونا یا سرکاغذات میں نام کے ساتھ امیر المومنین لکھا جانا عام بات تھی (حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) کا مکالمہ النسب الاشراف بلاذری سے پہلے نقل ہو چکا ہے جس میں انہوں نے اسی لقب سے خلیفہ موصوف کو مخاطب کیا تھا) بعد کے متعدد مصنفین نام کے ساتھ امیر المومنین لکھتے تھے مثلاً ابن حزم جمہرۃ الانساب میں حضرت معاویہؓ کی اولاد کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"وولد معاوية امير المومنين ... يزيد امير المومنين"

(صفحہ ۱۰۳)

یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابوالحارث الليث بن سعد الفہمیؒ کا جنہیں امام ذہبی نے احد الاعلام اور ثقۃ دقۃ روایۃ اور ائمہ احادیث میں سے ثقہ و حجۃ

بلا نزاع" لکھا ہے (میزان اعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۶۱) یہ قول نقل کیا ہے۔ یعنی وہ فرماتے تھے کہ:-

"توفی امیر المومنین یزید فی تاریخ کذا۔"

یعنی امیر المومنین یزیدؒ کا فلاں تاریخ میں انتقال ہوا قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں۔

فسماہ اللیث امیر المومنین، بعد ذھاب ملکھم وانقراض دولتھم

یعنی حضرت لیثؒ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی "امیر المومنین" کہتے تھے۔ جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔

علامہ ابن کثیر نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا نام ولقب اس طرح لکھا ہے۔

ھو یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان بن حرب بن امیۃ بن عبد شمس امیر المومنین ابو خالد الاموی (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۶)

کذابین نے مجہول الحال راوی کا نام لے کر جو جھوٹ بولا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ امیر یزیدؒ کو امیر المومنین کہنے پر کسی کے بیس کوڑے لگوائے تھے۔ اس کی تکذیب میں باسناد صحیحہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ موصوف تو امیر یزیدؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔

(لسان المیزان)

حضرت علی زین العابدینؒ فتنہ کے زمانہ میں مدینہ کے باغیوں سے الگ ہی نہیں رہے بلکہ انہوں نے جرأت کے ساتھ بنی امیہ کے بعض اکابر کی امداد و اعانت بھی کی۔ حضرت مروانؒ کی اہلیہ سیدہ عائشہ بنت حضرت عثمان ذی النورینؓ کی، ان کے گھر کے ساز و سامان اور ان کے عیال کی اس طرح حفاظت کی کہ ان سب کو اپنے گھر میں رکھا اور جب مدینہ سے اپنی جاگیر ینبوع پر تشریف لے گئے ان کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ سیدہ عائشہ جب طائف جانے لگیں۔ اپنے صاحبزادے عبداللہ کو جو حضرت محمد الباقرؒ کے سگے بھائی تھے آپ نے ان کے ساتھ طائف بھیجدیا (تعاطبری)۔ حضرت علی زین العابدینؒ، ان کے اہل بیت و دیگر بنی ہاشم یعنی ان کے چچا حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے چچیرے بھائی حسن مثنیٰ و زید ابنائے حسن بن علیؓ وغیرہم اگر کمزور طبیعت کے ہوتے یا ہوا کا رخ دیکھا کرتے جیسا کہ وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں تو یہ سب حضرات حضرت ابن الزبیرؓ

سے بیعت کر کے اپنے کو محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ان حضرات نے ایسا نہیں کیا مظالم کربلا کی جو غیر مستند اور مبالغہ آمیز روایتیں وضع کی گئی ہیں۔ ان کا عشیر بھی اگر مطابق واقعہ ہوتا تو بنی ہاشم کو بنی امیہ سے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقعہ ہو سکتا تھا۔ ان سب حضرات نے جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے عصبات اور اولیاء الدم (قصاص خون لینے والے) تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ کے مخالفت اور مدمقابل (ابن زبیرؓ) کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ ابن زبیرؓ سے بیعت کیوں نہ کی۔ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر کیوں ثابت قدم رہے۔ ابن الزبیرؓ کی بیعت سے انکار کرنے پر سختیوں کو کیوں برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد مختار ثقفی کی تحریک سے یہ سب حضرات کیوں الگ رہے۔ امیر المومنین مروانؒ۔ امیر المومنین عبد الملکؒ وغیرہم کی بیعت میں کیوں داخل ہو گئے حضرت علی زین العابدینؒ اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرزِ عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ کے نزدیک۔ حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوگا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ اس بغاوت کو ملی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

عن نافع قال لما خلع اھل المدینۃ یزید بن معاویہ جمع ابن عمر حشمہ وولدہ فقال انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ و انی لا اعلم احداً منکم خلعہ ولا تابع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الفتن۔ جلد ۲ جزو ۲۹)

"حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؒ کی بیعت توڑ دی (حضرت) ابن عمرؓ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا (کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں) ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ سے) اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی

بیعت توڑدی یا اس شورش میں کسی طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہوجائے گا۔"

امام بخاریؒ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں" باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافه "یعنی باب: جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اس سے الگ ہوکر اس کے خلاف کہنے لگے۔" غالباً یہ چوٹ ہے اس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا۔ اور وہاں سے واپسی پر سب عہد وپیمان توڑ کر امیرالمومنین یزیدؒ پر بہتان تراشے تھے۔ اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے کہ جب ابن الزبیرؓ کے داعی اور ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ انہیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں آتا دیکھ کر ابن مطیع نے ان کے لئے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا۔

فقال ابن عمرؓ: انی لم آتك لاجلس اتيتك لاحدثك حديثا سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من خلع يدا من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية۔

"ابن عمرؓ نے فرمایا، میں تمہارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں وہ حدیث سنا دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے بیعت توڑی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں پیش ہوگا۔ اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک حضرت (زین العابدینؒ) اور تمام دوسرے ہاشمی بزرگوں کا تھا۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ وفساد اور تفرقہ سے مجتنب۔

حضرت علی (زین العابدینؒ) نے امیرالمومنین یزیدؒ کے زمانۂ خلافت کے علاوہ تین دیگر خلفائے بنی امیہ کا زمانہ پایا یعنی امیرالمومنین مروانؓ کا۔ ان کے فرزند امیرالمومنین عبدالملکؒ کا اور ان کے فرزند امیرالمومنین الولید بن عبدالملکؒ کا دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح

وہ بھی ان تمام خلفائے بنی امیہ کی بیعت میں نہ صرف داخل تھے بلکہ ان حضرات سے بڑی محبت اور خلوص اور رشتہ داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ طبری جیسے شیعی مورخ بھی لکھا ہے کہ حضرت مروانؓ اور حضرت علی (زین العابدینؒ) میں قدیم سے دوستی بھی اور رشتہ داری بھی۔ حضرت مروانؓ کے دو بیٹے یعنی امیرالمومنین عبدالملکؒ اور ان کے سگے بھائی معاویہ بن مروانؒ حضرت علی مرتضیٰؓ کے داماد تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۸۰ والبدایہ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۶۹)

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا تھا جو ان سے ادا نہ ہوسکا تھا۔ حضرت مروانؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عبدالملکؒ کو وصیت کی کہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں (البدایہ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۱۰۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس محبت ومودت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مروانؓ اور ان کے فرزند عبدالملکؒ کو حضرت علی زین العابدینؒ کے ساتھ تھی۔ وہ لکھتے ہیں:۔ واحبهم الى مروان وابنه عبد الملكؒ (صفحہ ۱۰۶ جلد ۹ البدایہ والنہایہ)

امیرالمومنین یزیدؒ کی طرح ان خلفائے بنی امیہ کے بارے میں بھی کذابین نے کیسی کیسی واہی باتیں کہی ہیں۔ حضرت مروانؓ صحابہ صغار میں سے تھے وھو صحابی عند طائفة كثيرة لانه ولد فى حياة النبى صلى الله عليه وسلم (صفحہ ۲۵۷ جلد ۸ البدایہ والنہایہ) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (یعنی مروانؓ) صحابی تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس گیارہ برس کی تھی۔ ان کے فرزند عبدالملکؒ نے اور سعید بن المسیب وعروہ بن الزبیرؓ کے علاوہ علی (زین العابدینؒ) نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وقد كان مروان من سادات قريش وفضلائها (۲۵۷ جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ) یعنی (حضرت مروانؓ) قریش کے سرداروں اور ان کے فضلاء میں سے تھے۔ امیرالمومنین حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ منورہ کے عامل رہے اس زمانہ میں حضرت حسنؓ و حسینؓ ان کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت جعفر (صادق بن محمد) نے اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی (زین العابدینؒ) سے روایت

کرتے ہیں: ۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان (صفحہ ۲۵۸، جلد ۸، البدایہ والنہایہ)

یعنی جعفر بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد علی (زین العابدینؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرات) حسن و حسینؓ (حضرت) مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مختار ثقفی اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنی سیاسی اغراض کی خاطر "یالثارات الحسین" (یعنی خون حسینؓ کا انتقام لینے والو دوڑو) کا نعرہ بلند کر کے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے چچا حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہؒ) کو فریب دینا چاہا تو ان حضرات نے اسے منہ نہ لگایا، اس کی تحریک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ لاکھ روپے کی رقم جو اس نے حضرت علی (زین العابدینؒ) کے پاس بھیجی تھی اس کو لینے میں تامل کیا، امیر المومنین عبد الملکؒ کو اطلاعاً تحریر کیا "ان المختار بعث الی بمائۃ الف فکرھت ان اقبلھا وکرھت ان اردھا فابعث من یقبضھا" یعنی مختار نے میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا ہے، مجھے اس کے قبول کرنے سے بھی کراہت ہے اور رد کرنے سے بھی۔ آپ کسی کو بھیجئے کہ وہ یہ رقم آکر لے لے۔

امیر المومنین موصوف نے جواباً لکھا: ۔ "یا ابن عم لخذھا فقد طیبتھا لک فقبلھا" (صفحہ ۱۰۶، جلد ۹ البدایہ النہایہ) یعنی اے ابن عم! آپ اس رقم کو لے لیں، یہ آپ کو مبارک رہے، پس آپ نے اس کو قبول کر لیا۔[1]

ان چند امور کے بیان کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے اگر حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کو ناکام بنانا اور حضرت حسینؓ کو خروج پر آمادہ کرنے کے بعد غداری کرنا اور میدان کربلا میں شہید کرنا ان سبائیوں کا کام نہ تھا بلکہ جیسا کہ وضاعین باور

[1] امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مختار صاحبِ اقتدار ہے اور نیاز مندانہ یا فریب کارانہ آپ کو روپیہ بھیجتا ہے۔ لیکن آپ اسے اپنے لئے اس وقت حلال نہیں سمجھتے جب تک امیر المومنین عبد الملکؒ اسے لینے کی اجازت نہ دے دیں۔

کرانا چاہتے ہیں امویوں کی دین دشمنی کا نتیجہ تھا تو امیر المومنین یزیدؒ کی وفات سے کچھ قبل یا کچھ بعد بنو ہاشم کے سامنے میدان عمل کھل گیا تھا۔ وہ اگر چاہتے تو دونوں باتیں حاصل کر سکتے تھے یعنی امویوں کی خلافت کا خاتمہ اور اہل بیت کی خلافت کا قیام۔ وہ خود اگر کسی قدر کمزور تھے تو انہیں چاہیئے تھا کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ دیتے اور مختار ثقفی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس سے کہتے کہ اپنی قوت مجتمع رکھے تاکہ ابن الزبیرؓ کے ہاتھوں امویوں کے استیصال کے بعد خود ان سے ہاشمیوں کی معرکہ آرائی کے مواقع میسر آجائیں تھکے ہوئے حریف کو تازہ دم فوجوں سے شکست دینا ہاشمیوں کے لئے آسان ہوتا۔

مگر ہاشمی بزرگوں یعنی حضرت علی (زین العابدینؒ) حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ الٹی بات کیوں کی کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ نہ دیا مختار ثقفی کی تحریک سے تبرا کیا۔ امیر المومنین مروانؓ و امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت میں داخل ہو گئے[1] جس کے نتیجے میں ایک صدی تک کے لئے تمام عالم اسلام امویوں کے زیر نگیں چلا گیا اور اس کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا گیا۔

حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے اہل خاندان کے اس موقف سے روز روشن کی طرح کیا یہ ثابت نہیں کہ نہ ہاشمیوں اور امویوں میں خاندانی جنگ تھی اور نہ سیاسی چپقلش میں نسلی کشمکش، نہ دین کا کوئی اختلاف تھا اور نہ عزائم ملیہ کو بروئے کار لانے کے لائحہ عمل میں کوئی اساسی فرق۔ یہ ہاشمی و اموی سادات ایک ہی خاندان (بنو عبد مناف) کے افراد، ایک ہی دین کے پیرو، ایک ہی دعوت کے مبلغ تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی نصب العین تھا، باہمی محبت، مودت تھی اور تعلقات مصاہرت تھے۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہونے یا مبتلا کئے جانے کے باوجود خاندانی تعلقات استوار رکھتے تھے۔

بنی اُمیّہ و بنی ہاشم | مشہور مستشرق دے خوئے صفحہ ـــ نے اپنے

[1] سیدنا ابن عباسؓ اگرچہ امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت مکمل ہوتے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لیکن آپ جائز خلیفہ انہی کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے ابن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔

عالمانہ و محققانہ مقالہ بعنوان "خلافت" میں خلفائے بنی امیہ کے حالات کے سلسلہ میں ایک موقع پر لکھا ہے:۔

"تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی و معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے بنی امیہ سے منسوب کیا۔ ان پر اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ و مصون نہیں۔ اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بنی امیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچتی ہے اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات و تاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بہ مشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برطانیکا: ج۵۔ گیارھواں ایڈیشن)

بلاشبہ تاریخ و ادبیات وغیرہ کی اکثر کتابوں میں جو عباسی عہد میں تالیف ہوئیں و رہم تک پہنچیں، بہ کثرت۔ روایات بنی امیہ کی تنقیص میں پائی جاتی ہیں۔ خلفائے بنی اُمیہ کو ظلم ستم، فسق و فجور اور طرح طرح کی معصیت کے ارتکاب سے مطعون کیا گیا ہے۔ مگر ان کتابوں کے مولفین اور ان روایتوں کے راوی نہ عباسی ہیں، نہ علوی نہ ان کی سرپرستی میں یہ کتابیں تالیف ہوئیں۔ نہ ان راویوں سے ان کا کوئی واسطہ جو اکثر و بیشتر سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود عباسیوں کے خلاف ان کے اقوال موجود ہیں فاضل مقالہ نویس اگر ان وضاعین و کذابین کی چھان بین کرتے تو اس عمومیت سے علویوں اور عباسیوں کا ذکر بنی امیہ کے مخالفانہ پروپگنڈے کے سلسلہ میں نہ کرتے۔ اس عہد کی تاریخ کو مسخ کرنے والے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مولفین ہیں، جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مورخ طبری نے بلا کسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے اور طبری سے اس کے بعد والے مورخین نے۔ ابو مخنف لوط وغیرہ سبائی راویوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

عمار الدہنی بھی ایک اور شیعہ راوی ہیں۔ ان کے علاوہ اسی وضع قماش کے بعض اور راوی بھی ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ بنی امیہ اور شامیوں کے خلاف سب وشتم و تہمت تراشی کا سلسلہ تو جنگِ صفین کے بعد ہی سے عراقی سبائیوں نے شروع کر دیا تھا۔ جس کی تردید میں خود حضرت علیؓ کو گشتی مراسلہ ممالک محروسہ میں بھیجنا اور یہ اعلان کرنا پڑا تھا۔

"ہم میں اور اہلِ شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خونِ عثمان رضؓ کی بابت اختلاف ہوا" (نہج البلاغۃ: جزء ثانی۔ صفحہ ۱۵۹)

کربلا کے بعد سے تو دشنام دہی اور تہمت تراشی کے پروپیگنڈے میں اور زیادہ اشتداد ہوتا چلا گیا۔ اس کے نصف صدی کے بعد سے روافض اور سبائی مولفین نے جو کتابیں تالیف کیں۔ اور راویوں نے روایتیں وضع کیں۔ ان میں سب و شتم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔ حتیٰ کہ ان ہی اہل شام کو دیکھی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو جنہیں حضرت علیؓ اپنا جیسا مومن کہتے ہیں، ان ہی کی زبان سے معاذ اللہ فاجر و کافر کہا گیا۔ نہج البلاغۃ کے مولف نے متعدد خطبوں میں جو حضرت ممدوح سے منسوب کئے گئے ہیں حضرت معاویہؓ اور بنی اُمیہ کے بارے میں کیسے کیسے اتہامات عائد کئے ہیں، جن کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک موقع پر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی و کاتب وحی کو جنہیں قرآن پاک میں "کرامٍ بَرَرَۃ" فرمایا گیا ہے۔ یعنی بڑی عزت اور بڑے پاکباز "اہل النار" میں لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ علیؓ کی مخالفت یا ان سے جنگ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معاذ اللہ ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح نہ تھا" ولکن عقیدتہ لم تکن صحیحۃ ولا ایمانہ حقاً" (صفحہ ۵۶۰۔ خطبہ ۱۹۵: نہج البلاغۃ)

سب وشتم اور تہمت تراشی کے اس انبار در انبار کو پڑھ کر لوگ اسی مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ... کو ہوا، لیکن بنی اُمیہ کے خلاف کذب بیانی و

افترا پردازی کی مکمل تردید بنی ہاشم خاص کر علویوں اور امویوں کی وہ مسلسل قرابتیں ہیں جو شروع زمانہ سے لے کر صفین اور کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں اموی خلفاء اگر ایسے ہی تھے۔ جیسا وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں، فاسق و فاجر تھے۔ منافق و کافر، ظالم و سفاک تھے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں اُن کو بیاہتے اور ان کی بیٹیاں اپنے یہاں بیاہ کرلاتے[1]

صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں

حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی امیہ کو بیاہی گئیں، بایں تفصیل:۔

(۱) حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروانؒ کے عقد میں آئیں، جو امیر المومنین عبدالملکؒ کے حقیقی بھائی تھے۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم: صفحہ ۸۰)

(۲) حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبدالملکؒ کے عقد میں تھیں

(البدایہ والنہایہ: ج ۹ صفحہ ۶۹)

(۳) حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؓ بن کریز اموی کے فرزند

---

[1] دعوت عباسیہ کے متعلق سبائیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اموی خلافت کے خلاف کوئی تحریک تھی حالانکہ واقعات اس تصور کی کھلی تردید کرتے ہیں سب سے اہم چیز ہے حدیث و فقہ کی تدوین ہے جو خلفائے عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر عمل میں آئی ان کتابوں میں اموی صحابہ اور خلفاء کی مرویات اور ان کے فتاویٰ مذکور ہیں اور انہیں حجت شرعی دی گئی ہے۔ موطا شریف صحیح بخاری سنن نسائی اور دیگر کتب اس سلسلے میں براہین قاطعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر یہ کہ عباسیوں نے کبھی اموی خلفاء کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ جب تک امویوں کی خلافت امت کے نزدیک متفق علیہا رہی کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ میدان میں اس وقت آئے جب سبائیہ نے پروپیگنڈا کر کے بربروں کو خلفائے اسلام کے خلاف بھڑکا دیا اور خون ریز معرکے ہوئے ادھر خود غرضوں میں تلوار چل پڑی حتیٰ کہ خود امویوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان تمام فسادات میں دعوت عباسیہ کے داعیوں کا ہاتھ کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

عبدالرحمن کو بیاہی گئیں (ص ۶۸ جمہرۃ الانساب بن حزم) یہ امیر عامرؓ اموی بصرہ کے گورنر تھے اور جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابل صف آرا تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں بلکہ چھ پوتیاں اموی خاندان میں بیاہی گئیں، یعنی:۔

(۱) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیر المومنین الولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؒ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علیؓ کے اموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اس حسینہ و علویہ خاتون کے امیر المومنین مروانؓ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے، مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ "تزوجت" (شادی ہوئی) کے بجائے کس تخفیفانہ طرز میں لکھا ہے۔ "خرجت الی الولید" (یعنی نکل کے ولید کے پاس چلی گئی)، اصل عبارت اس شیعہ مؤلف کی یہ ہے:۔

وکان لزید (بن حسین بن علیؓ) ابنۃ اسمہا نفیسۃ خرجت الی الولید بن عبد الملکؒ بن مروان فولدت لہٗ منہ وماتت بمصر وقد قیل انما خرجت الی عبد الملکؒ بن مروان وانما ماتت حاملا منہ والاصح الاول وکان زید یفد علی الولید بن عبد الملکؒ ویقعدہ علی سریرہ ویکرمہ لمکان ابنتہ ووہب لہ ثلثین الف دینار دفعۃ واحدۃ۔

(عمدۃ الطالب صفحہ ۶۴ طبع اول مطبع جعفری لکھنؤ)

یعنی زید (بن حسن بن علیؓ) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو الولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ مصر میں فوت ہوئی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور زید مذکور ولید بن عبدالملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے ان کو بیک وقت تیس ہزار اشرفیاں عطا کی تھیں۔

یہ زید بن حسن بن علیؓ وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

ان جناب مؤلف نے اس عفیفہ کے نکاح کے بارے میں جس توہین آمیز طریقہ پر "خرجت الی" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدہ ام کلثوم بنت حضرت فاطمہؓ کے سیدنا عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا واقعہ ان حضرات کی مستند کتابوں میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ "واول فرج غصبت منا" (یعنی یہ پہلی شرم گاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی) کہا ہے اور اس لغو قول کو اپنے ایک امام کی طرف منسوب کیا ہے (معاذ اللہ۔

معز الدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسینؓ کی بنیاد ابتداءً اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثوم کے حضرت فاروق اعظمؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہوگیا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا، ما سمعت ھذا قط (ص۲۶۲ ج البدایہ والنہایہ) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعت کے عقائد سے تائب ہوا۔ ورجع الی السنۃ ومتابعتھا (ص۲۶۲ ایضاً) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس کی محبت واتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا۔

(۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اسی اموی و مروانی خلیفہ ولیدؒ بن عبد الملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی (جمہرۃ الانساب ابن حزم، صفحہ ۳۶)، یہ زینب حضرت محمد (الباقرؒ) کی سالی اور عبد اللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسنؒ مثنیٰ واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے۔ اور معرکۂ قتال وجدال میں شریک ہو کر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے۔ اور زخم مندمل ہو کر صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی ام قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؓ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسن کے عثمانی و اموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروانؓ کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے عقد میں آئیں

(جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۷ وکتاب المجر صفحہ ۴۳۸)

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی پوتی امیر المومنین مروانؓ کے ایک فرزند معاویہ بن مروانؓ بن الحکم کے عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اموی و مروانی نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (صفحہ ۸۰ وصفحہ ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؓ کے ایک بھتیجے کے فرزند، اسماعیل بن عبد الملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے متولد ہوئے یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندان اسمٰعیل مذکور (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۶) حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علیؓ کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبد الملک مذکور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اموی نواسے محمد الاکبر وحسین واسحٰق ومسلمہ پیدا ہوئے۔ (ص۱۰۱ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

حضرت علیؓ کثیر الازواج اور کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی چھتیس ۳۶ اولادیں مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطنوں سے ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے۔ اس عرصہ میں ۹ خاتونوں اور ام ولد کو زوجیت میں لائے۔ وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس ۱۹ ام ولد چھوڑیں۔ (الملل والنحل ابن حزم) شیعہ مورخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ان کی اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

لامیر مؤمنین فی اکثر الروایات ستۃ وثلثون ولدا، ثمانیۃ عشر ذکرا وثمانیۃ عشر انثی (ص۱۲)

یعنی امیر المومنین (علیؓ) کے اکثر روایات کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں تھیں جن میں سے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں (صفحہ ۴۲)

دختران علی زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباسؓ اور بنو مروان کی زوجیت میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۲ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۳) وتزوج منھن ایضا عبد الملکؒ بن مروان (ص۳۳ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یعنی ان

ہیں (بنات علیؓ ہیں) سے اسی طرح عبدالملک بن مروانؒ نے شادی کی، ان رشتوں سے جو بنی اُمیّہ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی امیہ و بنی ہاشم کے ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولاد میں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور نہ مذہبی و سماجی و معاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے یہ داماد علم و عمل و سیرت و کردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور امام" زادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں ۔ ب قلمی تصویر کا وہ رخ بھی ملاحظہ ہو جو شیعہ مؤلفین نے پیش کیا ہے۔

۔ میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً تین سو ساٹھ برس بعد نہج البلاغۃ کے مؤلف نے جو خطبے خود تصنیف کر کے اور دوسرے فصحائے شیعہ سے تصنیف کرا کے بغیر کسی سند اور ثبوت کے حضرت علیؓ سے منسوب کر کے شامل کتاب کئے ہیں ان میں سے متعدد خطبات میں عبد الملکؒ اور ان کے عزیزوں، بھائیوں، اولاد کی تنقیص میں، نیز ان لشکر کشیوں کے بارے میں جو مصعب بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن الاشعث کے مقابلہ میں خلیفہ اُموی نے کیں حضرت علیؓ کی زبان سے ان میں ایسے الفاظ ادا کرائے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ تصنیف کرنے والے کو، جو حضرت موصوف کی وفات سے صدیوں بعد خطبے وضع کر رہا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس اموی خلیفہ عبدالملکؒ کو حضرت علی کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ نیز ان کے بھائی معاویہ بن مروانؒ کو بھی۔ ورنہ حضرت علیؓ کے ان دامادوں کے خلاف نہ خطبے تصنیف کئے جاتے نہ ایسے الفاظ تحریر ہوتے۔

خطبہ ۹۷ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:۔

کانی انظر الی ضلیل قد نعق بالشام الخ یعنی گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے اس نے نواحی کوفہ میں اپنے علم ظاہر اور بلند کئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا منہ درندوں کی طرح کھل جائے اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں۔ وہ زمین میں سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت ابنائے زمانہ کو گزند پہنچائیں۔ لڑائی کی موجیں جنبش کریں دنوں میں اس کے ظلم و ستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جور و الم کی گزندگی

میری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو، اس کے رسیدہ میوے نہال ہو جائیں۔ اس کا گلو شقشقہ شتر مست کی طرح آواز دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں اس کے فتنے شب تیرہ و تار اور بحر متلاطم و متواج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کوفہ توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے۔ تند اور سخت ہواؤں کا اس پر گزر ہو۔ تھوڑے زمانہ بعد یہ گروہ مردم (یعنی بنی مروانؒ) دوسرے گروہ (یعنی بنو عباسؓ) کے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیر خاک پنہاں ہو جائیں[1]

حضرت علیؓ کی وفات سے تینتیس اکتیس برس بعد یعنی ۷۱ھ میں جب عبداللہ بن زبیرؓ اور امیر المومنین عبدالملکؒ کے مابین خلافت کی چپقلش جاری تھی مصعب بن زبیرؓ جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے، اپنے بھائی کی جانب سے عراق کے عامل تھے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ سے قبل خلافت ان کی گہری دوستی تھی۔ آپس میں محبت تھی۔

وقد کان عبد الملک یحب مصعباً حبّاً شدیداً وکان خلیلا له

---

[1] اہل تاریخ نے زوال خلافت امویہ کی وہ بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ معاذ اللہ اور عباسی فتح مندوں کے وہ مظالم دکھائے ہیں کہ جگر شق ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چن چن کر اموی سادات کو قتل کیا گیا۔ پھر انہیں عباسی خلفاء کے حاشیہ نشینوں میں بتایا ہے امیر عبدالرحمٰن الداخل جنہوں نے ہسپانیہ میں اموی امارت قائم کی تھی اور عباسیوں کے داعیوں کی دست بُرد سے فرار ہو کر وہاں پہنچے سب مظالم ان کے آنکھوں دیکھے تھے۔ انہوں نے عباسی خلافت کو کیوں تسلیم کیا۔ اور اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ کہا۔ اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہسپانی مسلمانوں کے اندر عباسیوں کے خلاف پروپگنڈا کیوں نہیں کیا۔ اگر ایک فیصد واقعات بھی ایسے ہوتے جیسے بیان کئے جاتے ہیں تو ہسپانوی تالیفات میں عباسیوں کے مظالم اسی طرح بیان ہوتے جیسے سبائی کتابوں میں امویوں اور عباسیوں کے مظالم کی داستانیں ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں اموی اکابر کے تذکرے کئے ہیں جو عباسی خلفاء کے ندیم و مصاحب تھے اور تعلقات مصاہرت بھی امویوں اور عباسیوں میں قائم رہے تھے۔

قبل الخلافۃ (صفحہ ۳۱۶ جلد ۸ البدایہ والنہایہ)

(یعنی عبدالملک کو مصعب سے بہت محبت تھی اور خلافت سے پہلے دونوں آپس میں دوست تھے)

عبدالملکؒ نے طرح طرح سے کوشش کی کہ مصعبؒ جدال و قتال سے باز آجائیں اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں تو عراق کی حکومت پر فائز کر دیئے جائیں۔ مگر وہ نہ مانے مجبوراً عبدالملکؒ نے عراق پر تسلط قائم کرنے کے لئے شام سے لشکر کشی کی کوفہ کے قریب مقام مسکن میں سخت رن پڑا۔ اموی خلیفہ کی فوج کے میمنہ کی کمان امیر یزید بن امیر معاویہؓ کے فرزند عبداللہ کر رہے تھے اور میسرہ کی کمان ان کے بھائی خالد بن امیر یزید بن امیر معاویہؓ۔ مصعب کے امیر لشکر ابراہیم بن الاشتر تھے جن کو عبداللہ بن امیر یزیدؒ نے سخت حملہ کر کے قتل کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی کے وقت عبدالملکؒ نے پھر کوشش کی کہ مصعب ہٹ جائیں، اپنے بھائی محمد بن مروانؒ کو ان کے پاس بھیجا کہ ان کو امان دیں۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر قبول نہ کی:۔ ان مثلی لا ینصرف عن ھذا الموضع الا غالباً او مغلوباً۔ یعنی "مجھ جیسا اس موقع سے سوائے غالب یا مغلوب ہونے کے نہیں ہٹ سکتا" پھر ان کے بیٹے عیسٰی بن مصعب کی جان بچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد بن مروانؒ نے ان سے کہا۔

"اے بھتیجے اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو، تم کو امان ہے"

ان کے باپ نے بھی یہ سن کر ان سے کہا کہ "تمہارے یہ چچا تم کو امان دے رہے ہیں، قبول کر لو ہٹ جاؤ!"

بیٹے نے جواب میں کہا لا یتحدث نساء قریش انی اسلمتک للقتل (صفحہ ۳۱۷) یعنی میں قریش کی خواتین سے یہ کہلانا نہیں چاہتا کہ میں نے آپ کو قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ دیا۔

پھر کہا: واللہ لا یتحدث عن قریش انی فررت من القتال (یعنی واللہ میں قریش کی زبانوں سے یہ کہلوانا نہیں چاہتا کہ لڑائی سے میں بھاگ پڑا۔

یہی ذہنیت سادات قریش و شجاعان عرب کی۔ نبرد آزمائی اور جدال و قتال کے عین وقت بھی مصعب جب قتل ہو گئے۔ عبدالملکؒ کو اس کا ملال ہوا اور کہا۔

لقد کان بینی وبین مصعب صحبۃ قدیمۃ وکان احب الناس الی ولکن ھذا الملک عقیم (صفحہ ۳۱۶ ایضاً) یعنی مجھ میں اور مصعب میں پرانی دوستی تھی مجھے وہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن سلطنت کی حالت بانجھ عورت کی سی ہے اس میں تعلقات کا لحاظ نہیں ہوتا۔

ان باتوں کا ذکر کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ حکومت و سلطنت کے حصول کی کشمکش اور سیاسی رقابت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی وفات کے تیس ۳۰ اکتیس ۳۱ برس بعد جو واقعات پیش آئے پھر اس کے ایک صدی بعد بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا اس کا حال حضرت علیؓ جیسی بزرگ ہستی کی زبان سے جو مدت العمر نوع انسان کے سب سے بڑے ہادی و معلم الاخلاق کی تعلیم و صحبت سے مستفیض رہے، جن الفاظ میں شروع ہوتا ہے الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنۃ بنی امیۃ الخ یعنی "آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی امیہ ہیں۔ بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔ الخ"

خطبہ ۱۲۰ میں حضرت مروانؓ کے لئے کہلوایا گیا ہے کہ وہ حکومت کو اسی طرح چاٹے گا جیسا کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے اور وہ چار بھینسوں کا باپ ہے۔ اور قریب ہے کہ امت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھ سے سرخ موت نصیب ہو شارح نہج البلاغۃ کے نزدیک ان چار سے مراد یا تو بنی عبدالملک ہیں یعنی الولیدؒ و سلیمانؒ و یزیدؒ و ہشامؒ یا بنو مروانؒ ہیں، یعنی عبدالملکؒ، عبدالعزیزؒ، و بشرؒ و محمدؒ ان میں سے اور ان کے دوسرے عزیزوں میں سے متعدد کو حضرت علیؓ۔ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور دیگر اکابر بنی ہاشم کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔ پھر ایک اور خطبہ ۱۲۳ میں بنی امیہ کے لئے جن میں سے بہتوں کو خود ان کی اولاد کی بیٹیاں بیاہی گئیں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔

"خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا اور ان کے لئے باقی رہا تو میں انہیں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا جیسے قصاب خاک آلودہ اوجھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے"

اسلامی عقیدے میں سوائے باری تعالےٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا

علم نہیں۔ سورۂ الانعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ۔

(اے رسول کہہ دیجئے میرے پاس نہ خدا کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے)

اسی طرح دیگر آیات میں اس کا اظہار ہے۔ لو فرضنا حضرت علیؓ اگر غیب داں بھی تھے اور ان کو اپنی وفات سے اکتیس برس بعد ہونے والے اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا کہ عبد الملکؒ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے داماد مصعبؒ شوہر سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ اور حضرت علیؓ کی فوج کے کمانڈر الاشتر کے فرزند ابراہیم مقتول ہوں گے اور عبد الملکؒ کی گزندگی حیوانوں کی طرح کی ہوگی تو غور طلب امر یہ ہے کہ بنی اُمیہ اور بنی مروان میں سے اس قماش کے شخص کو اپنی دامادی کے شرف سے محروم رکھنے کی وصیت کیوں نہ فرمائی، کیوں اس کے اور اس کے بھائی معاویہ بن مروانؒ کے حبالۂ عقد میں دختران علی المرتضیٰؓ دی گئیں، کیوں بنی مروانؒ اور ان کی اولاد و احفاد سے "امام زادیوں" کے رشتہ مناکحت متواتر اور مسلسل طور سے جاری رہے اور کیوں آپس میں ایسا اتحاد ایسی محبت و مودت رہی کہ مروانی دامادوں کے فیاض ہاتھوں سے جو تخت خلافت پر فائز تھے بیک وقت تیس تیس ہزار اشرفیاں یہ "امام زادے" جو ان کے خسر تھے حاصل کرتے رہے۔ کیا ان حالات اور واقعات سے یہ صاف اور صریح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے، نہ یہ کلام جو ان کی وفات کے تین سو سال برس بعد ان سے منسوب کیا گیا ہے ان کا کلام ہے جو مبتذل اور رکیک کلمات سے مملو ہے۔ حاشا جنابہ! اور نہ امویوں اور ہاشمیوں میں نسلی و خاندانی عداوت تھی۔

راقم الحروف نے چار سال قبل ۱۹۵۴ء میں جو مقالہ بعنوان "نہج البلاغۃ تاریخ کی روشنی میں" لکھا تھا (مطبوعہ رسالہ تاریخ و سیاسیات فروری ۱۹۵۴ء) اس میں علاوہ اور بہت سے شواہد کے ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی مستند کتب لغت کے حوالہ جات

سے پیش کی تھی جو "مولدہ" کہلاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی وفات کے سینکڑوں برس بعد اس وقت عربی زبان میں مرّوج ہوئے۔ جب دیگر زبانوں سے مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ یہ الفاظ حضرت ممدوح کی زبان سے مولف نہج البلاغۃ نے متعدد خطبات میں ادا کرائے ہیں۔ جو بیّن ثبوت ان خطبات کے وضعی ہونے کا ہے اس سے بھی زیادہ اور قوی ثبوت نہج البلاغۃ اور اسی قسم کی دوسری تالیفات کی وضعی روایتوں کی تردید و تکذیب کے لئے صفین و کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد کی یہ قرابتیں ہیں جن میں سے نو قرابتوں کی تفصیلات اوپر درج ہو چکی ہیں۔

اولادِ حسینؓ کی قرابتیں

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مجمل حال سنیئے:۔

۱۔ حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؓ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؓ کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا ایک نکاح اُموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروانؓ کے پوتے الاصبغ بن عبد العزیز بن مروانؓ سے کیا جو امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کے بھائی تھے، ان کی کنیت ابو زبان تھی اور ان کی دوسری زوجہ امیر المومنین یزیدؒ کی دختر اُم یزید تھیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۹۶، ۹۷ و کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۲۔ سیدہ سکینہ دختر حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذی النورینؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمانؓ سے ہوا تھا۔ پھر اس اموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی تھی (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۳ جمہرۃ الانساب صفحہ ۹۷، کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹ و کتاب المحبر صفحہ ۴۴۰)

۳۔ حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو ان کے شوہر عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم سے تھیں۔ امیر المومنین مروانؓ کے پروتے العباس بن الولید بن عبد الملک بن مروانؓ کو بیاہی گئیں (صفحہ ۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری)[1]

---

[1] غور طلب ہے ان اموی بزرگ کا نام عباس، اور ہاشمی نز"

۴۔ حضرت حسینؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اموی خاندان میں عبد اللہ بن عمرو بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا جن سے حضرت حسینؓ کے دو اموی وعثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۶ و مقاتل الطالبین صفحہ ۱۸۰ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۵۔ حضرت حسینؓ کے ایک پر پوتے حسن بن حسین بن علی بن الحسین کی شادی اموی خاندان میں خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعد بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی تھی۔ اس امویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسینؓ کے دو پر پوتے محمد و عبد اللہ فرزندانِ حسن مذکور ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۵ و کتاب نسب قریش صفحہ ۴۷)

۶۔ حضرت حسینؓ کے ایک اور پر پوتے اسحٰق بن عبد اللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ کی شادی اُموی و عثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسینؓ کے عثمانی پر پوتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے (جمہرۃ الانساب، صفحہ ۷۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۶۵)

دیگر قرابتیں

کربلا کے بعد کی یہ چھ قرابتیں تو خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اموی ومروانی خاندان میں ہوئیں اب ان کے بھائی عباس بن علیؓ اور دوسرے عزیزوں کی اولاد کی قرابتوں کا حال سنیئے:۔

۷۔ حضرت حسین کے بھائی عباس بن علیؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علیؓ کی شادی امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبد اللہ بن خالد بن یزید بن معاویہؓ سے ہوئی اس علویہ خاتون کے بطن سے امیر المومنین یزیدؒ کے پر پوتے علی و عباسؒ فرزندانِ عبد اللہ بن خالد بن یزیدؒ ہوئے (جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۰۳ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۹)

۔ کے فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید۔

۔ ۔ یزیدوں کے یہ نام بھی ملاحظہ ہوں جو آل بیت خلافت امویہ ہیں۔

ان میں سے ایک علی بن عبد اللہ مذکور نے اپنے حسینی ماموؤں کی تحریک سے امیر المومنین مامون الرشید عباسیؒ کے خلاف بادعائے خلافت خروج بھی کیا تھا۔ ان کے دادا عباس بن علیؓ اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں مع اپنے دوسرے تین بھائیوں کے موجود تھے بمعرکۂ قتال میں شریک ہو کر مقتول ہوئے۔ منع آب کی وضعی روایتوں میں ان عباس بن علیؓ کو "سقائے اہلبیت" بھی کہا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں نہ پانی کی بندش ہوئی اور نہ اس بندش کا کوئی امکان تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن امیر المومنین یزیدؒ یا ان کے کسی عامل کے حکم یا اشارے سے اگر یہ وحشیانہ ظلم کیا گیا ہوتا تو ان "سقائے اہل بیت" کی پوتی ایسا ظلم ڈھانے والے کے پوتے کو کیوں بیاہی جاتی۔ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ رشتہ بھی اس زمانہ میں ہوا جب امیر المومنین یزیدؒ کے اپنے گھرانے میں سیاسی اقتدار بھی باقی نہ رہا تھا آل معاویہؓ کے بجائے آلِ مروانؒ خلافت پر فائز تھے۔ جن کے اپنے دادا اور دادا کے عزیزوں کو خوردسال بچوں تک کو جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہو۔ وہ ایسے مظالم توڑنے والوں کے گھر کیسے بیاہ کر جاتی اور کیوں کر اس رشتہ کو قبول کرتی اس رشتہ کے شواہد اس درجہ مستند و معتبر ہیں کہ شبہ کی گنجائش نہیں کیا اس رشتہ کے ہونے نیز دوسری اسی قسم کی قرابتوں کے ہونے سے جو واقعۂ کربلا کے بعد مسلسل طور سے ہوتی رہیں۔ یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ مظالم کربلا و منع آب کی روایتیں ابو مخنف و ہشام وغیرہ جیسے سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ یہی وہ مؤلفین و وضاعین ہیں جنہوں نے اس مبحث پر سب سے اول تالیفات کیں جن کے اقتباسات بعد کے مورخین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے۔ مجالس اور مراثی میں بیان ہو کر زبان زد خاص و عام ہوتے گئے۔

اب اسی سلسلہ کی چند اور قرابتوں کا تذکرہ کہ وہ بھی صفین و کربلا کے بعد کی ہیں اس امر کی مزید وضاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے کہ حسینی و جعفری و زینبی و عباسی اکابر اپنی بیٹیاں اموی خلفاء کو اور ان کے بیٹوں، پوتوں کو بیاہتے اور محبت و مودت کے تعلقات قائم رکھتے رہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے حضرت محمد بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی

سیدہ رملہ کا نکاح حضرت مروانؓ کے پروتے سلیمان بن امیر المومنین ہشام بن امیر المومنین عبدالملک بن امیر المومنین مروانؒ سے ہوا تھا۔ ان کے انتقال پر اس ہاشمیہ خاتون کا نکاح ثانی حضرت ابوسفیانؓ کے پروتے ابوالقاسم بن الولید بن عتبہ بن سفیانؓ سے ہوا۔ ان ابوالقاسم بن الولید کی والدہ ماجدہ سیدہ لبابہ بنت حضرت عبیداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب یعنی حضرت حسینؓ کی رشتہ میں چچیری بہن تھیں اور ان کے اُموی شوہر الولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ امیر المومنین معاویہؓ کے بھتیجے اور حضرت حسینؓ کے زمانہ اقدام خروج میں مدینہ کے عامل تھے۔ ان ہی ولید کے فرزند ابوالقاسم کو جو امیر یزیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ حضرت حسین کی یہ بھتیجی یعنی ان کے چچیرے بھائی محمد بن جعفر طیارؓ کی صاحبزادی بیاہی گئیں (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۹ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۱۰۲)

۲۔ حضرت حسینؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ ام کلثوم بنتِ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب جو سیدہ زینب بنت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں، اول اپنے ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں۔ اس شوہر سے صرف ایک بیٹی ہوئی جو بالغ ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند حمزہ کو بیاہی گئی۔ ان سے اولاد بھی ہوئی۔ حمزہ کے فوت ہو جانے پر طلحہ بن عمر بن عبید اللہ تیمی سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی اولاد ہوئی اور نسل چلی۔ ان اُم کلثوم کا نکاح ثانی اپنے شوہر قاسم بن محمد مذکور کے فوت ہو جانے پر اموی گورنر مکہ و مدینہ حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا جن سے ایک بیٹی ہوئی۔ پھر زوجین میں علیحدگی ہو گئی۔ تیسرا نکاح اس ہاشمیہ و جعفریہ خاتون کا اموی خاندان میں ابان بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا۔ ان کے انتقال پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ ۹ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحات ۶۱ و ۱۱۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳)

۳۔ حضرت حسینؓ کے حقیقی چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی دوسری صاحبزادی سیدہ ام محمد جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؓ کے [illegible] عقد میں تھیں اور ان اُم محمد کی حقیقی بہن اُم ابیہا، امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں [illegible] طلاق ہو جانے پر حضرت علی بن عبداللہ العباسؓ بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں۔ [illegible] اُم محمد و اُم ابیہا اور چار بھائی یحییٰ و ہارون و صالح و موسیٰ حضرت عبداللہ بن

جعفر طیار کی زوجہ ثانیہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ نے ان سے عقد کر لیا تھا۔

(کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۶۲)

۴۔ حضرت علیؓ کے ایک نواسے اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے علی بن عبداللہ بن جعفر طیار جو سیدہ زینب بنتِ حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہونے کی بنا پر بعد میں "علی الزینبی" کہلائے۔ ان کی حقیقی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی مروانی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروانؒ سے ہوئی تھی۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد پھر وہ اسی اموی و مروانی خاندان میں بکار بن امیر المومنین عبدالملکؒ کے عقد میں آئیں اور بکار اموی کے بعد صالح بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۰)

۵۔ حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کے فرزند ابو ہاشم عبداللہؒ کی صاحبزادی سیدہ لبابہ کی شادی اموی خاندان میں سعیدؒ بن عبداللہؒ بن عمروؓ بن سعیدؓ بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی تھی۔ یہ ابو ہاشم عبداللہ علوی ایک شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام کہے جاتے ہیں (ص۷۶ کتاب نسب قریش)

یہ سب بنی قرابتیں بعد صفین و کربلا صرف حضرت علیؓ اور ان کے فرزندوں کی اولاد کی امیر المومنین یزیدؒ اور ان کے دوسرے اُموی عزیزوں سے ہوئیں ورنہ یوں تو بنو ہاشم و بنو اُمیہ میں مناکحت و مصاہرت کا سلسلہ بوجہ ہم جد ہونے کے قبل اسلام سے جاری تھا۔ حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب حضرت معاویہؓ کے حقیقی چچا حارث بن حرب بن امیہ کو بیاہی گئی تھیں۔ اس اموی شوہر کے انتقال کے بعد عقد ثانی العوام بن خویلد سے ہوا جن سے حضرت زبیرؓ حواریٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسری پھوپھی حضرت علیؓ کی البیضاء اُم حکیم بنت عبدالمطلب کی شادی بھی اسی خاندان میں کریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کی یہ پھوپھی حضرت عثمان ذی النورینؓ کی حقیقی نانی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ پھر حضرت معاویہؓ کی پھوپھی ام جمیل حمالۃ الحطب، حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کی زوجہ ہونے کی بنا پر ان کی چچی تھی اسلام کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں

قرابتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صفین اور کربلا کے بعد خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت حسن وحسینؓ اور ان کے سوتیلے بھائیوں جناب عباسؓ و محمد الحنفیہؒ اور ان کی حقیقی بہن سیدہ زینبؓ کی اولاد کے رشتے اموی و مروانی خاندان میں بدستور ہوتے رہے۔ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کے رشتے اسی خاندان میں کئے اور اپنا ایک نکاح بھی آپؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی ام المومنین ام حبیبہ صلوات اللہ علیہا سے اس زمانہ میں کیا تھا جب مکہ فتح نہیں ہوا تھا، اور یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

عسیٰ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منہم مودۃ (سورۃ ۶۰ آیت ۷)

یعنی شاید اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان جو تم سے عداوت رکھتے ہیں محبت پیدا کر دے۔

فکانت المودۃ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حبیب بنت ابی سفیان فلان ابوسفیانؓ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک المودۃ	پس اسی محبت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی دختر اُم حبیبہ سے نکاح کیا جس کی وجہ ابوسفیان کے دل میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی پیدا ہوئی۔ پس یہی محبت کا موجب تھی

(صفحہ ۸۹ کتاب المحبر علامہ جعفر محمد متوفی ۲۴۲ھ)

جب اس نکاح کی خبر کسی نے ابوسفیان کو آکر سنائی۔ انہوں نے کہا، "اچھا ہوا محمدؐ اس کے بہت اہل ہیں" یہ بات سیدنا ابوسفیانؓ کے کفر کے زمانہ کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے کفار قریش کی آمدورفت اور میل جول مہاجرین داخل مدینہ سے ہونے لگا تھا۔ (ابوسفیانؓ اور ان کے بیٹے حضرت ام حبیبہؓ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ کتاب نسب قریش میں یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیانؓ بھی سے ملنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئے آپؐ سے اور ان سے دوران ملاقات میں گفتگو ہو رہی تھی، پاس کے لوگوں نے سنا کہ آنحضرت صلعم ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں قبائل عرب کی حلیفی کا ذکر تھا۔ آپؐ نے فرمایا ابوحنظلہ (ابوسفیان کی کنیت کیا تم بھی ایسا کہتے ہو؟ یعنی کفار قریش کا زعم تھا کہ ان کی وجہ سے قبائل عرب آنحضرت صلعم سے کھچے کھچے رہیں گے۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم سے تو میری قرابت ہے

تم ان کے ہمنوا کیوں ہو۔ اسی زمانہ میں یعنی فتح مکہ سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا۔ منافقین نے اس غلط روایت کو بہت شہرت دی کہ فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلعم کے فرمانے سے ان کو ایسی جگہ کھڑا کیا تھا تاکہ لشکر اسلام کی شان وشوکت دیکھیں اور اسلام لائیں حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور اس نوید کے ساتھ ان کو مکہ بھیجا گیا تھا کہ "من دخل دار ابی سفیان فھو امن" یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی مگر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے صاحبزادوں کو آنحضرت صلعم نے مدینہ میں رکھا جس سے ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لاتے تھے۔ پھر ان کو نجران کا والی مقرر کیا۔ وہی نجران جہاں رومی اقتدار ابھی پوری طرح مضمحل نہیں ہوا تھا۔ ایسے سرحدی علاقے پر نہایت معتمد اور مخلص مدبر ہی متعین کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسی عظیم ترین اعتماد کی بنا پر آنحضرت صلعم نے یہ عہدۂ جلیلہ ان کو عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح ان کے فرزند حضرت یزیدؓ کو تیما کا والی مقرر کیا۔ اور وحیٔ الٰہی کی کتابت کے لئے بھی ان میں سے ایسے ہی مخلص ترین شخص کا انتخاب کیا جا سکتا تھا جس کی عظمت ایمانی وطہارت قلبی مسلّم ہو۔ چنانچہ آپ کے کاتبان وحی میں حضرت معاویہؓ شامل تھے۔ منافقین قبحھم اللہ کہتے ہیں کہ انہیں کتابت وحی کے لئے نہیں بلکہ سرکاری خط وکتابت کے لئے مقرر کیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی کی رسالت اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لئے امانت، وایمان ضروری نہ ہو مگر کون کہہ سکتا ہے کہ قیصر وکسریٰ وغیرہ کو جو نامہ ہائے مبارک لکھے گئے وہ وحی الٰہی کے تحت نہ تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے ان اموی خسر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے خاندان کو مدینے میں رکھا۔ عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ حضرت ابوسفیانؓ غزوۂ طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے ایک آنکھ کفار کے تیروں سے شہید ہوئی۔ طائف کا بت خانہ انہوں نے ہی توڑا تھا۔ یرموک کے جہاد میں دوسری آنکھ بھی راہِ خدا میں نذر ہو گئی۔ وہ شام کے جہادوں میں جہاں ان کے فرزند کو حضرت صدیق اکبرؓ نے امیر عسکر اسلامی کی حیثیت

سے متعین کیا تھا نہایت بہادری سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی حضرت یزیدؓ کے طاعون عمواس میں فوت ہو جانے پر ان کی جگہ متعین کیا۔ انہوں نے اس خوبی اور عدل و تدبر سے اس اہم سرحدی علاقہ کا انتظام کیا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی تمام مدتِ خلافت میں صرف انہی کو برابر اس عہدہ پر قائم رکھا۔ حالانکہ حضرتِ موصوف نے کسی عامل کو جن میں صحابہ کبارؓ شامل تھے اس طرح ہمیشہ ایک جگہ قائم و متعین نہیں رہنے دیا۔

حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کے رشتے سے حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ زہراؓ کے ماموں اور ان کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ اپنے ایام خلافت میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ نے ان سے جو حسن سلوک کیا۔ گرانقدر وظائف و عطایا مقرر کیے ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو فتنہ اٹھا اور نوبت جنگ و جدل کی پہنچی اور بعد میں صلح پر منتج ہوئی، وہ سیاسی اختلافات تک محدود رہی۔ بعض لوگوں کا یہ بیان کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ میں جو مخالفت پیدا ہوئی۔ اس کا یہ اثر تھا کہ ان کی اولاد میں بھی اسی شدت کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے۔ حقائق تاریخ کے قطعاً خلاف ہے صفین اور کربلا کے بعد کی یہ قرابتیں اور ان کی تفصیلات ان لوگوں کے اس دعوے کے بطلان کے لئے کافی ہیں۔ ہاشمی و اموی زوجین کے لئے یہ رشتے اور ان کی طرح کے اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں، مبارک ثابت ہوئے۔ اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں، عثمانی و سفیانی و مروانی گھرانوں میں علوی و حسنی نواسے نواسی اور حسنی و حسینی گھرانوں میں اموی و مروانی نواسے نواسی صفین و کربلا کے بعد پیدا ہوتے بڑھتے پھولتے پھلتے رہے۔

جناب عباس بن علیؓ کے نواسے علی بن عبد اللہ بن خالد بن امیر المومنین یزیدؒ فخریہ کہا کرتے تھے کہ "میں شیخان (سرداران) صفین کا پوتا ہوں"۔

یہ قرابتیں زندہ ثبوت ہیں ان دونوں خاندانوں کی آپس کی محبت و مودت کا اتحاد و اتفاق کا نہ کہ مخاصمت و عناد کا۔ جس کے بارے میں، وضاعین نے بے بنیاد روایتیں وضع کیں۔ کتابوں میں درج کیں اور زمانہ مابعد میں سیاسی اختلافات کو مذہبی

جامہ پہنانے اور واقعات تاریخ کو مسخ صورت میں پیش کرنے کی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں۔

راس الحسینؓ

حادثہ کربلا کے بعد کی ان قرابتوں اور شادی بیاہ کے رشتوں کے ہوتے ہوئے جن کی تفصیلات اوپر پیش ہو چکی ہیں اور ان ہی میں ان ہاشمیوں کی اولاد کی قرابتیں بھی شامل ہیں جو یا تو کربلا میں مقتول ہوئے تھے۔ جیسے جناب عباس بن علیؓ یا مجروح ہو کر صحیح سلامت واپس آئے تھے، جیسے جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ۔ مظالم کربلا کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین اسی خاندان میں اور ان ہی امویوں اور سفیانیوں کو بیاہی جاتیں اور ان ہی کی رشتہ زیک زندگی بنتیں جن کے قریب ترین عزیزوں نے، جن کے باپ دادا نے، جن کے تایا، چچا نے جیسا بیان کیا جاتا ہے۔ ان ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین کے قریبی عزیزوں کو، ان کے باپ دادا کو، ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے ترپا ترپا کر پیاسا مارا ہو، بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو۔ ان ہی خواتین کی دادیوں نانیوں کو، خاندانِ رسالت کی مخدراتِ پردۂ عصمت و عفاف کو بے پردہ اور مکشوف الوجوہ پھرایا ہو۔ مقتولین کے سر کٹوائے ہوں، ان کی تشہیر کروا کر اپنے پاس منگواتے ہوں، ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر چھڑیاں ماری ہوں، ان کے سروں کو خزانے کے صندوقوں میں بند کر کے رکھا ہو۔ نعشوں کی اس درجہ بے حرمتی کروائی ہو کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ و پشت چکنا چور کرا کے بے گور و کفن ڈلوا دیا ہو، پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو، غرضیکہ درندگی اور بہیمیت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو تو ان حالات میں ایسے خونخوار قاتلوں اور ایسے سفاک و خون آشام خاندان والوں سے کیا یہ ہاشمیہ و علویہ و حسنیہ خواتین اگر ذرہ بھر بھی اصلیت مظالم کی ان وضعی روایتوں کی ہوتی کسی حال میں اور کسی صورت میں بھی اپنے شادی بیاہ کے رشتوں کو، مناکحت و مصاہرت کے خیال تک کو گوارا کر سکتی تھیں؟ صنف نازک خصوصاً ہاشمیہ خواتین کی غیرت و حمیت کو زمانہ جانتا ہے۔ جان جائے پر آن نہ جائے پھر ان کی رگوں میں تو ان اسلاف کا خون دوڑتا تھا جن کو اپنی عزت نفس کی خاطر جانیں تک دے ڈالنے میں زر و مال کو پشیز دنیا وی کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے ان کی

کی زبانِ حال سے تو کہا گیا ہے ؎

عرق غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال!
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ساری دنیا کی دولت بھی ملتی تب بھی یہ رشتے اگر داستان ہائے مظالم کی ذرہ بھر حقیقت ہوتی ہرگز قبول و منظور نہ ہوتے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مظالم کربلا کی یہ ساری داستانیں جو آب و تاب سے بیان کی جاتی ہیں محض کذب و افترا ہیں یا پھر کربلا کے بعد کے ان رشتوں اور قرابتوں کی تفصیلات صحیح نہیں مگر ان کی صحت و صداقت و اصلیت کا واضح و بیّن اور جیتا جاگتا ثبوت قطع نظر تصریحات کتب انساب و تاریخ کے وہ اولادیں ہیں جو ان رشتوں سے عالم وجود میں آئیں اور ان سے نسلیں چلیں اور باقی رہیں۔ ابھی آپ جناب عباس بن علی رض برادر حسین رض کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب کے امیر المومنین یزید رح کے حقیقی پوتے عبد اللہ بن خالد بن یزید رح کے حبالہ عقد میں آنے کا حال پڑھ چکے ہیں۔ ان کے بطن سے کئی بیٹے ہوئے جن سے نسلیں چلیں۔ اس ہاشمیہ خاتون کے والد عبید اللہ جو تقریباً بارہ برس کی عمر کے اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں بذات خود موجود تھے۔ سب واقعات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے پس اگر منع آب اور وحشیانہ مظالم کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو۔ سقائے اہل بیت" کے یہ فرزند دلبند اپنی نور دیدہ کو اس گھر میں بیاہ کر کیوں اور کس دل سے بھیج سکتے تھے' جہاں ان کے والد ہی کا کٹا ہوا سر لا کے رکھا گیا ہو۔ جہاں ان کے چچا حضرت حسین رض کے سر کی بے حرمتی کی گئی ہو' جہاں ان کے دوسرے چچوں اور عزیزوں کے سروں کا ایک انبار لگ گیا ہو! ان رشتوں کی اور ان حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم و جور سے قتل کرانے، سر کٹوا کر منگوانے کی روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراع نہیں ہیں؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے نہ ان کی تشہیر کی گئی وہ ایک حادثہ المیہ تھا جو برادران مسلم اور ان کے ساتھ چند کوفیوں کے فوجی دستہ پر ناعاقبت اندیشانہ حملہ کر دینے سے یکایک پیش آگیا اور گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ دفن کروا دیا گیا تھا۔

سبائی راویوں نے جن کی یہ روایتیں ہی ماخذ ہیں اس حادثہ کے حالات کا اپنے مقاصد کے لئے وہ انبار لگایا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے درایتاً نظر ڈالی جائے و بآسانی مستور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلی رح نے "موازنہ انیس و دبیر" ایک موقع پر واقعات کربلا کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"کربلا کے واقعات جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کے موضوع شاعری ہیں جہاں تک تاریخ اور روایت سے ثابت ہوتا ہے نہایت مختصر ہیں معرکہ کے لحاظ سے اس واقعہ کربلا کی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سر و سامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے میں لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔"

علامہ موصوف کے پیش نظر "قال ابو مخنف" والی روایتیں ہوں گی۔ جن کی بھرمار طبری میں ہے اور طبری سے دوسروں نے اخذ کیا ہے ورنہ ان حقائق پر توجہ فرماتے جو ان اوراق میں پیش کئے گئے ہیں تو نہ تشنہ کا ذکر فرماتے نہ تین چار ہزار کے رفعتہً ٹوٹ پڑنے کا۔ خود ابو مخنف کی ایک وضعی روایت میں جو امیر المومنین کی خدمت میں حادثہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بارے میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ "واللہ اے امیر المومنین یہ معاملہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا جتنی دیر کے لئے آنکھ جھپک جائے" فو اللہ یا امیر المومنین ما کان الا جزر جزور او نومۃ قائل (طبری ج ص ۲۶۶) اس اعتبار سے بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کا معاملہ ہو سکتا ہے۔

مؤلف ناسخ التواریخ نے "در ذکر دفن شہدائے بنی ہاشم در کربلا" کے عنوان سے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت حسین رض کے کفن و دفن کا انتظام ان کے صاحبزادے علی ابن الحسین (زین العابدین) نے کیا تھا کیونکہ ایک امام کی تدفین و تکفین دوسرے امام کے سوائے اور کوئی نہیں کر سکتا اور اس وقت سوائے "امام زین العابدین" کے روئے زمین پر کوئی دوسرا امام نہ تھا ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یعنی ۱۲ محرم کو باعجاز امامت کوفہ سے پوشیدہ طور سے کربلا آئے نماز جنازہ

پڑھی اور دفن کرکے لوٹ گئے۔

ہنگام دفنِ پدر حاضر شد و بر آں جسد مبارک نماز بگذاشت و امر او را کفایت کرد و مراجعت نمود۔ (ج کتاب دویم ص۳۱۸)	اپنے والد کے دفن میں موجود رہے اور اس جسد مبارک پر نماز پڑھی اور ان کے کام (تدفین) کو پورا کیا اور لوٹ گئے۔

بہرحال نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جانا ثابت ہے۔ جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی کوفہ سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت خالد[1] بن عقبہ بن ابی معیط اُموی صحابی جو کوفہ میں ساکن تھے حضرت حسینؓ کے جنازے کی نماز میں شریک تھے "شہد جنازۃ الحسین" (جمہرۃ الانساب ص۱۰۶) تو کیا سر بریدہ لاشوں کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی؟ انہی راویوں کے دوسرے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مقتولین میں سے نہ کسی کا سر کاٹا گیا نہ تشہیر کی گئی۔ امام ابن تیمیہؒ نے سر حسینؓ کے یزید کے پاس بھیجے جانے سے انکار کیا ہے (الوصیۃ الکبریٰ ص۳۰)

خود یہ روایتیں ہی خصوصاً مقتولین اور حضرت حسینؓ کے سر کی تدفین کی اس درجہ متضاد ہیں کہ اپنی تکذیب آپ ہی کرتی ہیں مثلاً تدفین "راس الحسین" کے سات آٹھ مقامات[2] مختلف دیار و امصار میں بیان کئے گئے ہیں جن کی تشریحات ناسخ التواریخ وغیرہ سے اخذ کرکے ذیل کی جدول میں درج کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیونکر ممکن ہو سکتی تھی۔

---

[1] ان کی بہن ام کلثومؓ بھی صحابیہ و مہاجرہ تھیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ کی زوجیت میں تھیں اور بھائی ان کے ولید بن عقبہ کوفہ کے والی رہے تھے حضرت خالد کی اولاد میں متعدد اشخاص محدث فقیہ ہوئے ان میں سے چند اندلس پہنچے تھے ان میں ہیں عبداللہ بن عبیداللہ تھے جو دس واسطوں سے حضرت خالد کے پوتے تھے اندلس کے الجزائر الشرقیہ میں ان کی بیعت خلافت بھی ہوئی تھی۔

[2] دیگر تالیفات میں اور بھی متعدد مقامات بیان کئے گئے ہیں ان سب کو شمار میں لایا جائے تو دس بارہ مقامات کا اور اضافہ ہو جائے گا۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۱	کربلا	حضرت حسین کے صاحبزادے علی بن الحسینؓ کو ان کے والد اور دوسرے مقتولین کے سر سپرد کئے گئے انہوں نے چالیس دن بعد کربلا آکر دفن کئے (ص۳۷۶ ج۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)
۲	مدینہ منورہ	عامل مدینہ کے پاس سر بھیجدیا گیا وہاں بھی دو جگہ تدفین بیان کی گئی ہے (۱) حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں (۲) حضرت حسنؓ کے پہلو میں جو قبہ حضرت عباس عم رسول اللہ میں مدفون ہیں۔
۳	دمشق	تین دن تک دمشق کے دروازہ پر مصلوب رکھ کر باب الفرادیس دمشق میں دفن ہوا (ناسخ التواریخ)
۴	عسقلان	دمشق کو جب یہ سر بھیجے جا رہے تھے وہاں کے عمّال نے سر حسینؓ لیکر وہیں دفن کر دیا تھا (ایضاً)
۵	نجف	ملک شام کو جب یہ سر جا رہے تھے ایک غلام نے حضرت کا سر چرا (غلامے آں سر مبارک سرقت نمود ص۳۷۶ ج۲ ناسخ التواریخ) میں ہے کہ علیؓ کے پہلو میں دفن کر دیا۔
۶	خزانہ یزید میں تین برس تک محبوس رہ کر مقابر مسلمین میں دفن ہوا	سلیمان بن عبدالملک متوفی ۹۹ھ نے خزانہ بنی امیہ سے یہ سر حسب الحکم آنحضرت صلعم جو خواب میں ملا تھا نکال کر مقابر مسلمین میں دفن کرا دیا۔
۷	خزانہ بنی امیہ میں ۵۷ برس محبوس اور کسی میدان میں دفن ہوا۔	۱۳۳ھ میں عباسیوں کی فوج نے جب خزانہ بنی امیہ لوٹا ایک سپاہی کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا پارچہ حریر میں لپٹا ہوا یہ سر تھا اور پارچہ پر لکھا ہوا تھا اس نے دیکھتے ہی اسی میدان میں جہاں تھیلی کھولی تھی دفن کر دیا۔
۸	قاہرہ (مصر)	تقریباً پانسو برس بعد یعنی ۵۴۸ھ میں عبیدیوں کے سپہ سالار نے عسقلان سے منتقل کرکے قاہرہ (مصر) میں دفن کرا دیا جہاں مشہد حسینؓ کی عالیشان عمارت ہے۔

سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی مکذوبہ روایتیں

سر حسینؓ کے مختلف دیار و امصار میں دفن کئے جانے کی تصریحات کے ساتھ

جناب محمد (الباقرؒ) کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ

(ناسخ التواریخ صفحہ ۲۷۳) یعنی حسینؓ کا سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ

یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق سے جب سر واپس ہو کر ابن زیاد کے پاس کوفہ میں آیا اس خوف سے کہ کہیں کوئی فتنہ سر نہ نکالے سر کو نہ کوفہ میں دفن کرایا نہ کربلا میں بلکہ نجف میں قبر علیؓ میں دفن کرا دیا چونکہ علی و حسین نور واحد ہیں، اس لئے سر اپنے ہی جسم سے پیوستہ رہا "پس آں سر ہمایوں با جسد خویش پیوستہ است" (ایضاً) مگر مولف "مجاہد اعظم" نجف میں سر کے دفن کئے جانے کی روایت کو مستند نہیں سمجھتے اور یہ ریمارک کرتے ہیں کہ "اس زمانہ میں جناب امیرؑ کے مزار پر انوار کا حال سوائے ائمہ اہلبیت کے کسی اور شخص کو معلوم نہ تھا[1] (صفحہ ۳۰۲) اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قبر علیؓ کے وجود کا تین سوا تین سو برس تک کسی کو بھی علم نہ تھا۔ بنی بویہ کے عہد امیر الامرائی میں عضد الدولہ دیلمی متوفی ۳۷۲ھ نے نجف میں یہ مزار بنوایا تھا ظاہر ہے کہ جب قبر علیؓ کا حال معلوم ہی نہ تھا تو

---

[1] مورخین نے حضرت علیؓ کی تدفین کے بارے میں مختلف روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حسنؓ جب عراق سے مدینہ جانے لگے اپنے والد ماجد کی نعش کو صندوق میں رکھ کر اور کافور وغیرہ ڈال کر اونٹ پر بار کرایا تاکہ مدینہ میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ یہ شہرت تو عام طور سے پھیل گئی تھی کہ بڑا خزانہ بھی ساتھ لے جا رہے ہیں بنی طے کے علاقہ سے جب قافلہ گذرا رات کو ڈاکہ پڑا۔ یہ سمجھ کر کہ صندوق میں بھی مال ہے ڈاکو وہ اونٹ بھی ہانک کر لے گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ ڈاکوؤں نے میت کا کیا کیا کہاں دفن کرا دیا۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے اگر روافض کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کس کی قبر ہے تو وہ سنگ باری کریں (ج ۱ صفحہ ۱۳۸) ابن خلکان میں بھی اسے حضرت مغیرہؓ کی قبر بتایا ہے کیونکہ قبر علیؓ کا پتہ نہیں صاحب عمدۃ الطالب نے کہا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ کو حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے آپ کی اس م

تدفین سر کی یہ حکایت محض وضعی ہے اور اسی سے اس روایت کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ کوفہ سے جب مقتولین کے سر دمشق جا رہے تھے ایک غلام نے سر حسینؓ چرا لیا۔ "آں سر مبارک را دزدید" (حیات القلوب صفحہ ۵۲۶) اور قبر علیؓ میں دفن کر دیا۔ سر چرا بھی لیا ہو تو راہ دمشق سے قریب تر مقام کربلا ہی تھا اسے چھوڑ کر نجف میں جہاں قبر علیؓ کا اس زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا کیسے دفن کر دیا۔ مولف "مجاہد اعظم" اسی سلسلے میں یہ بھی کہتے ہیں کہ "جہاں تک اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں ہمیں اقرب الی الصورت یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرق منور جسد کے ساتھ ایک ہی مقام پر دفن ہے" (صفحہ ۳۰۲) نجف و مدینہ و عسقلان و قاہرہ میں سر کے مدفون ہونے کی روایتوں کو وہ "یقینی اور متفقہ" نہیں سمجھتے اور یہ بھی نہیں مانتے کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے دوبارہ کربلا آکر دفن کیا ہو کیونکہ بقول ان کے وہ دوبارہ کربلا آئے ہی نہیں اس لئے مولف موصوف فرماتے ہیں کہ "ہم کو اس روایت کے کہ عمر بن عبد العزیز نے آپ کے سر مبارک کو دمشق سے کربلا بھجوایا مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" (صفحہ ۳۰۳) اب اس روایت کو بھی سن لیجئے جس کے "مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" وہ روایت یہ ہے:۔

"چوں نوبت (خلافت) بعمر بن عبد العزیز افتاد از مدفن او (سر حسین) تفحص نمود و آں زمین را نبش کرد و آں سر مبارک را ماخوذ داشت و کس ندانست کہ آں سر چہ صنعت کرد چوں گماں میرود کہ دیندار بود تو اندشد کہ بہ کربلا فرستاد و با جسد مطہر ملحق ساخت۔
(ناسخ التواریخ ج ۶ از کتاب دوم صفحہ ۳۰۶)

جب نوبت (خلافت کی) عمر بن عبد العزیز تک پہنچی (سر حسین) کے مدفن کی تحقیق و تلاش کی اور اس زمین کو کھدوایا اور اس سر مبارک کو قبضہ میں کیا لیکن پھر کسی نے یہ نہ جانا کہ اس سر کے ساتھ کیا گیا چونکہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ دیندار شخص تھے ہو سکتا ہے کہ کربلا بھجوا دیا ہو اور جسم مطہر کے ساتھ ملحق کر دیا ہو۔

---

[1] اس قبر کا حال معلوم ہو گیا انہوں نے قبر بنوائی تھی پھر عضد الدولہ دیلمی نے یہ مزار بنوا دیا مگر بقول دے خوئے جگہ لامعلوم ہے جہاں علی دفن ہوئے۔
(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارہواں اڈیشن)

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز اموی کا زمانہ خلافت سنہ ۹۹ھ سے سنہ ۱۰۱ھ تک کل دو برس پانچ مہینے رہا یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً چالیس برس بعد بس اگر اس روایت کے "مان لینے کے سوا چارہ نہیں" تو ساتھ ہی یہ بات بھی مان لینے کی ہے کہ اس مدت چہل سال میں چند ہڈیوں کے سوا اور کیا باقی رہا ہوگا جو دمشق اور کربلا کے مدفنوں کو لیوں کھدوا ڈالا جاتا۔

اور یہ کام بھی وہ اموی خلیفہ کرتے یا کراتے جو عالم فاضل تھے زمرہ تبع تابعین میں شامل تھے اور شخصیت پرستی کی توہمات سے بالا تھے۔ مولف موصوف اس بارے میں مزید تفحص سے کام لیتے تو انہیں یہ بات بھی مان لینے کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ مقتولین کے سر نہ جسم سے جدا کئے گئے اور نہ تشہیر کرائی گئی۔ خود ملا باقر مجلسی اس بات کا اعتراف کرنے کے بعد کہ "در سر مبارک سید الشہدا کو خلاف میان عامہ بسیار است و ذکر اقوال ایشاں فائدہ ندارد" فرماتے ہیں کہ:

"حضرت رسولؐ آں سر گرامی را باخود بردو در آں شکے نیست کہ آں سر و بدن باشرف اماکن منتقل گردید و در عالم قدس بیکدیگر ملحق شد ہر چند کہ کیفیت آں معلوم نشد۔
(جلاء العیون صفحہ ۴۰۵)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سر گرامی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سر اور بدن دونوں اشرف اماکن کو منتقل ہو گئے اور عالم قدس میں ایک دوسرے سے ملحق ہو گئے ہر چند اس کی کیفیت کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔

ملا صاحب کے اس ارشاد کے ساتھ طرماح بن عدی کی وہ "حدیث" بھی پیش نظر رکھیے جو ابو مخنف نے روایت کی ہے، یعنی طرماح کہتے ہیں کہ میں "کشتگان یوم طف" کے درمیان سخت زخمی پڑا تھا۔ کوئی مجھے زندہ نہ جانتا تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ بیس سوار سفید لباس پہنے ہوئے پہنچے اور ان کے آتے ہی تمام میدان مشک کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ عبید اللہ بن زیاد ہوگا اور چاہتا ہوگا کہ تن مبارک حسینؓ کو مثلہ کرے کہ ان سواروں میں سے ایک سوار جسد حسین کے پاس آکر گھوڑے سے اتر پڑے اور بیٹھ گئے اس وقت کہ سر بائے شہداء کو کوفہ کی جانب [illegible] صاحب نے کوفہ کی جانب اشارہ کیا کہ ناگہ و سر حسینؓ

آن پہنچا اور ان کے جسم کے ساتھ ملحق ہو گیا! سر حسینؓ در رسید و بائنش ملحق گشت (ر۔ ناسخ التواریخ)، طرماح کا بیان ہے کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ الفاظ کہے یا ولدی قتلوک اتراهم ما عرفوک ومن شرب الماء منعوک (اے میرے بیٹے دیکھا تجھے قتل کر دیا، تجھے نہ پہچانا اور تجھے پانی منع کر دیا)، یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ

یا ابی آدمؑ ویا ابی ابراهیمؑ ویا ابی اسمعیلؑ ویا اخی موسیٰ ویا اخی عیسیٰ اما ترون ما صنعت الطغاة بولدی۔ لا انالهم اللہ شفاعتی۔
(صفحہ ۳۱۱ ایضاً)

اے بابا آدم اور اے دادا ابراہیم اور اے ابا اسمٰعیل اور اے برادر موسیٰ اور اے بھیا عیسیٰ! دیکھا تم نے کہ باغی ظالموں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔

طرماح کا کہنا ہے کہ یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ تو رسول اللہؐ ہیں اور ان کے ساتھ یہ سب انبیاء ہیں، اب دیکھئے کہ راویوں کے بیان ہی سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے معجزے سے اور انبیاء کرام خصوصاً باوا آدمؑ کی موجودگی میں سر حسین جسد حسین سے پیوست و ملحق ہو گیا تھا اور ایک اور روایت کے بموجب ام المومنینؓ ام سلمہ سے خواب میں آنحضرتؐ نے فرما دیا تھا کہ میں حسین کو دفن کر کے آیا ہوں نیز ملا باقر مجلسی کے بموجب آنحضرتؐ جب اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور عالم قدس میں سر و بدن دونوں پیوست ہو کر جا پہنچے تھے نیز جب علی بن الحسینؓ باعجاز امامت کربلا پہنچے تھے اور "متصدی کفن و دفن" ہو کر اپنے والد کے جنازے کی نماز پڑھی تھی اور تدفین کر کے لوٹ گئے تھے علاوہ بریں جب ابو مخنف کی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب فضہ خادمہ حضرت زہراء عراقی شیر "ابو الحارث" کو آپ کے جسم بے جان کی حفاظت کے لئے لائی تھیں اور اس ہیبتناک شیر کو دیکھتے ہی عمر بن سعدؓ اور ان کے فوجی جو سر کاٹنے آئے تھے ڈر کر یہ کہتے ہوئے

سلہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جن کا وضعی روایتوں میں ذکر آتا ہے حادثہ کربلا سے ڈیڑھ برس پہلے فوت ہو گئی تھیں۔

بھاگ گئے تھے کہ یہ فتنہ ہے اسے مت چھیڑو۔

"راہ لشکر را گردانید و از یں عزیمت برگشت" (جلاء العیون ص۵۰۴) جب یہ لوگ سر کاٹ لینے کے ارادے سے بھی پلٹ گئے تھے اور قبل تدفین جب لاش کی خود حضرت علی زین العابدین بصورت "شیر سے ہائل المنظر و ہیبتِ عظیم" حفاظت کرتے رہے تھے (ناسخ التواریخ ص۴۰۳)، تو بریدن سر مبارک کی اور منتت دیار و امصار میں اس کی تشہیر کی روایتیں کیا محض وضعی و من گھڑت نہیں ہیں۔

علاوہ بریں یہ سب روایتیں تو حضرت حسینؓ ہی کے ایک سر کے بارے میں ہیں دیگر مقتولین کے سروں کی تدفین کا کہیں کسی تاریخ و تذکرے میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ خود مولف "مجاہد اعظم" فرماتے ہیں:

"دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں اس لیے ہم کو بھی بجز خاموش رہنے کے چارہ نہیں۔" (ص۳۰۳)

مگر تعداد ان سروں کی دو چار دس پانچ تو نہ تھی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے اکٹھے (۸۲) سر شمار کرائے ہیں اور کہا ہے کہ چالیس اونٹوں پر لد کر گئے تھے۔ بہرحال تعداد (۸۶) ہو یا (۷۲)، غیر لوگوں کے سروں کے بارے میں خاموشی رہتی تو اتنے اچنبھے کی بات نہ ہوتی مگر خود حضرت حسینؓ کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں، جوانانِ بنی ہاشم و نونہالانِ اہلبیت کے سروں کے بارے میں یہ سب تاریخیں کیوں خاموش ہیں، ان کے سروں کا آخر کیا ہوا۔ یہ سب کہاں دفن ہوئے کس نے دفن کئے۔ کب دفن کئے۔ حضرت حسینؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر تو امیر المومنین یزیدؒ کے رشتے میں بھانجے تھے ان کے سر کو خلیفہ وقت اور ان اہل خاندان نے کہاں دفن کرایا۔ پھر حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں عبداللہ (محمد الاکبر) و عباس و جعفر و عثمان کے سروں کو تو کہا جاتا ہے ان کے رشتہ کا ماموں شمر بن الجوشن[1] ہی لے کر گیا تھا پھر ان بھانجوں کے سروں کا ماموں نے

---

[1] شمر بن ذی الجوشن اور حضرت علیؓ کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان و جعفر و عبداللہ ایک ہی قبیلہ بنو کلاب سے تھے شمر کے جد اعلیٰ معاویہ جس کا لقب الضباب تھا اور ام البنین کا جد اعلیٰ عامر بن کلاب دونوں حقیقی بھائی تھے (جمہرۃ ابن حزم ص۲۶۵) کہا جاتا ہے کہ

کیا کیا: کہاں دفن کرایا۔ دمشق میں یا شام کے کسی اور مقام میں دفن ہوئے ہوتے تو مدفنوں کا کہیں کچھ تو پتہ نشان ملتا۔ کیا ان سروں کے بارے میں مورخین کی خاموشی معنی خیز نہیں؟ سیدہ[2] سکینہ بنت الحسینؓ جو کوفہ یا کربلا سے دمشق آئیں اور وہاں سے مدینہ، حادثہ کربلا کے ۵۵ برس بعد تک زندہ رہیں وضعی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ دمشق کے قید خانہ میں بچپن میں وفات پائی چنانچہ دمشق میں ایک چھوٹی سی مصنوعی قبر بھی ان کی بتائی جاتی ہے۔ مگر ان ہی سکینہ کے بھائیوں، چچوں اور دوسرے عزیزوں کے سروں کے مدفنوں کا کہیں کچھ پتہ نشان نہیں حالانکہ ان کے سر بھی جیسا وضعی روایتوں میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اسی قافلہ کے ساتھ دمشق آئے جس میں سکینہ بھی تھیں تو پھر ان سروں کا آخر کیا ہوا۔ دفن ہوئے تو کہاں دفن ہوئے مانہیں۔

مرلڑائی سے پیشتر شمر نے یہ کہہ کر "این بنو اختی عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس" (کہاں ہیں میرے بھانجے عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس)، انہیں امان دی تھی (ص۲۴۸ ناسخ التواریخ)۔ شمر اپنے قبیلہ کا ممتاز شخص تھا عراق کی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کا لیڈر تھا اس کے مخالفین نے اس پر وحشیانہ شقاوت کے افعال خبیثہ کے جو اتہامات لگائے ہیں خاص کر حضرت حسینؓ کے قتل اور آپ کے سر مبارک کو جسد اطہر سے جدا کرنے کے وہ من گھڑت ہیں اور پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتے، جنگ صفین میں شمر حضرت علیؓ کے کیمپ میں تھا۔ اس کے والد صحابی جلیل تھے (البدایہ ج ۸ ص۱۸۸)۔ الصمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن الضبابی الکلابی اندلس میں عالی مرتبہ ہوا اور صاحب نسل۔ شمر ہی کے دادھیالی رشتہ کے دادا حضرت صولہؓ بن کینف رسول اللہ کے صحابی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہم جلیس ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ "ذا اللسانین" کہلاتے تھے۔ اسی قبیلہ سے غازی عبدالعزیز بن زرارہ تھے جو امیر یزیدؒ کے ساتھ بلاد روم میں عیسائیوں سے جہاد میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے حضرت معاویہؓ نے ان کے والد سے تعزیت کرتے ہوئے انہیں "سید العرب" کہا تھا۔

[2] سیدہ سکینہ اپنے زمانہ کی ممتاز خواتین بنی ہاشم میں سے تھیں۔ ان کے شوہر مرتے گئے۔ کئی نکاح کئے جن میں سے دو بنی امیہ کے خاندان میں کئے تھے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مزید براں جب ان تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو سروں کی مختلف دیار وامصار میں گشت کرانے کے بارے میں ان سبائی راویوں نے بیان کی ہیں تو ان کے وضعی ومن گھڑت ہونے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ یہ سر اس تفصیل سے بھیجے گئے۔ قیس[1] بن اشعث سردار بنی کندہ کے ہاتھ (۱۶) شمر بن الجوشن سرہنگ ہوازن کے ہاتھ (۱۲) جماعت بنی تمیم (۱۷) گروہ بنی اسد (۱۸) مردم مذحج (۷) دیگر قبائل (۱۶) میزان کل (۸۶) یہ تفصیلات ناسخ التواریخ سے اخذ کی گئیں ورنہ مشہور تعداد (۷۲) ہے۔

---

[1] ناسخ التواریخ میں قیس ابن اشعث کو "قائد قبیلہ کندہ" لکھا ہے۔ بنو کندہ کے مشہور قائد حضرت اشعث رضؓ بن قیس کندی صحابی تھے۔ وہ حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کے بہنوئی بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی رضؓ کے کیمپ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور ثالثی کی تجویز کے زبردست موید تھے۔ مالک الاشتر جنگ جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا انہوں نے دھمکی دی تھی اور حضرت علی رضؓ سے باصرار جنگ ملتوی کرائی تھی۔ انہی کی بیٹی جعدہ بنت اشعث رضؓ زوجہ حسن بن علی رضؓ تھیں جن پر یہ تہمت تراشی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کو زہر دیکر مار دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن اشعث بن قیس رضؓ جو حضرت ابوبکر الصدیق کے حقیقی بھانجے تھے (کتاب نسب قریش صفحہ ۴۴۴) اپنے والد ماجد حضرت اشعث رضؓ کے ۴۰ھ میں فوت ہو جانے پر اپنے قبیلہ کے قائد ہوئے یہ وہی محمد بن اشعث رضؓ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلم بن عقیل کو امان کا وعدہ دیکر گرفتار کرا دیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسین رضؓ کے مقابل موجود تھے مگر آپ کی بددعا سے مر گئے تھے۔ ان کے کوئی بھائی قیس نام کے نہ تھے اور نہ قائد بنو کندہ ان کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور اس کے سردار کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ انہی محمد بن اشعث کے فرزند عبدالرحمن بن محمد بن اشعث بن قیس تھے جنہوں نے اموی خلیفہ عبدالملک اور ان کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف کو حصول خلافت کی گھمسان لڑائیوں میں زبردست شکستیں دی تھیں بالآخر دیر جماجم کے خونین معرکہ میں ہزیمت اٹھا کر بھاگے اور بالآخر کابل پہنچ کر خاتمہ ہوا۔ دسے خوئے نے اپنے مقالہ میں اس خاندان کو

کوفہ وعراق والجزیرہ وملک شام کی بستیوں وشہروں میں تشہیر

سبائی راویوں نے یہ اتہام بھی تراشا ہے کہ:۔

یزید بن معاویہ فرمان کرد کہ سرہائے شہداؤ اہل بیت رسول خدا را شہر بشہر ودیہ بدیہ بگردانند تا شیعان علی بن ابی طالب پند گیرند واز خلافت آل علی مایوس گردند ودل در طاعت یزید بہ بندند لاجرم لشکریان اہل بیت را با تمام شماتت وذلت کوچ می دادند وبہر قریہ وقبیلہ درمی بردند۔ (ناسخ التواریخ صفحہ ۳۴۳)

یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ شہیدوں کے سر اور رسول خدا کے اہل بیت کو شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں پھرایا جائے تاکہ شیعان علی بن ابی طالب کو نصیحت ہو اور وہ خلافت آل علی سے مایوس ہوں اور یزید کی اطاعت دل سے کریں لہذا (حکومت کے) لشکری اہل بیت کو رسوائی اور ذلت کے ساتھ پھراتے اور ہر گاؤں اور قبیلہ کے درمیان لے جاتے تھے

ایک شیعہ اہل قلم مولف "مجاہد اعظم" بی اس کی تردید میں کم از کم کوفہ میں تشہیر ہونے کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں کہ:۔

"کوفہ جناب امیر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا، باوجود کوفیوں کی اس قدر بے وفائی اور غداری کے اب بھی وہاں ہزاروں ہواخواہانِ اہل بیت موجود تھے جو خوفِ جان ومال وآبرو سے کسی قسم کی جنبش نہ کر سکے۔ مگر ایسی کارروائی جو خاندان رسالت کی توہین اور تذلیل کو انتہائی حد تک پہنچانے والی تھی ضرور ان کے لئے اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے

(قدیم شاہی خاندان کندہ) کہا ہے ایسے عالی خاندان کے قائد؛ سردار کا نام مقتولین کے سر کوفہ ودمشق لے جانے کے سلسلہ میں اس طرح لینا جس ذہنیت کا ثبوت ہے۔ ان وضعی روایتوں کے مضمون سے بھی ہر سمجھدار شخص کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

والی ہوتی اور کوئی مدبر اور سیاست دان ایسی فاش اور خطرناک غلطی کا جو عام جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کر سکتا تھا (ص۲۸۶)

مولف موصوف واقعات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ خالی الذہن ہو کر لے سکتے تو یہ حقیقت بھی ان پر منکشف و ہویدا ہو سکتی تھی کہ کوفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر اس طرح تشہیر حسین کی کیسی کچھ تفصیلات راویوں نے پیش کی ہیں یقیناً اشتعال انگیز و ہنگامہ خیز ثابت ہوتی اور کوئی حکمران ایسی فاحش غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا جو عوام کے جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو۔ قطع نظر اس بات کے خود روایتوں میں دیومالائی انداز کی جو خرافات ہیں وہ بیّن ثبوت ہے کہ کس مقصد سے ابو مخنف لوط وغیرہ نے جن کو ائمہ رجال کذاب کہتے ہیں، ان داستانوں کو وضع کیا تھا۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں جب مقتولین کے سروں کو گشت کرایا جا رہا تھا حسینؓ کا سر مبارک تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھا۔ سورۂ کہف کی آیتیں زبان پر جاری تھیں۔ اس کی تصدیق میں حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کا نام لیا گیا ہے کہ ان کی بیٹھک کے سامنے سے جب یہ سر بریدہ گذرا انہوں نے اپنے کانوں سنا کہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَہْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ آیَاتِنَا عَجَبًا کی تلاوت کر رہا ہے یہ سنتے ہی ان پر عجب کیفیت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ

"اے پسرِ رسول خدای سرِ مبارک تو ہزار بار عجیب تر است از قصہ اصحاب کہف والرقیم" (ص۲۳۳)

جب ایک شخص حارث بن وکیدہ کے دل میں کچھ شک سا ہوا، سرِ حسین سے آواز آئی یا ابنَ وَکِیْدَة اَمَا عَلِمْتَ اَنَّا مَعْشَرَ الْاَئِمَّةِ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّنَا۔ (ص۲۳۳ ایضاً)

یعنی "اے ابن وکیدہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ہم ائمہ ہدیٰ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں" گشت کے بعد جب ابن زیاد کی مجلس میں سرِ حسین کا لایا جانا بیان کیا ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کو بھی وہاں موجود بتایا ہے "تاکہ ایک صحابی کی زبان سے اس وضعی حکایت کی بھی تصدیق کرالی جائے کہ جب ابن زیاد نے دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک ماری حضرت زیدؓ نے منع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہؐ کو

چومتے دیکھا ہے وہ باز نہ آیا بلکہ انہیں "عدو اللہ" کہہ کر قتل کی دھمکی دی (ص۲۳۲)؛ تو روتے پیٹتے باہر نکلے (و لعویل و نالہ فریاد برداشت و از نزد او بیروں شد) اور وہاں کے عرب باشندوں کے سامنے تقریر کر کے انہیں ابن زیاد کے خلاف بھڑکایا اور کہا۔

"اے مردم عرب! اے عبید عباد ذاکشتید پسر فاطمہ را و بہ سلطنت اسلام داد ید پسر مرجانہ را تا بکشید اخیار شما الخ (ص۲۳۲ ایضاً)

مگر ان کی تقریر کا بھی کوئی اثر کسی پر نہ ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان واہی روایتوں کو نوک پلک سے درست کر کے یعنی سرِ حسین کے تلاوت سورۂ کہف اور تکلم وغیرہ کی حکایتوں میں سے ابن زیاد کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے اور حضرت زیدؓ کے معترض ہونے کی وضعی روایت کو منتخب کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیا پھر کیا تھا جو مورخ و مولف بھی حادثہ کربلا کے بارے میں لکھنے بیٹھے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کرتے رہے۔ درایتاً نظر ڈالنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ابن جریر طبری ہی کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ کوفہ کے پاس سے یہ سن کر کہ وہاں اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا حسینؓ نے وہ راستہ اختیار کیا جو کربلا ہو کر سیدھا دمشق جاتا ہے تاکہ خلیفۂ وقت سے بیعت کر کے معاملہ ختم کریں (اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیری فیما بینی و بینہ رأیہ (طبری ص۲۳۵ ج۶) تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دے دوں کہ وہ میرے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے فیصلہ کر دیں"

وہ اس مقصد سے چل رہے تھے کہ بعض کوفیوں نے کربلا کے موقع پر پھر ورغلانے کی کوشش کی، صوبہ کے حکام نے جیسا کہ بیان ہو چکا صورت حال کا جائزہ لے کر مطالبہ کیا کہ یا تو ہمارے ہاتھ پر خلیفہ کی یہیں بیعت کر لیں ورنہ قافلہ کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ہمیں سپرد کر دیں تاکہ ان کوفیوں کی دراندازی کا سدباب ہو جائے جو آپ کے قافلہ کے ساتھ تھے، چند اور بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔ طبری ہی کا یہ بیان آپ پڑھ چکے کہ خلیفہ وقت کی گورنر ابن زیاد کو صریحاً ہدایت تھی کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائے جب تک اس کے خلاف تلوار نہ اٹھے اس ہدایت اور صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برادران مسلم اور کوفی جماعت کی جو قافلہ کے ساتھ تھے ناعاقبت اندیشی سے یکایک تلوار چل پڑی اور یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا۔ ان حالات میں کون

صحیح العقل یہ باور کر سکتا ہے کہ پس ماندگان کو کربلا سے پھر واپس کوفہ لایا گیا یا مقتولین کے سر ان کے جسموں سے جدا کئے گئے۔ ابن جریر طبری اور خود ابی مخنف وغیرہ نے زہیر بن قین کی گفتگو کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو کہا جاتا ہے انہوں نے اس وقت کہے تھے جب خلیفہ وقت کے پاس جاتے ہوئے اس بنا پر جس کا ذکر ہوا راستہ روکا جا رہا تھا مطالبہ ہو رہا تھا کہ ہتھیار رکھدیں۔

تخلوا بین هذا الرجل وبین ابن عمه یزید بن معاویة فلعمری ان یزید لیرضی من طاعتکم بدون قتل الحسین (طبری ج ۶ صـ ۲۴۳)

ان صاحب (حسینؓ) کو ان کے ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو (ان کا راستہ مت روکو) میری جان کی قسم یزید تمہاری طاعت گزاری سے حسینؓ کے قتل کے بغیر راضی رہیں گے۔

مقتولین کے سروں کی اور پس ماندگان قافلہ کی جب تشہیر ہی کوفہ میں بقول شیعہ مولف "مجاہد اعظم" نہیں کی گئی تو کربلا سے ان لوگوں کا کوفہ لایا جانا کیوں اور کس غرض سے! کیا اس مقصد سے جو راویوں نے بیان کیا ہے کہ کوفہ سے قادسیہ پہنچایا گیا وہاں سے ایک مقام "شرقی الحصاصة" اور وہاں سے دریائے فرات پار کر کے تکریت پھر متعدد مقامات پہ ہوتے ہوئے موصل وہاں سے پھر کئی سو میل کا چکر کاٹ کر نصیبین و قنسرین وحاب وحماة وحمص وبعلبک ہو کر دمشق۔ نقشہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ راویوں نے اپنے سیاسی مقصد کے پیش نظر سروں اور پس ماندگان کی تشہیر کے عراق والجزیرہ ونواح دیار بکر اور ملک شام کے یہ مقامات گنائے ہیں جن کی مسافت صرف نقشہ کے اسکیل ہی سے ناپ کر تقریباً نو سو میل (انگریزی) ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی لائق اعتبار نہیں خصوصاً وہ حکایتیں اور افسانے جو اس سلسلے میں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جنکی ایک دو مثالیں بھی سنتے چلیے۔ مثلاً پہلی ہی منزل میں جب پڑاؤ ڈالا پچاس سواروں نے جو سرِ حسینؓ کے صندوقچہ کی حفاظت پر مامور تھے، مجلس آراستہ کی اور شراب پی پی کر مدہوش ہو گئے ان میں سے صرف ایک محافظ جس نے شراب نہ پی تھی جاگ رہا تھا کہ یکایک آسمان پر سخت کڑک اور چمک پیدا ہوئی آسمان کے دروازے کھلے "دیکھی دیکہ آدم ونوح وابراہیم واسمٰعیل واسحٰق وخاتم انبیا محمد مصطفیٰ"

آسمان سے نیچے اُترے۔ جبریل مع فرشتوں کی ایک جماعت کے ان کے ساتھ تھے آتے ہی جبریل نے سرِ حسین کے صندوقچہ کو کھولا اسے چوما اور اپنے سینے سے چمٹایا پھر سب نبیوں نے ایسا ہی کیا اور سب رونے لگے اور حضرت مصطفیٰؐ سے تعزیت کرنے لگے، جبریل نے کہا کہ کہیے تو میں زمین کو آپ کی امت پر اسی طرح الٹ کر دوں جس طرح قوم لوط پر کی تھی آپ نے فرمایا کہ میں تو بارگاہ خداوندی میں ان سے حساب لوں گا۔ پھر چند فرشتوں نے کہا کہ خداوند تعالے نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پچاس آدمیوں کو ہلاک کر دیں، چنانچہ فرشتوں نے ۴۹ کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ ان کے جسم خاکستر ہو گئے وہ ایک بچ گیا، جس کی زبانی یہ افسانہ بیان ہوا ہے (ناسخ التواریخ صـ ۴۴۲) اسی طرح کے اور متعدد لغو افسانے بیان ہوئے ہیں یعنی راستے میں چند نصرانی اور راہب بھی مسلمانوں کے اپنے نبی کی ذریت پر ظلم ڈھانے اور سرِ حسینؓ کے معجزے دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوئے اور ایک جگہ بقول ابو مخنف ہاتف نے یہ شعر بھی پڑھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک بڑے قلم نے یہ شعر دیوار راہب پر لکھ دیئے جن میں "ہاتف" تک نے "بنی زیاد" پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جس امت نے حسینؓ کو قتل کیا وہ "یوم حساب" میں کیا ان کے نانا کی شفاعت کی امید کر سکتی ہے پہلا شعر تو یہی تھا ۔

اترجوا امة قتلت حسینا   شفاعة جده یوم الحساب

اسی طرز ولہجے میں اثنائے راہِ دمشق کے من گھڑت قصوں کا انبار لگا دیا ہے جن پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے بیان سے حادثہ کے تاریخی حالات کا اظہار مقصود نہیں بلکہ مطلب "راوی" دیگر است، ان میں سے دو ایک آپ بھی سنیئے، کہتے ہیں کہ موصل کے باشندوں نے جس وقت یہ خبر سنی کہ سرِ حسینؓ ان کے شہر میں لایا جا رہا ہے وہاں کے انصاریوں کی دونوں شاخوں (اوس وخزرج)[1] کے چالیس ہزار سوار اکھٹے ہو کر نکل پڑے۔

اجتمعوا فی اربعین الف فارس من الاوس والخزرج وتحالفوا ان یقتلوا ہم ویاخذ وامنہم راس الحسینؓ

اوس وخزرج کے چالیس ہزار سوار مجتمع ہو گئے اور اس بات پر حلف لیا کہ ان لوگوں کو قتل کر کے ان سے سرِ حسین چھین

[1] روایت گھڑنے والے کو شاید معلوم نہ تھا کہ خود مدینہ میں انصاریوں تعداد کبھی اس تعداد سے ۲

ویدفنوہ عندھم لیکون فخراً لھم الی یوم القیامۃ (ص۱۳۱ مقتل ابی مخنف)	لیں اور اپنے یہاں لاکر اسے دفن کر دیں تاکہ قیامت کے دن تک یہ ان کے لئے موجب عزو افتخار رہے۔

مگر ابن زیاد کے فوجی ان انصاری سواروں سے بھی زیادہ چالاک نکلے کہ بیرونِ شہر سے ہی صاف بچ کر چل دیئے اور یہ چالیس ہزار دیکھتے دیکھتے رہ گئے اور تدفین سرِ حسین کی دائمی برکت اور عزو افتخار سے یکسر محروم ہو گئے۔ وہ تو سبتیبور کے لوگ ہی ان سے زیادہ نبرد آزما نکلے کہ ابن زیاد کے فوجیوں میں سے دو چار، دس پانچ کو نہیں چھ سو سواروں کو آناً فاناً قتل کر ڈالا اور ان کے صرف پانچ مارے گئے (ص۱۳۱) آگے چل کر جب ایک عیسائی راہب کے صومعہ کے پاس پڑاؤ ڈالا ایک پہر رات گذری تھی کہ اس راہب نے گرج کے ساتھ تسبیح و تقدیس کے ذکر اذکار سنے باہر جھانک کر دیکھا تو اس صندوق میں سے جس میں سرِ حسین رکھا تھا، نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان تک جا رہی تھیں، آسمان کے دروازے کھلنے لگے۔ فرشتے فوج در فوج اترتے اور سرِ حسین کو مخاطب کر کے کہتے رہے۔

السلام علیک یا ابن رسول اللہ، السلام علیک یا ابا عبد اللہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیک۔ سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی راہب باہر نکلا اور محافظ دستہ کے سپاہیوں سے پوچھ کر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ سرِ حسین ہے، دأمہ فاطمۃ الزھرا وجدہ محمد المصطفیٰ[۲] ان کی والدہ فاطمہ زہرا اور نانا محمد المصطفیٰ ہیں تو راہب نے کہا تم پر ہلاکی ہو۔

لقد صدقت الاحبار فی قولھا اذا قتل ھذا الرجل تمطر السماء	ہمارے احبار (مسیحی علماء) اس صندوق کے بارے میں سچ کہتے تھے کہ جب یہ

---

[۲] چوتھائی بھی نہ تھی جو کہ موصل میں ان کی بیان کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انصاری تعداد میں گھٹتے جائیں گے: کجے وصال سے پچاس برس بعد مدینہ سے سینکڑوں کوس دور ان کی اتنی کثیر تعداد تا کہ ان کے چالیس ہزار سوار آن واحد میں مجتمع ہو جائیں۔ لغو بیانی کی انتہا ہے۔

دماً ولا یکون ھذا الا یقتل نبیّ او وصی نبی۔ (ص۱۳۲ ایضاً)	صاحب قتل ہوں گے آسمان خون برسائے گا اور یہ بات ہو نہیں سکتی سوائے نبی یا نبی کے وصی کے قتل کے بغیر۔

راوی کہتا ہے کہ راہب نے دس ہزار درہم کے دو توڑے دے کر ایک گھنٹہ کے لئے سرِ حسین فوجیوں سے مانگ لیا، سینے سے لگا لیا، بوسے دیئے رویا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ سرِ حسین سے عرض کیا کہ اپنے نانا کی شفاعت مجھے دلا دیجئے۔ صاحب ناسخ التواریخ بحر اللئالی اور شرح شافیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

سرِ حسین با راہب تکلم فرمود و شفاعت اورا در قیامت بذمت نہاد (ج ۲ از کتاب ششم ص۳۴۸)	سرِ حسین نے راہب سے بات کی اور قیامت میں اس کی شفاعت کا خود ذمہ لیا۔

اس دیو مالائی حکایت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ محافظ دستہ کے سردار خولی نے اگلی منزل پر پہنچ کر جب راہب کے دیئے ہوئے دس ہزار درہم آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے مہریں توڑ کر تھیلیاں کھولیں تو درہموں کے بجائے مٹی کی کنکریاں برآمد ہوئیں۔ جن کے ایک طرف تو لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔ لکھا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ یہ حال دیکھ کر

خولی گفت انا للہ و انا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ مردم خویش را گفت کہ راز پوشیدہ دارید (ناسخ التواریخ ج۲ ص۳۴۸)	خولی کہنے لگا انا للہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ۔ اپنے لوگوں سے اس نے یہ تاکید کر دی کہ اس راز کو چھپائے رہو[۱]۔

یہ ہے اس اصل مواد کا ادنیٰ نمونہ جو سر کا ٹنے اور ممالک اسلامیہ میں گشت کرانے کے سلسلہ میں راویوں نے اپنی تالیفات میں بیان کیا جس سے طبری وغیرہ

---

[۱] ابو مخنف وغیرہ راویوں کا یہ کارنامہ قابل داد ہے کہ پوشیدہ رازوں کو بھی اتنی نوے برس کی مدت منقضی ہو جانے کے بعد معلوم کر لیا اور اپنی تالیف کے ذریعہ دنیا بھر میں مشتہر کر دیا۔

نے بھی چھانٹ لیا۔ اب آخر میں ابی مخنف ہی کی زبانی وہ روایت بھی سنئے جو اس کذاب راوی نے حضرت حسینؓ جیسے بلند حوصلہ و عالی ہمت ہاشمی مرد شجاع کے قتل ہونے اور سر کاٹے جانے کی گھڑ ڈالی ہے۔ ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ زخموں سے چور ہو کر نڈھال ہو گئے اور زمین پر گر گئے۔ شبث بن ربعی قتل کرنے اور سر کاٹنے آیا جیسے ہی آپ نے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا الٹے پیروں بھاگ پڑا اور جا کر کہنے لگا کہ ان کے چہرے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ [illegible] نظر آئی۔ شرم دامنگیر ہوئی کہ رسول اللہ کے ہم شبیہ کو قتل کروں فاستحییت ان اقتل شبیها لرسول الله (مقتل ابی مخنف ص۹۱) پھر دوسرا شخص سنان بن انس آیا مگر یہ بھی چہرہ دیکھ کر بھاگ گیا اور ساتھیوں سے جا کر کہنے لگا کہ انہوں نے جب آنکھ کھول کر دیکھا ہے مجھے ان کے والد کی شجاعت و بہادری کی یاد تازہ ہو گئی اس لئے میں قتل نہ کر سکا فذهبت عن قتله (ص۹۱) شمر بن ذی الجوشن کی قساوت و بہیمیت کا بیان اس کے بعد یوں شروع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم بڑے بزدل ہو لاؤ تلوار مجھے دو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم شبیہ ہوں یا علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ عنہ) میں انہیں ضرور قتل کروں گا انی لاقتله سواءً شبیه المصطفیٰ و علی المرتضیٰ (ص۹۱ ایضاً) وہ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ میں تو ان میں سے نہیں ہوں جو آپ کو قتل کرنے سے باز رہے۔ یہ کہہ کر وہ سینے پر چڑھنے لگا تو آپ نے کہا:

من انت فلقد ارتقیت مرتقیٰ عظیما طالما قبله النبی (ص۹۱)

ارے تو کون ہے کہ اس بلند مقام پر چڑھتا ہے جو بوسہ گاہ نبی رہا ہے۔

نام بتایا آپ نے پوچھا مجھے جانتا بھی ہے کہنے لگا:

انت الحسین وابوک المرتضیٰ و امک الزهراء وجدک المصطفیٰ و جدتک خدیجة الکبریٰ (ص۹۲)

آپ حسین ہیں آپ کے والد مرتضیٰ آپ کی والدہ الزہرا آپ کے نانا مصطفیٰ اور آپ کی نانی خدیجہ الکبریٰ۔

اس سوال و جواب کے بعد ابو مخنف نے قتل حسینؓ کی یہ وجہ بیان کی ہے:

فقال له ویحک اذا عرفتنی

پس (حسین) نے اس سے فرمایا افسوس

فلم تقتلنی فقال له اطلب بقتلک الجائزة من یزید فقال له الحسین ایما احب الیک شفاعة جدی رسول الله ام جائزة یزید فقال دانق من جائزة یزید احب الی منک ومن شفاعة جدک وابیک۔ (ص۹۲)

ہے تجھ پر جب مجھے پہچانتا ہے تو قتل کیوں کرتا ہے (شمر نے) کہا آپ کو قتل کرنے کا انعام یزید سے پاؤں گا (حسینؓ نے) کہا ان دو باتوں میں سے تجھے کونسی پسند ہے میرے نانا رسول اللہ کی شفاعت یا یزید کا انعام؟ اس نے کہا یزید کے انعام کی ایک دمڑی (دانق) مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت آپ کے اور آپ کے نانا اور والد کی شفاعت کے۔

اس کے بعد کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب یقین ہو گیا کہ یہ قتل کرنے سے باز نہ رہے گا۔ فرمایا کہ اچھا تو مجھے قتل ہی کرتا ہے تو ایک جرعہ پانی کا تو پلا دے (اذا کان لابد من قتلی فاسقنی شربة من الماء) مگر اس نے کہا اے ابو تراب کے بیٹے یہ سمجھتے ہو کہ آپ کے والد علی حوض کوثر پر جس کو چاہیں گے پانی پلا دیں گے تو ذرا صبر کیجئے آپ کے والد تو آپ کو اب سیراب ہی کر دیں گے (اصبر قلیلاً حتی یسقیک ابوک) یہ سن کر ابو مخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے شمر سے کہا ذرا اپنا نقاب تو الٹ دے میں تیرا چہرہ تو دیکھ لوں اس نے جیسے ہی نقاب الٹا تو آپ نے دیکھا وہ مبروص (کوڑھیا) بھی تھا۔ کانا بھی منہ اس کا کتے کی تھوتنی جیسا اور بال سؤر کے سے۔ اس پر آپ نے کہا کہ سچ فرمایا تھا میرے نانا نے میرے والد سے کہ:

یقتل ولدک هذا ابرص اعور له بوز کبوز الکلب وشعر کشعر الخنزیر (ص۹۳ ایضاً)

تمہارے اس بیٹے کو قتل کرے گا ایک کوڑھیا کانا جس کے کتے کی سی تھوتنی ہوگی اور بال اس کے سور کے بالوں کی طرح۔

اس پر راوی نے شمر کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جو گستاخانہ کلمات کہلوائے ہیں زبان قلم سے ادا نہیں کئے جا سکتے۔ ابو مخنف نے کہ وہی تنہا راوی اس حادثہ کا ہے یہ کذب روایت ان الفاظ پر ختم کر دی ہے۔

وكلما قطع منه عضواً نادى الحسين وا محمداه، وا علياه، وا حسناه وا جعفراه، وا حمزتاه، وا عقيلاه وا عباساه وا قتيلاه وا قلة ناصراه وا غربتاه فاحتز راسه وعلاه على قناة طويلة فكبر العسكر ثلاث تكبيرات وتزلزلت الارض واظلم المشرق والمغرب واخذت الناس الرجفة والصواعق وامطرت السماء دمًا ونادى منادٍ من السماء قتل والله الامام بن الامام اخو الامام ابو الامام ابو الائمة الحسين بن ابي طالب ثم تمطر السماء دمًا الا ذالك اليوم (ص۹۳ ایضاً)

جیسے جیسے اس نے آپ کے عضو کاٹے حسین چلانے لگے۔ ہائے محمد، وائے علی، ہائے حسن، وائے جعفر، وائے حمزہ، ہائے عقیل، وائے عباس، ہائے مددگاروں کی قلت، وائے غریب الوطنی۔ پس اس نے سر کاٹا اور لمبے نیزے پر چڑھا لیا تو لشکر نے تین تکبیریں کہیں، زمین میں زلزلہ آگیا مشرق مغرب میں اندھیرا چھا گیا گرج اور زلزلہ کے جھٹکے لگنے لگے۔ آسمان سے تازہ خون برسنے لگا اور منادی نے آسمان پر سے چلا کر کہا، قتل ہوگئے واللہ امام بیٹے امام کے۔ بھائی امام کے اور اماموں کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب۔ سوائے اس دن کے آسمان سے پھر خون نہیں برسا۔

یہ ہے وہ اصل راوی اور اس کی مکذوبہ روایت جس کے بعض فقرے حذف کرکے اور بعض کلمات کو تبغیر الفاظ درست کرکے "قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ طبری اور دوسرے مورخین نے نقل کر دیا۔ طبری نے شمر کے بجائے سنان بن انس کا نام لیا ہے کہ اس نے قتل کیا اور سر جدا کیا (ج ۶ ص۲۶۰) اور اسی طبری سے علامہ ابن کثیر نے نقل کر دیا ہے (ج ۸ ص۱۹۸ البدایہ)

مگر اصل راوی کے ان بیانات کے بارے میں کہ قتل حسین رض سے زمین تھرا گئی آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا ابل پڑے، آسمان سے تازہ خون برسنے لگا۔ جن اور جنوں کی عورتیں نوحے کہتی پھرتی تھیں۔ فرشتوں کی فوج اسلحہ لے کر اتر رہی تھی کہ حسین قتل ہوگئے اس لئے وہ بحکم خدا آپ کی قبر پر تا دامان

قیامت گریہ و بکا میں مصروف رہیں گے علامہ ابن کثیر ان باتوں کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ یہ سب کذب محض ہے ان موضوع روایتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

والشيعة والرافضة في صفة مصرع الحسين كذب كثير واخبار باطلة وفيما ذكرنا كفاية وفي بعض اورده نظر ولولا ان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكره ما سقته واكثره من رواية ابي مخنف لوط بن يحيى وقد كان شيعيا وهو ضعيف الحديث عند الائمة ولكنه اخباري حافظ عنده من هذه الاشياء ما ليس عند غيره ولهذا يترامى كثير المصنفين في هذا الشان (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۲۰۲)

(حضرت) حسین کے پچھاڑ دیئے جانے کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ جھوٹ اور باطل اخبار ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور جتنا ہم نے لکھا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے اگر ابن جریر (طبری)، اور دوسرے ائمہ و حفاظ نے وہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ترک کر دیتے ان میں اکثر تو ابو مخنف لوط بن یحیٰی سے مروی اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن اخباری ہے (تاریخی احوال جانتا تھا) اس ہی سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں جو دوسروں کے یہاں نہیں ملتیں لہٰذا اکثر مصنفین ان باتوں کے لئے اسی کی طرف لپکتے ہیں۔

مگر اسی کے ساتھ سر کٹنے اور خلیفہ کے پاس بھیجے جانے کی جھوٹی روایتیں بھی درج کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے جاتے ہیں (البدایہ ج ۸ ص۲۰۴) یعنی ایسے بھی لوگ (اہل تاریخ و اہل سیر میں) ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ درایتاً نظر ڈالتے اور روایت پرستانہ ذہنیت سے بالاتر ہوکر تحقیق کرتے تو واقعہ کی صحیح صورت حال منکشف ہوجاتی۔

علامہ ابن جریر طبری تو اپنے شیعی رجحانات کی وجہ سے ابو مخنف کی روایتوں کو قبول کرنے پر مائل ہوئے۔ مگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ کو سوچنا چاہیئے تھا کہ

جب کوئی واقعہ خاص کر مقتولین کے سر کٹوا کر تشہیر کرنے اور ابن زیاد اور خلیفہ یزیدؒ کے سامنے پیش کئے جانے کا ان حضرات میں سے کسی کی زبانی بیان نہیں ہوا جو اس حادثہ میں بذات خود موجود تھے بالخصوص حضرت علی بن الحسین ازین العابدینؒ نے یا جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ وغیرہم سے یا علوی و ہاشمی خاندان کے کسی اور فرد سے تو اس راوی کی یہ روایتیں کیوں قبول کی جائیں جس کو تمام ائمۂ رجال نے ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے اور کذاب کہا ہے علاوہ ازیں ابو مخنف تو اس حادثہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس کے اسی نوے برس بعد دوسروں کی زبانی جن میں سے کوئی بھی کربلا میں موجود نہ تھا، سن سنا کر اس نے اپنی کتاب تالیف کی اور ایسی فضا میں تالیف کی جب عراق کے مختلف قبائل کے درمیان نسلی و خاندانی و ذاتی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ سیاسی مناقشات اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں آپس میں مخالفتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ مثلاً بنو کندہ عراق کا ممتاز اور جاہل آنار قبیلہ تھا، اس میں ایسی جماعت بھی تھی جو حضرت عثمان ذی النورینؓ پر سب و شتم یاوہ برائیاں جو علی الاعلان بیان کی جاتی تھیں برداشت نہ کر سکے اور ترک وطن پر مجبور ہو کر کوفہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس ملکِ شام چلے گئے اور وہیں مسکن گزین ہو گئے۔ ان میں اسی قبیلہ کے بنو الارقم تھے، علامہ ابن حزم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

كانوا عثمانيين، رحلوا عن الكوفة الى معاوية وقالوا لا نقيم ببلد يسب فيه عثمان رض فانزلهم معاوية الرُّها۔

(جمہرۃ الانساب ص[illegible])

یہ لوگ (حضرت) عثمانؓ کے طرفداروں میں سے تھے کوفہ سے منتقل ہو کر (حضرت) معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور کہا ہم اس شہر میں نہیں ٹھہریں گے جس میں (حضرت) عثمانؓ کو برا کہا جائے۔ پس (حضرت) معاویہؓ نے ان کو مقام الرُّھا میں بسا دیا۔

اسی قبیلہ میں حجر بن عدی بھی تھے اور ان کے دو بیٹے عبد اللہ و عبد الرحمٰن یہ باپ بیٹے شیعہ تھے" (صفحہ ایضاً) آخر الذکر کو تو حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ نے قتل کرایا تھا اور اول الذکر کو حضرت معاویہؓ نے پھر اسی قبیلہ کندہ کے سردار حضرت اشعثؓ بن قیس صحابی بھی تھے جن کا ذکر اوپر گذر چکا، ان کی

وفات تو ۴۰ھ میں ہوئی تھی لیکن ابو مخنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل ہو جانے کے بعد ان کے جسم سے اشعث بن قیس نے ہی ان کی قمیص لے لی تھی"
(مقتل ابی مخنف صـ۹۳ مطبوعہ نجف)

اسی طرح قبیلہ نخع میں پارٹیاں تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلع بیعت سب سے پہلے اسی قبیلہ کے شخص عمرو بن زرارہ نے کوفہ میں کی تھی اور ان ہی میں مالک الاشتر اور اس کا بیٹا ابراہیم خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لینے والے اور افتراق کی آگ بھڑکانے والے تھے۔ کمیل بن زیاد کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا یہ سب شیعان علیؓ میں سے تھے اب اسی قبیلہ کا سنان بن انس نخعی تھا جس کو عام طور سے قاتل حسینؓ کہا جاتا ہے۔ بنو تمیم کی مختلف شاخیں تھیں، ان کی ایک شاخ سے حضرت شیث بن ربعیؓ تھے، جن کا تذکرہ الاصحابہ فی تمیز الصحابہ (ج۲ صـ۱۶۳) صحابہ کے زمرہ میں ہے نیز تہذیب التہذیب میں (ج۴ صـ۳۰۳) ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے پھر خوارج کے ساتھ ہو گئے تھے مگر توبہ کر کے پلٹ آئے تھے "ثم تاب و رجع" ان کے بارے میں ابو مخنف نے کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے سب سے اول یہی گئے تھے مگر ڈر کے بھاگ گئے تھے (مقتل ابی مخنف صـ۹۰)

مختصراً یہ کہ ابو مخنف کی روایتوں میں یہ رنگ نمایاں طور سے جھلکتا ہے کہ اس نے عراق کے مختلف قبیلوں کے ممتاز اشخاص کے نام لے کر ان کی قساوت و بہیمیت کے جو افسانے وضع کئے ہیں وہ حکمراں جماعت کی بدنامی کے جذبہ کے علاوہ عراقیوں کی اپنی باہمی رقابتوں، رنجشوں اور دشمنیوں کی وجہ سے بھی لئے ہیں۔ حضرات مورخین تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے تو ابو مخنف کا یہ جھوٹ کہ مقتولین کے سر کاٹے گئے اور فلاں فلاں صحابی کی موجودگی میں فلاں فلاں کے سامنے پیش کئے گئے اس قدر نہ پھیلتا کہ صدیوں سے ہر کہ ومہ کے زبان ہے مگر یہ داستان جس دیو مالائی انداز میں مرتب کر کے خشت اول ہی ٹیڑھی رکھی گئی ہو اس کی کجی آج تک نمایاں ہے ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

اور یہ کجی اس قدر نمایاں ہے کہ زمانہ حال کے ایک شیعہ مولف جنہوں نے حادثہ کربلا کے اکثر مشہور واقعات پر درایتاً نظر ڈال کر بہت سی باتوں کو غلط اور مبالغہ آمیز

بتاتے ہوئے "شمر کے سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنے" کو بھی غلط بتایا ہے۔ ان کی کتاب "مجاہد اعظم" کا یہ فقرہ اس سلسلہ میں قابلِ لحاظ ہے:۔

اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روز عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ در رکاب آپ کے پاؤں زمین پر [illegible] ہو سکتے تھے، جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنت امیر المومنین کا سر و پا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمعِ عام میں چلا آنا۔ شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کو لگد کوبِ سمِ اسپان کیا جانا۔ سرادقات اہلبیت کی غارتگری اور بنی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا۔ شمر کا سکینہ بنتِ حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا روانگی اہل بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر دُرّے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق و زنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثناء راہ میں جابجا اہل حرم کو نہایت ذلت و خواری سے تشہیر کرنا، مجلس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل کر آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا۔ سید الساجدین کا سر ہائے شہداء لے کر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آجانا اور چالیسویں روز لاشہائے شہداء کو سپردِ خاک کرنا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔" (مجاہد اعظم مولفہ شاکر حسین نقوی امروہوی صفحہ ۱۷۸)

مولف مجاہد اعظم نے قدیم و جدید مورخین و مصنفین کی سیکڑوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد حادثہ کربلا کے حالات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے:۔

"عام کتابوں سے قطع نظر کرکے فریقین کی دو مستند کتابیں جو اسلامی تاریخ

کی جان سمجھی جاتی ہیں اس قدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ اگر دو مستند سے مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات کی تحریر میں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں (صفحہ ۱۷۹)

یہ مصنفین متفق اللفظ ہوتے کیسے جب بیشتر روایتیں خصوصاً مصنوعی معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی من گھڑت ہوں اور مظالم کی داستانیں محض وضعی یہ سب کچھ تو ابن جریر طبری کی بدولت ہے کہ ابو مخنف و ہشام کلبی کے مخترعات و مبالغات کی کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد انہیں اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ ان سے قبل کے مورخ مثلاً امام الفقیہ ابی محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ ہیں ان کی مشہور کتاب المعارف میں دیکھئے حضرت حسینؓ کے تذکرے میں ان کے واقعہ کے بارے میں صرف دو سطریں ہیں۔ نہ افواج کی تعداد کا ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ پانی کی بندش کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا۔ انہیں سے ایک اور کتاب بھی منسوب ہے الامامۃ والسیاسۃ[1]۔ مضمون کے اعتبار سے صاف معلوم ہوتا ہے کسی غالی قلم سے ہے مگر یہ ابن جریر طبری سے پہلی کربلا کے حالات کے سلسلہ میں جو بیان ہے اس میں بھی نہ فوج کی تعداد کا کوئی ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ مظالم کی وضعی داستانوں کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا، ظاہر ہے کہ ابو مخنف کی روایتوں کو الامامہ والسیاسۃ کے مولف نے بھی لائق اعتنا نہ سمجھا اور واقعات کو سادہ طور سے بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ یعنی شیعیان کوفہ کے خط کے مضمون موسومہ حضرت حسینؓ میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں "الجبار العنید" وغیرہ الفاظ تو لکھے ہیں مگر بتایا ہے تو یہی کہ ان کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو یہ کہہ کر بلایا تھا کہ ہمارا اب کوئی امام نہیں ہے ہم نہ حکومت کے عامل کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں نہ جمعہ میں نہ عید میں، جیسے ہی آپ کے آنے کی خبر ہم کو ملی ہم اسے کوفہ سے نکال دیں گے[2] اور ملک شام کو دھکیل دیں گے۔

---

[1] فہرست ابن قدیم میں ابن قتیبہ کی تصنیفات کی مکمل فہرست ہے ۳۴ کتابوں کے نام ہیں ان میں کوئی کتاب الامامہ والسیاسہ نام کی نہیں ہے۔

[2] معلوم ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر انصاری صحابی رسول اس وقت عامل تھے۔

اخرجناہ من الکوفۃ والحقناہ بالشام۔ مسلم بن عقیلؓ جب گرفتار ہو کر گورنر کے سامنے پیش ہوئے اور بوجہ قرابت ابن سعدؓ[1] کو یہ کہہ کر وصیت کی کہ "حسین یہاں آ رہے ہیں ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے نفوس ہیں تم انہیں میرا جو حال ہوا ہے اس سے مطلع کرکے راستہ سے ہی لوٹا دینا" (فارددھم واکتب الیہ بما اصابنی) ابن سعدؓ[2] نے کہا وہ خاص اہمیت کی ہے، کیونکہ مسلم نے مجھے بتلایا ہے کہ حسین آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے اشخاص ہیں اس پر گورنر نے کہا قسم بخدا جب تم نے ہی یہ بات افشا کی تو تم ہی ان کے مقابلہ کو جاؤ گے ابن سعدؓ کے ساتھ جو سپاہ متعین ہوئی اس کی تعداد کیا تھی اس کا کوئی ذکر نہیں صرف یہ الفاظ ہیں کہ ابن سعدؓ کی سرکردگی میں فوج بھیجی حضرت حسینؓ نے یہ حال سن کر واپس ہونا چاہا مگر پانچ پسران عقیلؓ جوان کے ساتھ تھے یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ ہمارا بھائی تو قتل ہو گیا اور ہم ہی لوٹ جائیں ہم سے تو یہ نہ ہوگا۔ اور ہم اس خبر کو بھی درست نہیں سمجھتے جو آپ کو موصول ہوئی ہے لکھا ہے کہ یہ سن کر حضرت حسینؓ نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ میں اب ان لوگوں (بنی عقیل) کو کیسے روک دوں۔ ابن سعدؓ سے جب ملاقات ہوئی آپ نے وہ ہی تین شرطیں پیش کیں جن کا ذکر دیگر مورخین نے بھی کیا ہے۔ تیسری شرط کے یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

او تسیرونی الی یزید فاضع	یا پھر مجھے یزید کے پاس بھیجدو تاکہ میں
یدی فی یدہ فیحکم فی	ان کی بیعت کر لوں اپنا ہاتھ ان کے
بما یرید	ہاتھ میں دیدوں، پھر وہ جیسا چاہیں میرے
(ج ص۔)	بارے میں فیصلہ کریں۔

ابن سعدؓ نے گورنر کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے بھی پسند کیا کہ امیر المومنین کے پاس بھیجدیا جائے (فنھدان یسیرہ الی یزید) (ج ص۔) اب

---

[1] حضرت عمر بن سعدؓ کو تو گورنر نے اس لئے اور بھی متعین کیا تھا کہ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی اور ان کا ایک عزیز ہی نازک حالات میں انہیں صحیح مشورہ دے کر کوفیوں کے اثرات سے بچا سکتا تھا۔

[2] نے جب ابن زیاد سے ذکر کیا انہوں نے کہا تمہیں اپنے عزیز کی بات پوشیدہ رکھنی چاہیے ابن سعدؓ

مولف الامامہ والسیاسۃ نے ایک شخص شمر بن حوشب کا نام لکھا ہے جو بنی سلیم میں سے تھا اس نے گورنر سے کہا کہ جب تک یہ تمہارا حکم نہ مانیں انہیں مت بھیجو۔

واللہ لئن سار الی یزید لا رای	قسم بخدا اگر وہ یزید کے پاس چلے گئے تو
مکروھا ولیکونن من یزید بالمکان	ان کو کسی برائی کا سامنا نہ ہوگا، بلکہ
الذی لا تنالہ انت منہ ولا	یزید کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ ہوگا
غیرک من اہل الارض۔	جو نہ تمہارا ہو سکتا ہے اور نہ اہل زمین
(ص۔ ج)	میں سے کسی اور کا۔

اب دیکھئے طبری سے پہلے اس کتاب میں نہ ابن سعدؓ کو ملک رے کی گورنری پیش کئے جانے کا کوئی ذکر ہے اور نہ کثیر افواج کی تعداد کا۔ جس شخص نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ حضرت حسینؓ کو دمشق اس وقت تک نہ بھیجو جب تک وہ تمہارا حکم نہ مان لیں، اس کا نام شمر بن حوشب لکھا ہے نہ کہ شمر بن ذی الجوشن یہ بھی لکھا ہے کہ ابن سعدؓ نے حضرت حسینؓ سے لڑائی کرنے میں جب تساہل کیا تو اسی شمر بن حوشب کو حکم ہوا کہ وہ ابن سعدؓ کو قتل کرکے ان کی جگہ لے لے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ابن سعدؓ کے ساتھ کوفہ کے تین؎ قریشی اشخاص موجود تھے جو کہہ رہے تھے کہ حسین کی شرط کیوں نہیں مانی جاتی کہ اتنے میں بنی عقیل نے لڑائی چھیڑ دی حسینؓ اور ان کے عزیزوں میں سے سترہ اشخاص قتل ہو گئے جن کے نام بھی دیئے ہیں، نہ باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا کوئی ذکر ہے نہ سر کاٹنے اور دیگر مظالم کا۔ اور نہ باقی ماندگان کو قید کرکے کوفہ لاتے اور سروں کی تشہیر کرنے کا بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب یہ سب دمشق پہنچے اور امیر المومنین نے انہیں دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔

فبکی یزید حتی کادت نفسہ	اور یزید انہیں دیکھ کر، رونے لگے
تفیض وبکی اہل الشام حتی	اور ایسے بیتاب ہو کر روئے کہ بے خود
علت اصواتھم۔	ہو گئے۔ اور اہل شام بھی اتنا روئے کہ
(ج ص۸)	چیخیں نکل گئیں۔

یہ بیان ایک ایسے غالی مولف کا ہے جس نے اپنی اس کتاب میں سبائی

ذہنیت کا مختلف حالات کے سلسلہ میں مظاہرہ کیا ہے مگر حادثۂ کربلا کے جو خاص واقعات لکھے ہیں ان میں معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔ کیا یہ بین ثبوت اس کا نہیں کہ ابن جریر طبری نے ابو مخنف وغیرہ کے اکاذیب کی تشہیر میں اور ان موضوعات کو تاریخی واقعات کی حیثیت دینے میں کیا حصہ لیا ہے اور امیر المومنین یزید رحؒ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ سرِ حسین جب ان کے سامنے پیش ہوا تو دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک مارنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہ[1] الاسلمیؓ کی موجودگی امیر المومنین یزیدؒ کے پاس بتائی ہے۔ حالانکہ یہ صحابی دمشق میں تو کیا ملک شام میں بھی اس وقت موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ جن لوگوں نے حسینؓ کا حزنیہ نقل کیا ہے اس میں بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں حتیٰ کہ بغوی اور ابن ابی الدنیا جیسے اہل علم نے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں فرماتے ہیں کہ :-

وقد روی باسناد مجہول[2] ان کان ہٰذا کان قدام یزید وان الراس حمل الیہ وانہ ہو الذی نکت علی ثنایاہ وہذا مع انہ لم یثبت ففی الحدیث ما یدل علی انہ کذب فان الذین حضروا نکتہ بالقضیب من الصحابۃ یکونوا

اور مجہول سندوں سے روایت کی گئی ہے کہ یہ سر کا لانا یزید کے آگے تھا اور وہ وہی ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں دوسرے یہ کہ روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہے یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی چھڑی مارتے وقت

---

[1] ان کا نام اور ولدیت طبری میں تین طریقہ پر لکھی ہے یعنی فضلہ بن عبد اللہ اور فضلہ بن عبید بن الحارث پھر عبد اللہ بن نضلہ (ج ۳ صـ۱۱۴)

[2] ابن ابی الدنیا کی سند ملاحظہ ہو، پہلے راوی تو مسلّمہ طور سے شیعہ ہیں۔ یعنی عنا الدھنی پھر ایک راوی کا نام ابو الولید لکھا ہے میزان الاعتدال میں اس نام کا ایک راوی تو مجہول الحال ہے۔ دوسرا کذاب اور تیسرا ضعیف (ج ۳ صـ۳۸۶) اب بعض سبائیت زدہ دیوبندی ایسے کذاب اور مجہول الحال لوگوں سے سند لاتے ہیں۔

بالشام وانما کانوا بالعراق (منہاج السنۃ)

بتائی جاتی ہے وہ اس وقت ملک شام میں ہی موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔

بہر حال جب یہ دلائل قاطعہ یہ ثابت کیا جا چکا کہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی سب روایتیں من گھڑت اور جھوٹی ہیں تو خلیفہ وقت پر یہ اتہام محض سیاسی مقصد سے لگایا گیا اور پروپیگنڈا کیا گیا جو اب تک جاری ہے۔ ائمہ اسلام خصوصاً امام غزالیؒ نے ان اکاذیب کے بیان کرنے کو حرام بتایا ہے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ولا یجوز الطعن فی معاویۃ لانہ من کبار الصحابۃ ولا یجوز لعن یزید ولا تکفیرہ فانہ من جملۃ المؤمنین وامرہ الی مشیۃ اللہ ان شاء عذبہ وان شاء عفا عنہ قال الغزالی وغیرہ ویحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایاتہ وما جری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یہیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیہم وہم اعلام الدین۔ (صـ۱۳۲)

اور (حضرت) معاویہ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کبار صحابہ میں ہیں اور نہ یزید پر لعن کرنا یا تکفیر کرنا جائز ہے کیونکہ وہ من جملہ مومنین کے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کی مشیت میں ہے چاہے عذاب دے چاہے معاف کرے۔ امام غزالی وغیرہ (ائمہ اسلام) فرماتے ہیں کہ مقتل حسنین کی روایتیں اور صحابہ کے آپس کے مشاجرات و مخاصمات کا بیان کرنا واعظ پر حرام ہے کیونکہ ایسی باتیں بغض و طعن صحابہ پر برانگیختہ کرتی ہیں اور وہ (صحابہ) دین کے ستون ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ راس الحسینؓ میں لکھا ہے کہ :-

فمن نقل انہ نکت بالقضیب ثنایاہ بحضرۃ انس وابی برزۃ قدام یزید فہو کاذب قطعاً کذباً معلوماً بالنقل المتواتر۔ (صـ۱۴)

وہ قطعاً دروغ گو ہے جس نے انس و ابی برزہ (صحابہ) کی موجودگی میں یزید کا سرِ حسینؓ کے دانتوں پر چھڑی کی نوک مارنے کو بیان کیا ہے۔ اس کا جھوٹ نقل متواتر سے ظاہر ہے۔

حسینی قافلہ کے شرکاء اور باقی ماندگان

حضرت حسینؓ کے اپنی اولاد کے علاوہ ان کے جو بھائی بہنوئی اور بھتیجے ساتھ گئے اور ان میں سے جو صحیح سلامت واپس لوٹے ان کی مختصر کیفیت مختلف کتب تاریخ و انساب کی تصریحات کے اعتبار سے یہ ہے:۔

(۱) حضرت حسینؓ کے تیرہ چودہ بھائیوں میں سے جو ان کے زمانہ خروج میں زندہ تھے صرف چار ان کے ساتھ گئے تھے۔ اور یہ چاروں یعنی عباس وجعفر وعثمان وعبداللہ ام البنین بنت حزام الکلابی کے بطن سے تھے اور ان کے ماموؤں کا قبیلہ کوفہ وعراق میں سکونت رکھتا تھا جس میں شمر ذی الجوشن وغیرہ تھے۔

(۲) حضرت حسینؓ کے عم بزرگوار ابو یزید عقیلؓ کے سولہ بیٹوں میں مسلم جو حضرت حسینؓ کے بہنوئی بھی تھے کوفیوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں پہلے ہی کوفہ بھیجے جا چکے تھے اور حکومت وقت کے خلاف کارروائی کرنے کے جرم میں سزائے قتل پا چکے تھے ان کی زوجہ رقیہ بنت علیؓ سے تین بیٹے تھے۔ عبداللہ و علی و محمد۔ یہ تینوں اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں گئے تھے۔

مسلم کے بھائیوں میں دو بھائی حسینی قافلہ میں مع اپنی بیبیوں اور اولاد کے شامل تھے یعنی عبداللہ الاکبر بن عقیل جن کو حضرت علیؓ کی تین بیٹیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گئی تھیں یعنی میمونہ وام ہانی وام کلثوم الصغریٰ ان میں سے ایک زوجہ اور چار بیٹے محمد و عبدالرحمٰن و مسلم و عقیل حسینی قافلہ میں شامل تھے۔ دوسرے عبدالرحمٰن بن عقیل تھے جن کی زوجہ خدیجہ بنت علیؓ سے ان کے دو بیٹے سعید وعقیل ساتھ گئے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے بیس[۲۰] یا چوبیس[۲۴] بیٹے تھے ان کی زوجہ زینب بنت علیؓ تو جیسا ذکر ہو چکا اپنے بھائی کے ساتھ قافلہ میں تھیں مگر ان کے بیٹے علی الزینبی بن عبداللہ بن جعفر اور بیٹی ام کلثوم ان کے ساتھ نہ گئے۔ عبداللہ بن جعفر کے جو دو بیٹے عون و محمد قافلہ کے

ساتھ چلے گئے وہ حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد اپنے والد کے پیغامبر کی حیثیت سے گئے تھے کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ فارسل عبداللہ بن جعفر ابنیہ عونا ومحمدا لیردا الحسین فابی ان یرجع وخرج الحسین بابنی عبداللہ بن جعفر معہ (الامامۃ والسیاسۃ ج۲ ص۳)

یہ دونوں بھی نہ لوٹے حضرت حسینؓ کے اصرار سے ساتھ چلے گئے۔ مگر یہ دونوں سیدہ زینب کے بطن سے نہ تھے دوسری ماؤں سے تھے۔

(۴) اسی طرح عون بن جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے کوئی نہ گیا۔

(۵) حضرت حسینؓ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کی اولاد کا شمار مختلف نسابین نے مختلف کیا ہے صاحب ناسخ التواریخ (ج۲ ص۲۸۲) نے بیس[۲۰] شمار کئے ہیں جو ان کے کثیر النکاح ہونے کے لحاظ سے درست خیال کیا جا سکتا ہے۔ ان بیس میں چھ اپنے چچا کے ساتھ گئے اور باقی رہ گئے۔ جانے والوں میں ایک تو حسن بن الحسنؓ (حسن مثنیٰ) تھے جو حضرت حسینؓ کے داماد یعنی ان کی دختر فاطمہ کے شوہر تھے۔ دوسرے طلحہ بن حسنؓ تھے جن کی والدہ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبید اللہؓ بیوہ حضرت حسنؓ سے حضرت حسینؓ نے نکاح کر لیا تھا اور ان کے بطن سے فاطمہ بنت الحسینؓ تھیں۔ تیسرے بیٹے حضرت حسنؓ کے جو اپنے چچا کے قافلہ میں تھے عمرو تھے جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے۔ یعنی رملہ بنت عقیل کے شوہر تھے۔ ان تین کے علاوہ زید و قاسم و ابو بکر فرزندان حسن بن علیؓ بھی حسینی قافلہ میں تھے جن کا ذکر اکثر مورخین ونسابین نے کیا ہے۔ عمدۃ الطالب کے مولف فرماتے ہیں کہ زید نے اپنے چچا کے ساتھ عراق نہیں گئے تھے (وتخلف عن عمہ الحسین فلم یخرج معہ الی العراق (ص۵۹)) مگر یہ صحیح نہیں زید اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے اور واپس آئے تھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کے اپنے گھرانے یعنی فرزندان علیؓ وعقیل وجعفر ابنائے ابو طالب کے تقریباً ۷۵ اشخاص میں سے جو زمانہ خروج میں اس سن وسال کے تھے کہ طلب خلافت کی مہم میں حصہ لے سکتے تھے: ایک چوتھائی سے بھی کم تعداد میں شریک قافلہ ہوئے اور ان میں بھی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو بھتیجے و چچیرے بھائی ہونے کے ساتھ داماد یا بہنوئی ہونے کا رشتہ بھی

رکھتے تھے ۔

حضرت حسین رضؓ کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ۔ بعض نے اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی ہے ۔ مثلاً محمد بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السول فی مناقب آل الرسول میں حسب بیان صاحب ناسخ التواریخ (ص۵۳۲) آپ کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں بتائی ہیں اور ابن خشاب نے بھی چھ بیٹے بتائے ہیں ۔ مگر بیٹیوں کی تعداد تین لکھی ہے ۔

حضرت حسین رضؓ نے جن خواتین سے ازدواجی رشتے قائم کئے ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ آپ کی سات بیبیوں کے حسب ذیل نام کتب تاریخ وغیرہ میں ملتے ہیں ۔ کنیزوں وجواری کے علاوہ ۔

۱ ۔ آمنہ بنت ابی مرہ بن عروہ ثقفی (حضرت ابوسفیانؓ کی نواسی اور امیر یزیدؒ کی پھپیری بہن ، ان کے بطن سے علی اکبر مقتول کربلا تھے (طبری و کتاب نسب قریش و المعارف وغیرہ)

۲ ۔ سلافہ سندھیہ خاتون جو ام ولد تھیں (ان کے بطن سے علی بن الحسین (زین العابدینؒ) تھے ۔ ان کی والدہ کا نام جو شہر بانو دختر یزدجرد بتایا جاتا ہے محض غلط ہے ۔ (طبری و المعارف وغیرہ تحقیق مزید مؤلفہ راقم الحروف)

۳ ۔ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہؓ ان کے بطن سے فاطمہ دختر حسین تھیں ۔ (کتاب نسب و قریش و جمہرہ ابن حزم وغیرہ)

۴ ۔ رباب بنت امرؤالقیس کلبیہ جن کے بطن سے سکینہ بنت الحسین ہوئیں ۔ عبداللہ طفیل صغیر مقتول کو بھی ان کے بطن سے بتایا جاتا ہے (کتاب المعارف و کتاب نسب قریش وغیرہ)

۵ ۔ حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق (کتاب المحبر ص۳۹۴) محمد بن الحسین غالباً ان کے بطن سے تھے ۔

۶ ۔ دختر ابومسعود انصاری (کتاب المحبر ص۳۹) ان سے کیا اولاد تھی اس کا حال معلوم نہیں ۔

۷ ۔ خاتون از قبیلہ بلی (قضاعہ) ان کے بطن سے جعفر بن الحسین تھے (کتاب نسب

قریش ص۵۹) صاحب ناسخ التواریخ نے عمر بن الحسین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔

بر روایتے دیدم کہ پسران حسین را پنج تن بشمار آوردہ و نام یک تن ایشاں را عمر دانستہ گویند چہار سالہ بود ۔ (ص۵۳۳)

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ پسران حسین کا شمار پانچ عدد کیا ہے اور ایک کا نام ان میں سے عمر خیال کیا ہے کہتے ہیں کہ چار سال کی عمر تھی ۔

الامامہ والسیاسۃ کے مولف نے نیز صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کشف الغمہ محمد کو پسران حسین رضؓ میں شمار کیا ہے (ص۵۳۲) پسران حسین رضؓ کس سن و سال کے تھے آیا آپ کے بڑے بیٹے علی اکبر مقتول کربلا تھے علی الاوسط زین العابدین تھے تو علی اصغر کون تھے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم سب مورخین و نسابین اس بات میں متفق اللفظ ہیں کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کی عمر حادثہ کربلا کے وقت ۲۳ اور ۲۴ برس کی تھی ۔ صاحب اولاد تھے ۔ ان کی زوجہ ام عبداللہ بنت حسن بن علی رضؓ سے دو بیٹے حسین الاکبر اور محمد (الباقر) کربلا میں ان کے ساتھ تھے ۔ حسین الاکبر بڑے تھے ان ہی کے نام پر ان کے والد کی کنیت تھی (کتاب نسب قریش ص۵۹) مگر ان روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ان کو نابالغ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور قتل نہ کیا گیا اسی طرح حضرت حسین رضؓ کے داماد حسن مثنیٰ اور ان کے بھائی عمرو بن الحسن رضؓ کو جو مسلم بن عقیل رضؓ کے بہنوئی تھے اور اکیس بیس کی عمر وں کے تھے کم سن بتایا ہے محض اس غرض سے کہ یہ حضرات جو مع اپنے دیگر عزیزوں کے جن کی فہرست ذیل میں درج ہے صحیح سلامت واپس آئے تھے ان کی اور ان کے عزیزوں کی صحیح سلامت واپسی سے ان روایتوں کی تکذیب ہوتی ہے کہ حکومت کے عمال نسل حسین رضؓ کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اس لئے کبھی تو یہ کہا ہے کہ مریض تھے لڑائی میں شریک نہ ہوئے ابن زیاد قتل کرنا چاہتا تھا ان کی پھوپھی لپٹ گئیں کہ مجھے ان کے ساتھ قتل کردے ۔ اس ظالم کو رحم آگیا قتل سے باز رہا ، کبھی کہا ہے کہ کم سن سمجھ کر چھوڑ دیا ۔ علامہ ابن جریر طبری نے اکاذیب کو جس طرح مشتہر کیا ہے ملاحظہ ہو کہ جو حضرات تیئس[۲۳] چوبیس[۲۴] اور بیس[۲۰] اکیس[۲۱] برس کی عمر کے شادی شدہ صاحب اولاد تھے ان کو کمسن بتاتے ہیں :۔

(۱) واستصغر علی بن الحسین بن علی فلم یقتل (طبری ج ۶ ص۲۶۰)

(اور علی بن الحسین بن علی رضؓ چھوٹی عمر کے سمجھے گئے اور قتل سے بچ گئے)

(ن) واستصغر الحسن بن الحسن بن علیؓ واستصغر عمرو بن الحسن بن علیؓ فترک فلم یقتل (ج ۲ ص ۲۷)

(اور حسن بن حسن بن علیؓ اور عمرو بن حسن بن علیؓ چھوٹی چھوٹی عمروں کے سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے اور قتل ہونے سے بچ گئے)

علامہ موصوف سے پوچھا جاسکتا تھا کہ صاحب اولاد اور شادی شدہ جوان العمر اشخاص [illegible] کو تو قتل نہ کیا پھر ایک معصوم طفل شیر خوار عبداللہ بن حسین کو جیسا کہا جاتا ہے کیوں ستم لیا، اس کے ننھے جسم میں کیوں تیر پیوست کیا اور تیر کو بھی ایسا دانا و بینا بتایا ہے کہ ننھے سے جسم کے اور تو کسی مقام پر نہ لگا۔ لگا تو معصوم کے سیدھا حلق پر (حلق آں معصوم زد جلاد العیون) تاریخ یعقوبی کے مؤلف نے تو اس بچہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اسی وقت پیدا ہوا تھا۔ وقد ولد له فی تلک الساعة حضرت حسینؓ نے اس نومولود کے کان میں اذان دینے کے لیے اس وقت کہ میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار تھے۔ لو اقفه علی فرسه اپنی گود میں لے لیا تھا۔

اس قسم کی وضعی روایتوں کا مقصد تو ظاہر ہے محض جذبات کو برانگیختہ کرنے کا تھا مگر الامامة والسیاسة کے غالی مؤلف کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ سے پلٹ کر دمشق جانے کے قصد سے کربلا پہنچے اور عمال حکومت سے شرائط کی گفتگو کے دوران برادران مسلم کے عاقبت نا اندیشانہ پیش دستی سے تلوار چل پڑی فتحولوا مع الحسین فتقاتلوا (الامامة والسیاسة ج ۲ ص ۷) اور یہ حادثہ پیش آگیا۔ اسی غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ قافلے میں جو ایک صاحبزادے حضرت حسینؓ کے تھے جن کا نام اس نے "محمد بن حسین بن علیؓ" بتایا ہے انہوں نے باقی ماندہ نوجوانوں کی تعداد بارہ بیان کی تھی۔ اس میں نابالغ بچوں کا بھی شمار کیا جائے تو ذیل کی فہرست سے اس کی تائید مزید ہو جاتی ہے۔ [illegible] اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیاں ہوئیں اور نہ وحشیانہ مظالم۔ یہ حزینہ یکا یک پیش آگیا اور باقی ماندگان کو بحفاظت اور باحترام تمام خلیفہ کے پاس جو ان کے عزیز و قرابت دار تھے بھیج دیا گیا۔

نمبر شمار	اسماء مقتولین	پس ماندگان جو دمشق ہو کر مدینہ واپس آئے نام	عمر تخمیناً	کیفیت
۱	حسین بن علیؓ	۱۔ علی بن الحسین (زین العابدین)	۲۳ سال	
۲	عباس " "	۲۔ حسین الاکبر بن "	۴ "	
۳	عثمان " "	۳۔ محمد "	۳ "	
۴	جعفر " "	۴۔ محمد بن حسینؓ	۱۸ "	
۵	عبداللہ " "	۵۔ جعفر " "	۱۴ "	
۶	علی اکبر " حسینؓ	۶۔ عمر " "		
۷	ابوبکر " حسنؓ	۷۔ زید بن حسنؓ	۳۰ "	
۸	قاسم " "	۸۔ حسن مثنیٰ بن حسنؓ	۲۱ "	
۹	عبداللہ " "	۹۔ عمرو " "	۲۰ "	
۱۰	عون بن عبداللہ بن جعفر	۱۰۔ طلحہ " "	۱۵ "	
۱۱	محمد " " "	۱۱۔ فضل بن عباس بن علیؓ	۱۰ "	
۱۲	عبداللہ اکبر بن عقیلؓ	۱۲۔ عبیداللہ بن عباس بن علیؓ		
۱۳	عبدالرحمٰن " "	۱۳۔ حسن " "		ان میں کون نابالغ تھا اور
۱۴	عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ	۱۴۔ علی بن مسلم بن عقیلؓ		کون نابالغ معلوم نہ ہوسکا
۱۵	مسلم بن عقیلؓ (مقتول کوفہ)	۱۵۔ محمد بن مسلم "		
		۱۶۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ اکبر بن عقیلؓ		مقتولین میں چند نام بعض
		۱۷۔ مسلم " "		کتب میں اور درج ہیں
		۱۸۔ عقیل " "		لیکن کتب انساب کی تصریحات
		۱۹۔ محمد " "		سے تصدیق نہ ہوسکی۔
		۲۰۔ سعید بن عبدالرحمٰن بن عقیلؓ		
		۲۱۔ عقیل " "		

جو حقائق اب تک پیش کئے گئے ہیں ان سے اس واقعہ حزن انگیز کی صحیح کیفیت اور حالات کا بخوبی انکشاف ہوجاتا ہے۔ البتہ ایک دو باتوں کا جو اس سلسلہ میں زیادہ مشہور کی گئی ہیں مختصر الفاظ میں ذکر کردینا مناسب ہے مثلاً جناب ملا باقر مجلسی کا یہ فرمانا کہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزید جو پہلے حضرت حسین رض کی زوجیت میں تھی سر مبارک کے آنے اور مکان کے دروازے پر آویزاں کئے جانے کا حال سن کر بے پردہ نکل آئی اور یزید کی مجلس میں پہنچ کر واویلا کرنے لگی "پردہ دریدہ از خانہ بیرون و دید بمجلس آن آمد (جلاء العیون) قطعاً بے اصل ہے۔ ملا صاحب کو امیر المومنین یزید رح کی ازواج کے اسماء کا صحیح علم نہ تھا۔ ان کی کوئی زوجہ ہندہ نام کی نہ تھی۔ ان سب کے نام امیر المومنین کے خانگی حالات کے سلسلہ میں دوسری جگہ ملاحظہ ہوں حضرت عبداللہ بن عامر کی جو دختر امیر موصوف کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ ان کا نام ام کلثوم تھا۔ ان ام کلثوم دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزید رح سے تین اولادیں ہوئیں۔ دو بیٹے عمر و عبداللہ الاصغر اور ایک بیٹی عائکہ جو امیر المومنین عبدالملک رح کی زوجہ تھیں۔ امیر یزید رح کے یہ خسر حضرت عثمان ذی النورین رض کے حقیقی ماموں زاد بھائی بڑے مجاہد او منتظم تھے ان ہی کی بہو حضرت علی رض کی صاحبزادی خدیجہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر مذکور تھیں۔ جناب ملائے مجلسی نے اس موقع پر ان کی دوسری زوجہ سیدہ ام محمد کا کچھ ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ حضرت حسین رض کی بھتیجی تھیں ان کے چچا کا سر اس طرح اگر ان کے گھر پر آویزاں ہوتا تو کیا وہ "پردہ را دریدہ از خانہ بیرون و دید" ہی پر اکتفا کرتیں اور ایسے شخص کی زوجیت میں رہنا گوارا کرلیتیں جس نے ان کے چچا کو قتل کرا کے سر منگوایا ہوا اور گھر پر آویزاں کیا ہو۔ پھر یہ ایک ہی رشتہ تو امیر المومنین یزید رح کا حضرت حسین رض سے نہ تھا کہ امیر موصوف ان کے بھتیج داماد تھے۔ بلکہ امیر المومنین یزید رح کی حقیقی پھوپھیری بہن کے شوہر ہونے سے ان کے بہنوئی بھی تھے۔ اور علی اکبر فرزند حسین امیر یزید رح کے بھانجے تھے تو کیا بھانجے کا سر کاٹ کے ماموں کے پاس اور بہنوئی کا سر سالے کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کیا امیر عبیداللہ بن زیاد جن کو امیر المومنین کا حکم تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں۔ جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے ایسا کوئی فعل کرسکتے تھے۔

مکذوبہ روایتوں میں عوام کے جذبات مشتعل کرنے کی غرض سے راویوں نے اپنی قوت واہمہ سے کام لے کر اسی قسم کی بہت سی ایجادیں کی ہیں۔ جن کی کوئی اصلیت نہیں اور

اصلیت ہوتی کیسے جب نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی اور نہ اس طرح کی جنگ ہونے کا ان حقائق کے لحاظ سے جو پیش کئے گئے کوئی امکان تھا۔

واقعہ حرّہ وحصار ابن زبیر رض

حادثہ کربلا کے بعد جو ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو پیش آیا تھا تین برس تک یعنی ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۶۳ھ تک عالم اسلام میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ بپا نہ ہوا۔ ہر طرف امن وامان وخوشی کا دور دورہ تھا، تمام امور مملکت بحسن وخوبی انجام پا رہے تھے صرف ایک کانٹا تھا اور وہ عبداللہ بن زبیر رض کا مکہ معظمہ میں قیام اور حکومت وقت کے خلاف خفیہ پروپیگنڈا۔ اس پروپیگنڈے میں کربلا کے فرضی مظالم کا کوئی ذکر نہ تھا کیونکہ اس وقت تک خیالی مظالم کی داستانیں وضع نہیں ہوئی تھیں۔ مکہ معظمہ میں ابن زبیر رض کا قیام تو تین برس پہلے سے اس وقت سے برابر رہا جب عامل مدینہ نے انہیں حضرت معاویہ رض کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کی بیعت کے لئے بلایا تھا وہ یہ کہہ کر کہ صبح جب سب لوگوں کو طلب کروگے ہم بھی آموجود ہوں گے اور "بیعۃ سلیمۃ صحیحۃ" کریں گے (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۱۶) مگر رات ہی رات مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔ اور یہاں پہنچ کر اپنے کو کعبہ کا پناہ گزین کہنے لگے۔ حضرت حسین رض بھی اسی طرح یہاں آگئے تھے اور چار مہینے سے زیادہ مقیم رہ کر کوفیوں کے اصرار پر طلب خلافت کی غرض سے عراق تشریف لے گئے۔ ابن زبیر رض نے بھی انہیں چلے جانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ حجاز میں ان کی موجودگی سے اپنی خلافت کی طرف دعوت دینا انہیں مشکل تھا۔ حضرت حسین رض جب ختم ہوگئے تو عبداللہ بن زبیر رض نے اپنی کاروائیاں تیز تر کردیں۔

حکومت تمام کاروائیوں سے باخبر تھی لیکن تشدد کا کوئی اقدام ان کے خلاف نہیں کیا گیا۔ بلاذری نے قدیم ثقہ مورخ المدائنی کی سند سے لکھا ہے کہ خود امیر المومنین یزید رح نے انہیں خط لکھا جس میں کہا تھا کہ آپ اپنی ذات کا تو خدارا خیال کیجئے آپ قریش کے سن رسیدہ اشخاص میں سے ہیں اور اجتہاد وعبادت گذاری کے اچھے اچھے کام بھی کرچکے ہیں اب کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔ آخر فقرہ یہ تھا۔

ولا تبطل ما قدمت من حسن — جو اچھائیاں آپ کرچکے ہیں، انہیں باطل

وادخل فیہ الناس ولا تردھم فی — تو نہ کیجئے لوگ جس (بیعت) میں داخل

فتنة ولا تحل حرم الله۔ (انساب الاشراف بلاذری ج۵ ص۱۶)

ہو چکے آپ بھی داخل ہو جائیے اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے اور حرم اللہ (کعبہ) کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کیجئے۔

مگر انہوں نے نہ مانا اور یہ عجیب جواب بھیجا کہ شوریٰ کیا جائے۔ (فکتب ابن الزبیر یدعوه الی الشوریٰ) گویا جو فرد ملت تین برس سے کاروبار خلافت انجام دے رہا ہے اور جس کی بیعت میں ایک ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی مختصر سی جماعت کے علاوہ کروڑوں مسلمان داخل ہیں وہ پھر سے الیکشن کرائے!

کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے قسم کھائی کہ اب ان کو گرفتار کرا کے بیعت لی جائے (وحلف الا یقبل بیعة الا فی جامعة) عامل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کی کارروائی کی جائے۔ اس زمانہ میں پولیس افسر خود ان ہی کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے جو اموی خاندان کے نواسے بھی تھے۔

وکان عمرو بن الزبیر امه آمة بنت خالد بن سعید بن العاص علی شرطة (ج۵ ص۲۳ ایضاً)

عمرو بن الزبیرؓ جن کی والدہ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی تھیں (عامل مدینہ کے) پولیس افسر تھے۔

مدینہ کے عامل نے بتعمیل حکم عمرو بن الزبیرؓ کو ان کے بھائیؓ کے خلاف ایک جماعت کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر حکم مان لیں تو خیر ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے (ج۵ ص۲۶ ایضاً)

عمرو بن الزبیرؓ جب مکہ پہنچے، ان کے بھتیجے یعنی عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند عباد اپنے چچا اور ان کے ساتھیوں سے ملنے آئے عمر نے اپنے بھائی کو بیعت کر لینے کے لئے پیغام بھیجا۔ (وارسل عمرو الی اخیه فی بیعة یزید) اس پر جو جواب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دیا، بلاذری کی روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے فرمایا:-

مانی علی طاعة یزید وقد بایعت عامل مکة حین دخلها۔ (ص۲۶ ایضاً)

میں تو یزید کی اطاعت ہی میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے ہی عامل مکہ کے ہاتھ پر ان کی بیعت کر چکا ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ جواب یا تو راوی نے غلط نقل کیا ہے یا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو مصلحت وقتی کے لحاظ سے کہہ دیا گیا ہو۔ اس جواب پر پولیس افسر حکم میں آ گئے پھر

ان کی جماعت پر یکایک حملہ ہو گیا وہ اپنے جس بھائی کو گرفتار کرنے آئے تھے انہوں نے ہی انہیں گرفتار کرا لیا۔ گرفتاری کے وقت ان کے دوسرے بھائی عبیدہ بن الزبیرؓ نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا مگر عبداللہ بن زبیرؓ نے قبول نہ کیا اور اپنے ان سوتیلے بھائی عمرو بن زبیرؓ کو قید کر دیا۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ سخت سے سخت اذیتیں ان کو دی گئیں۔ نہایت بے رحمی کے ساتھ کوڑوں سے مارپیٹ کی گئی بالآخر اسی زدوکوب میں ان کی جان نکل گئی (الانساب الاشراف بلاذری ج۵ ص۲۶) پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ لاش کو سولی دی جائے فامر به عبد الله فکان ذالک اول ما نقمته الناس (انساب الاشراف ج۵ ص۲۶) اس حادثہ کا بہت کچھ چرچا ہوا مرثیے لکھے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ اقامت حق اور اصلاح کے سوائے میری اور کوئی غرض نہیں نہ دولت کی خواہش ہے نہ مال و زر جمع کرنے کی۔ میرا پیٹ ہی بالشت بھر کا یا اس سے کم ہے۔ وانما بطنی شبرا واقل (ص۳۳ ایضاً) شعراء نے ان کے دعوے اصلاح کا اپنے کلام میں مذاق اڑایا اور کہا کہ ہم لوگوں سے تو آپ یہی فرماتے رہے کہ جلد ہی حکومت پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا۔ آپ کسی چیز کے طالب بھی نہیں آپ کا پیٹ بالشت بھر یا اس سے کم ہے مگر جو چیز آپ کو پہنچتی ہے اس پر دانت لگاتے ہیں سنت فاروق و صدیق کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اپنے بھائی عمرو کے ساتھ آپ کے کیا الطاف ہوئے۔ بلاذری نے متعدد اشعار نقل کئے ہیں، جن میں ضحاک بن فیروز دیلمی کے یہ چند شعر بھی ہیں جن کا مفہوم بھی یہی ہے جو بیان ہوا ہے

تقول لنا ان سوف یکفیک قبضة ۔۔۔ وبطنک شبر او اقل من الشبر

وانت اذا ما نلت شیئا قضمته ۔۔۔ کما قضمت نار الغضی حطب السدر

لکم سنة الفاروق لا شئ غیرها ۔۔۔ وسنة صدیق النبی ابی بکر

فلو ما اتقیت الله لا شئ غیره ۔۔۔ اذا عطفتک العاطفات علی عمرو

پولس ایکشن کی ناکامی کے بعد ہی عامل مدینہ عمرو بن سعید کو ہٹا کر ولید بن عتبہ کا تقرر کیا گیا۔ انہوں نے چارج لیتے ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ مگر حضرت موصوف نے اس زمانہ کے برطرف کر دیئے جانے کی یہ

چال چلی کہ اہلِ مکہ کی جانب سے امیر المومنین یزیدؒ کو خود لکھ کر یہ مراسلہ ارسال کیا، جیسے بلاذری نے بھی نقل کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی۔ طبری کی روایت یہ ہے کہ:-

ثم ان ابن الزبير عمل بالمكر في امر الوليد بن عتبة فكتب الى يزيد بن معاوية انك بعثت الينا رجلاً مفرقاً لا يتجه لامر رشد ولا يرعوى لعظة الحكيم ولو [illegible] الينا رجلا اسهل [illegible] لين الكنف رجوت ان يسهل من الامور ما استعاعر منها وان يجتمع ما تفرق فانظر في ذلك فيه صلاح خواصنا وعوامنا ان شاء الله - والسلام- (طبری ج ۷ ص ...)

پھر ابن زبیرؓ نے ولید بن عتبہ (عامل مدینہ) کے بارے میں مکر و حیلہ سے کام لیا اور یزید بن معاویہؓ کو خط لکھا کہ تم نے کس بے وقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ کسی عاقل کے سمجھانے سے باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اٹھ جاتا اس معاملہ میں غور کرو کہ اسی میں خدا نے چاہا تو عام و خاص کی بہتری ہے۔ والسلام۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی اس چال کو امیر المومنین [illegible] اور حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ رفق و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے [illegible] اور ولید بن عتبہ جیسے تجربہ کار عامل کو برطرف کر کے عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ کا تقرر کر دیا جو نوجوان و ناآزمودہ کار تھے اور معاملات کا تجربہ نہ رکھتے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کو اب اچھا موقع مل گیا، سابقہ عمال تو لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اب جو ذرا ڈھیل ملی اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے۔ طائف میں امیر المومنین کے وفادار سعد مولی عتبہ بن ابوسفیانؓ نے ان کے لوگوں کی مقاومت کی تھی پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ مگر ابن زبیرؓ نے ان سب کو پکڑوا لیا اور حرم میں لاکر ان کی گردنیں مار دیں (وضرب اعناقهم في الحرم۔ بلاذری ج ۴ ص ...)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا:-

قال ابن عباس لو لقيت قاتل ابي بالحرم ما قتلته.

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پاجاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا۔ (ص۳۳ ج انساب الاشراف)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ جب حرم میں انہوں نے خونریزی کی ہے تو وہ بھی ایک دن وہیں قتل ہوں گے۔ امیر المومنین یزیدؒ کو ان افسوسناک حالات کی اطلاع ہوئی، تشدد کرنے کے بجائے بعض صحابہؓ کا وفد ابن الزبیر کے ساتھیوں کے سمجھانے کو بھیجا، جس میں حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ و حضرت عبداللہ بن عصامؓ الاشعری و حضرت الحصین بن نمیر السکونیؒ اور دیگر حضرات شامل تھے۔ ایک تحریر بھی بعنوان من عبد الله يزيد امير المومنين الى اهل المدينة (اللہ کے بندے یزید امیر المومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) ارسال کی جس میں لکھا تھا کہ میں نے تم لوگوں کی قدر و عزت کی اور اتنی کی کہ تمہارے سامنے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی وحملتكم على راسي ثم على عيني ثم على نحري (انساب الاشراف ج ۴ ص۳۴) یعنی تم کو میں نے اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر۔ مگر میرے علم سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھا تم باز نہ آئے تو خمیازہ بھگتو گے۔ یہ دو شعر بھی آخر میں لکھے تھے:-

أظنُّ الحِلمَ دلَّ عليَّ قومي ... وقد يُستضعَفُ الرجلُ الحليمُ

میں سمجھتا ہوں کہ حلم و نرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کر دیا ہے۔ اور حلیم و نرم خو شخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے۔

ومارستُ الرجالَ ومارسوني ... فمُعوَجٌّ عليَّ ومستقيمُ

میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور لوگوں نے میری اصلاح کی۔ تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو راہ راست پر۔

حضرت نعمان انصاریؓ اور دوسرے حضرات نے بہت کچھ سمجھایا کہ طاعت اختیار کریں فتنہ و فساد میں مبتلا نہ ہوں، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن مطیع عدوی نے تو حضرت نعمانؓ سے کہا کہ تم جاری جماعت کو کیوں متفرق کرتے ہو اللہ نے جو کام ہمارا بنا دیا ہے اسے کیوں بگاڑتے ہو۔ وفد ناکام واپس آیا تو حلیم الطبع امیر المومنین نے پھر کوشش کی کہ معاملہ آشتی سے سلجھ جائے۔ اہل مدینہ کو خود مخاطب کیا اور وہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی کہ وہاں کے

لوگوں کا وفد ہمارے پاس بھیجو تاکہ ہم ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں اور استمالت قلب کریں۔

فکتب یزید الی عثمان ابن محمد بن ابی سفیان عاملہ ان یوجہ الیہ وفدا لیستمع مقالتھم ویستمیل تلوبھم (انساب الاشراف ج ۴ ص ۲۱)

یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ کو تحریر کیا کہ ہمارے پاس (وہاں کے لوگوں کا) وفد بھیجو تاکہ ہم ان کی باتیں سنیں اور ان کی استمالت قلب کریں۔

عامل مدینہ نے حکم کی تعمیل تو کی مگر وفد کے ارکان غلطی سے وہی منتخب کئے جو بغاوت کے سرغنہ اور پرجوش حامی و سرگرم مبلغ تھے۔ ان میں عبداللہ بن مطیع عدوی کے ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے برادر حقیقی المنذر[1] بن زبیر کو بھی شامل کر لیا تھا (انساب الاشراف ص ۳۱)۔

مورخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین نے ارکان وفد کی خوب آؤ بھگت کی گرانقدر عطیات پیش کئے جو ان سب نے بخوشی لے لئے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انہی کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈا حد سے گذرنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیر المومنین کے حالات سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ ان کے پاس مقیم رہ کر ان کے شب و روز کے معمولات کو بچشم خود دیکھ چکے تھے مثلاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بہتانوں کی تردیدیں کیں۔ بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا اور ان سے بحثیں کیں، سمجھایا، بجھایا جیسا آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں اور حضرت علی بن الحسینؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے

---

[1] کہا جاتا ہے کہ یہی وہ ابن الزبیرؓ تھے جو غزوہ قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے ساتھ تھے حضرت معاویہؓ کی تدفین میں بھی شریک تھے اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت کو انہوں نے ہی غسل دیا تھا لیکن وہیں ان کو جاگیر بھی عطا ہوئی تھی اور کنانت بھی ان کے وہاں تھے یہ بعد میں اپنے بھائی نے آکے ... کے ... قتل ہوئے۔

موقف اور طرزِ عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات امیر المومنین کی موافقت اور بغاوت پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دعوے خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ احکام شرع و ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اسے غلط بتایا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنے تمام اہلِ خاندان کو مجتمع کرکے وہ حدیث سنائی تھی جو پہلے درج ہو چکی اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائیگا (بخاری کتاب الفتن ج جزء ۲۹) مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے اپنی تحریک جاری رکھی، بنی عدی یعنی ابن عمرؓ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کے ایک سرغنہ تھے باغیوں کے ساتھ رہے؛ انصاریوں میں سب سے بڑا گھرانا بنو عبدالاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا۔ بنو ہاشم میں سے صرف چند حارثی شریک تھے ورنہ بنو عبدالمطلب میں خصوصاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ)، علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے سب عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔ آل جعفرؓ و آل علیؓ و آل ابی بکرؓ میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ ہوا جیسا کہ عام ہنگاموں اور فتنہ و فساد میں ہوتا رہا ہے عوام الناس کا جم غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آ گیا، دمشق سے واپسی پر کافی رقم ان کے پاس تھی۔ سامانِ حرب کی فراہمی ہونے لگی۔ ان کی جمعیت بڑھنے لگی۔ بنی امیہ کو پہلے تو محصور کرکے ان پر پانی تک بند کر دیا' طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی امیہ کے مرد و زن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گذرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے خارج البلد کر دیا۔ اخرجواھم باثقالھم واموالھم فمضوا الی الشام (انساب الاشراف ص ۳۳)

یہ سب اموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقاومت کے شہر سے نکل گئے کیونکہ اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریف میں خونریزی کی نوبت آئے اپنے ذی اقتدار رکھنے کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا یہ بنی امیہ کی غایت عقیدت مندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔

ان حالات و واقعات کی اطلاع جس وقت امیر المومنین کو پہنچی، کہا جاتا ہے کہ درد نقرس کی وجہ سے کہ اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی؛ طشت میں پاشویہ کر رہے تھے، سن کر فرمایا کہ:

لقد بدّلوا الحلم الذی فی سجیتی — فبدّلت قومی غلظۃً بلیانِ

میری طبیعت میں علم تھا اسے لوگوں نے بدل دیا۔ — میں نے بھی اب اپنی قوم کے لئے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کر لیا۔

اس سختی کی نوعیت بھی یہ تھی کہ ایک تادیبی مہم باغیوں کی سرکوبی کے لئے تجربہ کار فوجی افسروں کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔ افسروں میں متعدد صحابی و تابعی حضرات تھے۔ افسر بالا امیر مسلم بن عقبہ المریؓ تھے جو کبیر السن بھی تھے اور اس زمانہ میں مریض بھی؛ انھوں نے اس خلعت کو بخوشی قبول کیا۔ جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا ان کو شرف حاصل ہوا تھا اس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ و فساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے ان کے ساتھ دیگر صحابہ امیر حصینؓ بن نمیر السکونی (الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۳) امیر عبداللہ بن عصام الاشعری (الاصابہ ج ۲ ص ۳۴۴) و امیر عبداللہ بن مسعود تصفراری (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۳۱) اور دوسرے صحابی و تابعی بھی بھیجے گئے تھے امیر روح بن زنباع تابعی تھے ان کے فرزند ضبعان بن روح والی اردن تھے انکے علاوہ متعدد وہ حضرات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس امیر المومنین کے پیغامبر کی حیثیت سے جا چکے تھے۔ ان سے حصین بن نمیر کی گفتگو کی تفصیل امیر المومنین کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔

حبیب بن کرہ کا جو بنی امیہ کی تحریر لے کر امیر المومنین کے پاس گیا تھا یہ بیان ہے کہ جب [illegible] روانگی کے لئے تیار ہو گیا امیر المومنین اسے رخصت کرنے خود آئے تلوار گلے میں ... پہنے تھے اور عربی کمان کاندھے پر لٹکائے ہوئے تھے، لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو تبغیر الفاظ پہلے نقل ہو چکے ہیں؛

لہ بعض نے شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس نام کے صحابی دوسرے تھے یہ نہ تھے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ حصین حمص کے والی بھی رہے تھے اور اس زمانہ میں جیسا خود ابن حجر نے بھی لکھا ہے صحابہ کی جماعت میں سے والی مقرر ہوتے تھے۔ ان کے بیٹے یزید اور ان فرزند معاویہؓ بھی اپنے زمانوں میں والی رہے تھے۔

یہاں بلاذری و طبری سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ابلغ ابا بکرٍ اذا اللیلُ سُریٰ — وھبط القومُ علی وادی القریٰ

میرا پیغام اسوقت ابوبکر (کنیت ابن زبیرؓ) کو پہنچا دینا — جب دیکھنا کہ رات ہو گئی اور وادی القریٰ میں فوج اتر پڑی

اجمع سکرانٍ من القوم تریٰ — ام جمع یقظانٍ نفیٰ عنہ الکریٰ

کیا یہ سُت سرشار لوگوں کی جماعت تمہیں معلوم ہوتی ہے — یا یہ لوگ بے خواب و بیدار ہیں جنہوں نے نیند کو پاس آنے نہ دیا

یا عجبًا من مُلحدٍ یا عجبًا — مخادعٍ فی الدین یقفو بالعریٰ

مجھے اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنیوالے) سے تعجب ہوتا ہے۔ — جو دین میں مکاری کرتا ہے اور بزرگوں کو بُرا کہتا ہے۔

پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال اور رقۃ او السلاح او طعام فھو للجند) لشکریوں کے لئے ہے۔ بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیاء کے لے لینے کے الفاظ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس حکم پر بڑی چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ کی حرمت مٹانے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پر حرف لانے والا اصل میں تھا کون؟ اس خالی روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور بنایا تھا کس نے۔ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے پھر مدینہ کو فتنہ و شورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے بجھانے فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا تھا، جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے ان سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدینؒ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص طور سے ہدایت کی گئی تھی کہ "دیکھو علی بن حسینؓ سے مراعات سے پیش آنا ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا ان کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا وہ ان لوگوں کے شریک نہیں جنھوں نے بغاوت کی ہے ان کا خط ہمارے پاس آ گیا ہے۔" امیر مسلم نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہتے تھے وہ مورخین نے یہ لکھے ہیں؛-

"اے اہل مدینہ! امیر المومنین یزیدؒ سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو تمہارا خون

بہانا انھیں گوارا نہیں ۔تمھارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آجائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا ۔ہم اس کا عذر قبول کرلیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم محبت تمام کرچکے ۔"

تین دن گذرنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مدینہ کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے اہل مدینہ اب تین دن ہو چکے کہو اب تم کو کیا منظور ہے ۔ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو ۔" اہل مدینہ نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلم نے پھر ان سے یہ الفاظ کہے ۔

فقال لهم لا تفعلوا بل ادخلوا فی الطاعة ونجعل حدنا وشوکتنا علی هذا الملحد الذی قد جمع الیه المراق والفساق من کل ادب (طبری ج ۷ ص ۳)

(امیر مسلم نے اہل مدینہ سے کہا، دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو پھر ہم تم مل کر اپنا زور اس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چاروں جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے !

فاسقوں اور بے دینوں سے مراد باغیوں سے تھی جو احکام شرع کی خلاف ورزی کر رہے تھے مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے ۔ تین طرف خندقیں کھود رکھی تھیں ۔پتھروں کے ڈھیر ان کے پاس تھے صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب امیر مسلم نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ ۔ فاتقوا اللہ فی انفسکم ۔ انھیں گالیاں دیں اور امیر المومنین کو بھی نہ چھوڑا ۔ انھیں بھی گالیاں دیں (فشتموه وشتموا یزید)

مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں کی نہ تھی ۔ سب شہر باغی نہیں تھا ۔بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنھوں نے وقتی ہنگامہ بپا کر کے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کرلی تھی ۔ پھر مورچہ بندی کی تھی ۔ان کی عسکری قوت کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ خندقیں تین ہی طرف کھودی تھیں اور ایک طرف ایسی آبادی تھی کہ مدافعانہ تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی ۔ انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبد الاشہل اسی طرف آباد تھا ۔ یہ گھرانا باغیوں کا شروع سے مخالف اور امیر المومنین کا حمایتی تھا گویا بیعت توڑنے والے باغیوں کی فوج اتنی نہ تھی کہ سامنے سے

حریف کا مقابلہ کرسکتے اور نہ اتنی کہ تین طرف خندق کھود کر چوتھی طرف حفاظتی دستے متعین کرسکتے ۔ فوجی زاویہ نگاہ سے شاید ہی کبھی کوئی ایسی عقیم کارروائی کی گئی ہو جیسی اس وقت مدینہ کے باغیوں نے کی تھی ۔ ان کو غرہ تھا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم ارض پاک کے رہنے والے ہیں ان کی اس جہالت کا اشارہ امیر المومنین کی اس گفتگو کے ایک فقرے سے ہو سکتا ہے جو موصوف نے امیر عسکر کو وداع کرتے وقت کی تھی ۔ فرمایا تھا ۔

اعلم انک تقدم علی قوم ذوی جہالة واستطالة قد اقدهم حلم امیر المؤمنین معاویة وظنوا ان الایدی لا تنالهم (انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۴)

یہ سمجھ لو کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو نادان و ناسمجھ ، شیخی خورے اور اکھڑ ہیں ۔ جنھیں امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے بگاڑ رکھا ہے ۔ اور ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ ان تک نہیں پہنچ سکتا ۔

غرضیکہ جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا فوجی دستہ خندقوں کی طرف بڑھا ۔ باغیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کئے ۔ وجعل اهل الشام یطوفون بها (جب اہل شام خندقوں کا پھیرا لگانے لگے ، تو لوگوں نے پہاڑیوں اور چھتوں پر سے پتھروں اور تیروں کا انہیں نشانہ بنایا) والناس یرمونهم بالحجارة والنبل من فوق الآکام والبیوت (الامامة والسیاسة ص ۲۲۲) اتنے میں بنو عبد الاشہل کے سرکردہ لوگوں نے امیر مسلم کو مشورہ دیا کہ ان کے محلے سے فوج گذار کر شہر پر قبضہ کرلیں چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ الامامة والسیاسة کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ رشوت دی گئی انھوں نے رستہ دیدیا ۔ ففتح له طریقاً (ص ۲۲۲ ایضاً) تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہوگئے جن میں بغاوت کے سب سے بڑے سرغنہ عبد اللہ بن مطیع بھی تھے (فر ابن مطیع فلحق بابن الزبیر) ابن مطیع فرار ہوگئے اور ابن زبیرؓ سے جا ملے) چنانچہ اپنی فراری کا اقرار بھی کیا ہے خود فرماتے ہیں ۔

انا الذی فررت یوم الحرة والشیخ لا یفر الا مرة لا جزین کرة بفرة

پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کئے گئے ۔ رہیں وہ تفصیلات جو لعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے ۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی ۔ دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں یا بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا ۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں ۔

بعد کے مسلمانوں کو بیا فروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت وحرمت پر حرف لانے کے لئے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا۔ جہاں صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں داخل ہوئی ہوں۔ ان اموی اسلامی افواج نے سیکڑوں شہر فتح کئے۔ روم وایران و دیلم و بربر میں ان اموی اسلامی فوجوں کا نظم وضبط مفتوح اقوام کے لئے حیران کن رہا ہے تو خاص کر مدینہ میں امیر المومنین کی قوم کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کیسے ہوسکتی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ یوم حرہ وحصار ابن زبیرؓ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی لیکن ان روایتوں میں اشارتاً وکنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی کا یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں طبری کی جلد ۷ صفحہ ۵ لغایتہ ۱۳ پر انہی دو راویوں کا قال ابو مخنف وقال ھشام کی تکرار کے ساتھ سب کچھ بیان ہے مگر خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا ذکر تو درکنار اشارہ بھی نہیں۔ بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے اور ابو مخنف وہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں لیکن اشارتاً وکنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں کیا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے ان کا جداگانہ باب باندھا ہے مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کرسکے ہیں حالانکہ وہ تمام اکاذیب بھی درج کئے ہیں جو ابو مخنف وہشام کلبی جیسے کذابین نے وضع کئے ہیں کہ جب باغیان مدینہ کی ہزیمت کی اطلاع موصول ہوئی امیر المومنین نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے کہ ہم نے اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا۔ اس کذب بیانی کے باوجود خواتین کی بے حرمتی کا ان کذابین نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اتہامات بعد میں تراشے گئے۔

بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہوگیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو عناصر سے پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا۔ امیر روح بن زنباع الجزامی کو مدینہ کے انتظام کے لئے متعین کیا۔ نصف محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل مقام پر وفات پاگئے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی ان کے جانشین ہوکر آگے بڑھے ۲۷ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن الزبیرؓ کے لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ امیر المومنین

کی قسم کو پورا کردیں تو ان کے ساتھ نیک برتاؤ ہوگا۔ چاہیں گے تو انہیں حجاز کا والی بنا دیا جائے گا۔ (انساب الاشراف ص۴۵) مگر ان لوگوں نے الٹا جواب دیا۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں اہل شام میں سے تین شخص مارے گئے۔ اور ابن زبیرؓ کے کچھ مجروح ہوئے اور چار قتل (ص۵۳ ایضاً) ابن زبیرؓ کے لوگوں میں سے کسی شخص کی بے احتیاطی سے آگ کی چنگاری سے غلاف کعبہ جل گیا تھا، بلاذری ہی کی روایت احراق کعبہ کے بارے میں ہے کہ :-

ان رجلا من اصحاب ابن الزبیر یقال لہ مسلم اخذنارا فی خیفة علی راس رمح فی یوم ریح فطارت شھرة تلعقت باستار کعبة فاحرقتھا (ص۵۵)

ابن زبیرؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اٹھا رکھا تھا اس دن ہوا تیز چل رہی تھی اس کی چنگاری غلاف کعبہ پر جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔

تقریباً یہی روایت طبری میں بھی بتغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے۔ (ج۷ ص۱۰) دو ہفتے چار دن یہ محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین کی وفات کی اطلاع پر اٹھا لیا گیا۔ اور خلافت کا فوجی دستہ دمشق جاتے ہوئے جب مدینہ منورہ سے گذرا حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) ان کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ لے کر آئے۔

فاستقبلہ علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ومعہ قت وشعیر ..... فسلم علی الحصین فقال لہ علی بن الحسین ھذا علف عندنا فاعلف منہ دابتک فاقبل علی علی عند ذالک بوجھہ فامرلہ بما کان عندہ من علف۔ (طبری ج۷ ص۱۷)

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب اس کے (امیر حصین بن نمیر سردار لشکر) کے استقبال کو اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے۔ انھوں نے حصین کو سلام کیا اور علی بن حسینؓ نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ دانہ چارہ ہے اپنے گھوڑوں کے لئے لے لیجئے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور حکم دیا کہ ان سے چارہ دانہ لے لو۔

طبری کی اس روایت سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ حرہ کے مظالم کی داستانیں وضعی اور جھوٹی ہیں۔ حضرت زین العابدینؒ نے اموی فوج کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ

بنفس نفیس لاکر اس وقت پیش کیا تھا جب امیر المومنین یزیدؒ کی وفات ہو چکی تھی۔ مظالم کربلا ومظالم حرہ کی ذرہ بھر حقیقت بھی ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں دانہ چارہ گھوڑوں کے لئے خود لاکر پیش کرتے۔ فاعتبروا!

امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات

مادری نسب امیر المومنین یزیدؒ کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں اور اس عرب قبیلہ کی سکونت قدیم زمانہ سے حجاز و شام کی سرحدی علاقہ میں تھی۔ رومی و بزنطینی اثرات سے اس نواح کے دیگر قبائل کی طرح بنو کلب کے بیشتر افراد عیسوی مذہب کے پیرو تھے۔ شیوع اسلام کے بعد سے نصرانیت ترک کرکے دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اصبغ بن عمرو کلبی ایک سردار کے پاس جو نصرانی المذہب تھے تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤ تو سردار قبیلہ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دینا۔ تین دن کے مباحثے کے بعد سردار قبیلہ نے مع جماعت کثیرہ مذہب اسلام قبول کیا اور حضرت عبدالرحمنؓ نے اس کی دختر تماضر کلبیہ سے نکاح کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی جو سفارت نبوی کی خدمات بھی سرانجام دیتے تھے اسی قبیلہ سے تھے اور آپ کی ان سے دہری قرابت تھی یعنی آپ کی چچیری بہن سیدہ برہ بنت عبدالعزیٰ ابولہب حضرت دحیہؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ اور آپ نے ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ الکلبی سے نیز ان کی بھانجی **خولہ بنت الہذیل** سے نکاح بھی کیا تھا۔ لیکن یہ دونوں خواتین خلوت صحیحہ سے قبل ہی **فوت ہو گئی تھیں** (کتاب المحبر ص۹۳) ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور متبنیٰ **حضرت** زید بن حارثہؓ نیز آپ کے صحابی حضرت قطنؓ بن زائر اور حضرت

وائل بن حجرؓ کا نسبی تعلق بھی بنو کلب سے تھا۔ حضرت قطنؓ بن زائر اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان کے لئے فرمان لکھوایا جس میں اقامۃ الصلوٰۃ لوقتھا وایتاء الزکاۃ لحقھا یعنی مقررہ وقت پر نماز قائم رکھنا اور معینہ طور سے زکاۃ ادا کرنے کی ہدایات تھیں جس سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کی غالب اکثریت عہد نبوی ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھی۔ اور قریشی خاندانوں سے ان کلبیوں کے تعلقات مصاہرت ومناکحت برابر قائم تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ کی ایک زوجہ سیدہ نائلہ بنت الفرافصہ کلبیہ خاتون تھیں۔ ان کے والد حضرت فرافصہ کلبی کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔

لہ صحبۃ وھو ختن عثمان بن عفان (الاصابہ ج۳ ص۲۰۲) یعنی وہ (الفرافصہؓ) صحابی تھے اور حضرت عثمانؓ بن عفان کے خسر تھے ان کے فرزند اور سیدہ نائلہ کے بھائی ضب بن الفرافصہ بھی مسلمان تھے اور انھوں نے ہی اپنی ان بہن کا جو خود بھی مسلمہ تھیں حضرت عثمانؓ سے نکاح کیا تھا۔

وضب بن الفرافصۃ اسلم و ھو انکحھا وھی مسلمۃ۔ (ص۲۸۴ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

اور ضب بن الفرافصہ اسلام لائے اور انھوں نے ہی اپنی بہن نائلہ کا نکاح حضرت عثمان سے کیا اور وہ اس وقت مسلمان تھیں

حضرت عثمانؓ کے سوائے حضرت علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کے ایک خسر امرؤ القیس بن عدی نسباً کلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اعظم کے دست حق پرست پر اسلام لائے ان کی تینوں بیٹیاں محیاۃ، سلمیٰ اور الرباب علی الترتیب حضرت علیؓ وحسنؓ وحسینؓ کی زوجیت میں آئیں اور تینوں سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ کی یہ کلبیہ زوجہ سیدہ رباب ان کو بہت محبوب تھیں ان کی اور ان کے بطن سے جو مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہ متولد ہوئیں ان ہی دونوں کے اظہار محبت میں حضرت حسینؓ کے تین شعر اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں کسی اور زوجہ کی الفت کے اظہار میں کوئی شعر یا کوئی قول آپ کا مذکور نہیں۔ نہ والدہ علی اکبر کے لئے جو حضرت معاویہؓ کی بھانجی تھیں اور نہ والدہ علی اصغر زین العابدینؒ کے لئے جو سلافہ نام نسباً سندھی ام ولد تھیں۔ وہ شعر یہ ہیں۔

لعمرک انني لاحب دارا — قسم میری جوانی کی میں اس گھر سے بالشبہ محبت

قصیفھا سُکَینَۃُ وَالرَّباب
اُحِبُّھُمَا وَاَبذُلُ بَعدُ مَالی
وَلَیسَ لِلَائِمِی فِیھِمَا عِتَابُ ۔
ولستُ لَھُم وَاِن عتبوا مُطِیعًا
حَیَاتِی اَو یُغَیِّبَنِی التُّرَابُ

(ص۱۹۹ ج۲ الطبری)

کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی
ہوں میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر
اپنا مال (ان پر) خرچ کرتا ہوں اور اس میں
کسی ملامت کرنے والے کے لئے ملامت کا
موقع نہیں ان عتاب کرنے والوں کی بات میں زندگی بھر
نہیں سننے کا یہاں تک کہ قبر میں مجھے مٹی ڈھانپ لے

ان سکینہ کے ایک شوہر مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں الغرض ان چند رشتوں کے بیان کرنے سے راقم الحروف کا مقصد اس امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے کہ اکابر صحابہ ومنادید قریش بنوکلب کی خواتین سے جو صفات نسوانی کے اعتبار سے شان امتیاز رکھتی تھیں مناکحت کے رشتے قائم کرنا پسند کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا قیام ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانے سے برابر ملک شام میں رہا تھا۔ جہاں خود انھوں نے اور ان کے اہل خاندان نے شاندار اسلامی وملی خدمات انجام دی تھیں۔ خلافت فاروقی کے ایام میں وہ گورنری کے منصب جلیلہ پر فائز تھے انعامات الٰہی سے سب کچھ حاصل تھا، اولاد نرینہ کی خوشی البتہ نہ تھی، ان کی زوجہ اولیٰ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف سے دو بیٹے ہوئے ایک عبدالرحمٰن جو صغر سنی میں ہی فوت ہوگیا تھا۔ اور دوسرا عبداللہ جو ضعیف العقل تھا۔ اس لئے وہ کسی عربیہ دوشیزہ سے نکاح کرنے کا خیال کر رہے تھے جو عمدہ صفات نسوانی سے متصف ہو۔ اور خالق اکبر اس کے بطن سے اولاد نرینہ عطا فرمائیں تو بیٹا نجیب ثابت ہو ایسی ایک دوشیزہ بنوکلب کے سردار بجدل بن انیف الکلبی کی دختر تھی۔ اس کلبی سردار بجدل کے جد اعلیٰ جناب بن ہبل کے تین بیٹے تھے، عدی وعلیم وزہیر عدی کی نسل سے حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ تھیں، علیم کی نسل سے حضرت علیؓ وحسینؓ وحسنؓ کی کلبیہ بیبیاں تھیں نیز مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ اور زہیر کی نسل سے یہ کلبی سردار اور اس کی دختر میسون تھی جو حسن وجمال کے ساتھ عقل ودانش میں ممتاز، دیندار اور نیک خصال تھی۔
علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

وکانت میسون ہذہ عظیمۃ الشان
جمالاً ورئاسۃً وعقلاً ودینًا ۔

اور وہ میسون زیرک ومحتاط،
حسن وجمال نیز ریاست وسرداری عقل

وفراست اور دینداری میں عظیم الشان تھی۔

(ص۲۱ ج۸ البدایہ والنہایہ)

اس دوشیزہ کے ذاتی صفات کے علاوہ بنوکلب کے طاقتور قبیلہ کے سردار کے گھرانے میں رشتہ کرنا امیر معاویہؓ کے لئے جو اس وقت صوبے کے گورنر تھے سیاسی اغراض کے لئے بھی نہایت مفید تھا کیونکہ یہ سردار بجدل کلبی ایک دوسرے طاقتور قبیلہ کے سردار اکیدر بن عبد الملک الکندی رئیس دومۃ الجندل کا رشتہ میں ماموں بھی تھا۔ یہ وہی اکیدر ہے جس کو حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پیش کیا تھا جب آپ غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تھے۔ آپ نے اکیدر کو دین اسلام قبول کرنے کی تحریک کی وہ مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حلیفی کا فرمان حاصل کیا۔

وعرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم
الاسلام علی اکیدر فاسلم واصبح
لہ حلیفًا۔

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
اکیدر کو اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوئے
اور (اپنے قبیلہ کی) حلیفی کا عہد تام کیا۔

(ص۴۲۲ حیات محمدؐ مولفہ محمد حسین ہیکل)

ان ہی اکیدر کے ایک بھائی حریثؓ بھی مسلمان تھے (ص۶۹ معجم البلدان بلاذری) دوسرا بھائی بشر بن عبد الملک عہد جاہلیت میں نوشت وخواند سے بہرہ یاب تھا۔ حضرت معاویہؓ کی پھوپھی الصہبا بنت حرب بن امیہ سے شادی کر کے مکہ میں مسکن گزین ہوگیا تھا۔ اور اہل مکہ نے اسی سے نوشت وخواند کا فن حاصل کیا تھا۔ الغرض حضرت معاویہؓ کے اس نکاح کی مصلحت سیاسی ہو یا معاشرتی یہ رشتہ زوجین کے لئے مبارک ہوا۔ اس کلبیہ خاتون کے بطن سے خالق اکبر نے نجیب وہونہار فرزند عنایت کیا جس کا نام انھوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کے نام نامی پر جنھوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا تھا یزید رکھا۔

سند ولادت علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے اس نکاح اور تولد فرزند کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

فتزوجہا معاویۃ ولدت لہ

پس (حضرت) معاویہؓ نے دوشیزہ میسون سے

خكيًا حاذقًا۔ ‏ ‏ معاویہ پیدا ہوا جو فطرتاً) نجیب و ذکی

(ص۸۰ ج البدایۃ والنہایۃ) ‏ ‏ اور تیز فہم تھا۔

سنہ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں، بروایت اصح یزیدؒ کی ولادت ۲۲ھ میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی۔ دوسری روایت میں سنہ ولادت ۲۵ھ ہے علامہ ابن کثیرؒ ۲۲ھ کے حالات کے سلسلے میں کہتے ہیں :-

وفيها ولد يزيد بن معاوية و عبد الملك بن مروان۔ ‏ ‏ اور اس سنہ (۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبد الملک بن مروان پیدا ہوئے

(ص۲۵ ج البدایۃ والنہایۃ)

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۲۲ھ کے یہ دونوں مولود یعنی یزید اور عبد الملک سن رشد کو پہنچ کر نہ صرف فضائل علمی و محاسن موروثی واکتسابی سے بہرہ ور ہوئے بلکہ اپنے اپنے وقت میں خلافت کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یزید جب بطن مادر میں تھے ماں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا جس کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا جو عظیم المرتبت ہوگا (ص۲۲۷ ج البدایۃ والنہایۃ)۔

خواب کی یہ روایت صحیح ہو یا غلط، بچپن ہی سے آثار نجابت و علو مرتبت یزید میں پائے جاتے تھے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی ‏ ‏ می تافت ستارۂ بلندی

سیدہ میسون کے بطن سے حضرت معاویہؓ کے ایک یا دو اولادیں اور بھی ہوئیں، یہ دونوں بیٹیاں تھیں ایک کا نام امۃ المشارق تھا جو خورد سال فوت ہوگئی تھی، دوسری رملہ تھیں جو سن بلوغ کو پہنچ کر حضرت عثمان ذو النورینؓ کے فرزند عمرو بن عثمانؓ کے عقد میں آئیں اور ان رملہ کی بہو سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ تھیں جو زید بن عمرو عثمانؓ کی زوجیت میں آئی تھیں (ص۹۴ کتاب المعارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر ۱۳۰۰ھ) امیر یزیدؒ نے اپنے محترم والد ماجد کے مرثیہ میں ایک شعر میں اپنی انہی بہن رملہ کے اپنے محترم والد کے مرنے پر گریہ و بکا کرنے کا جس سے قلب پاش پاش ہو ذکر کیا تھا اور وہ شعر یہ ہے۔

مسا انتصينا وباب الدار منصفق ‏ ‏ بصوت رملة ريع القلب فانصدعا

والدہ یزیدؒ کی دینداری

امیر یزیدؒ کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے عہد خلافت میں دربار عام سے اٹھ کر زنانخانے میں آئے اس وقت ایک زنخا خادم بھی ساتھ چلا آیا سیدہ میسون نے اس زنخے خادم سے بھی پردہ کیا :-

ودخل معاوية عليها (ای ميسون) يومًا معه خادم خصي فاستترت منه وقالت ما هذا الرجل معك فقال انه خصي فانظری عليه فقالت ما كانت المثلة لتحل له ما حرم الله عليه وحجبته عنها۔

(ص۱۴۵ ج البدایہ والنہایۃ)

ایک دن معاویہؓ ان (میسون) کے پاس گئے اس وقت ایک زنخا خادم بھی ان کے ساتھ تھا انھوں نے اس سے پردہ کیا اور (حضرت معاویہ سے پوچھا) یہ کون شخص آپ کے ساتھ ہے؟ انھوں نے جواباً کہا کہ یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آسکتی ہو اس پر (سیدہ میسون نے) کہا کہ زنخا ہونے سے خدا نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہوسکتا۔ پھر انھوں نے اس سے پردہ کیا۔

ایسی دین دار اور پابند احکام شریعت مسلمان خاتون کے بارے میں کذابین نے طرح طرح کی واہی اور سخیف روایتیں وضع کی ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی یہ زوجہ سیدہ میسون اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ دونوں مذہباً حریت پسند عیسائی تھیں (History of the Arabs) (ص۱۹۵ تاریخ عرب مولفہ ہتی بحوالہ آغانی) بنو کلب کی صرف ان دو خواتین کے بارے میں جو خاندان بنی امیہ میں حضرت معاویہؓ و حضرت عثمانؓ کے حبالہ عقد میں آئیں یہ روایتیں وضع ہوئیں جن کو مستشرقین نے کتب تاریخ و سیر سے نہیں بلکہ ادبیات اور منقول اور افسانوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے جو اکثر و بیشتر معاندین کی تالیفات ہیں مثلاً اغانی سے اور اغانی کے مولف غالی گروہ کے تھے۔ لیکن انہی خواتین کی ہمجد و ہمعصر خواتین کے مذہبی عقائد کے متعلق جو بنی ہاشم خصوصاً حضرت علیؓ و حسینؓ و حسنؓ کے نکاح میں آئیں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں کلبیہ خواتین عیسائی خاندان کی اور عیسائی باپ کی بیٹیاں تھیں۔ ایک اور کذب بیانی

سیدہ میسون کے بارے میں یہ کی گئی اور اس کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ یہ دختر صحرا" شہر کی محلاتی زندگی و معاشرت پر بدوی و صحرائی زندگی کو ترجیح دیتی تھی۔ نو اشعار کا ایک قطعہ ان سے منسوب کیا گیا ہے۔ جس کے ایک شعر میں ان کے عالی مرتبت شوہر پر بھی چوٹ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان اشعار کو سن کر حضرت معاویہؓ کو ایسی ناگواری ہوئی کہ اپنی اس زوجہ کو طلاق دے کر مع اس کے خورد سال فرزند یزیدؒ کے اس کے میکے بھیجدیا۔ جہاں بادیہ شام میں یزیدؒ نے ایک عیسائی بدوی کی طرح اور بدوی جبلت کے ساتھ پرورش پائی (صفحہ ۱۹۶ تاریخ ادبیات عرب مولفہ نکلسن) اس کذب بیانی کی تائید میں یہ نو شعر والدہ یزید سے منسوب کئے گئے ہیں۔ مگر محققین کے نزدیک نہ یہ کلام سیدہ میسون کا ہے۔ اور نہ طلاق کی کوئی اصلیت ہے۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ میں لفظ "میسون" کے تحت محقق لامنز (l a m m e n s) کا یہ قول درج ہے۔ ھذا الابیات لیست لمیسون ولیس الصحیح ان ھی قائلتھا یعنی یہ اشعار نہ میسون کے ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ شعر اس نے کہے ہوں۔ تاہم ان سے بدوی خواتین جذبات حب الوطنی کا اظہار ضرور ہوتا ہے جو شہری زندگی بسر کرنے کی حالت میں قدرتاً محسوس کرتی ہوں گی عربی ادبیات اور تاریخ کی بعض کتب میں یہ متفرق اشعار پائے جاتے ہیں۔ ابوالفداء نے پانچ شعر لکھے ہیں نکلسن نے چھ اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ اپنی تالیف ادبیات عرب میں درج کیا ہے۔ برٹن نے بھی پانچ شعروں کا مجموعہ اپنے سفرنامے کے حصہ دوم میں درج کیا ہے۔ مختلف ماخذوں سے نو شعر اس منسوبہ نظم کے ذیل میں درج ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کا منظوم اردو ترجمہ بھی، اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ یزید دشمنی میں ان کے والدین پر بھی کس کس پیرایہ میں بہتان تراشیاں کی گئی ہیں۔ عربی کے ابیات میں بعض لفظ مختلف کتابوں میں مختلف ملتے ہیں تاہم مطلب و معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

الضجۃ بنت البادیۃ	دختر صحرا کی پکار
لبیت تخفق الارواح فیہ	خیمہ صحرا کہ جس میں چلتی ہے ٹھنڈی ہوا
احب الی من قصر المنیف	... والوں سے ہے بڑھکر پر فضا میرے لئے

ولبس عباءۃ تقر عینی	تھی بھی بے چین مجھ کو اگرچہ وہ ا
احب الی من لبس الشفوف	درم جامے سے بھی تھی راحت فزا
واکل کسیرۃ فی کسر بیتی	خشک ٹکڑے کھا نا خیمے کے ا
احب الی من اکل الرغیف	بڑھ کے نانِ تازہ سے ہے خوش مزا
واصوات الریاح بکل فج	وادیوں میں ہے ہوا کی سنسناہٹ
احب الی من نقر الدفوف	دف و نقارہ سے بڑھ کر خوش نوا
وکلب ینبح الطراق عنی	بھونکنا کتے کا نو آمدہ مہماں
احب الی من قط الوف	گربۂ مانوس سے بھی خوش نوا
وبکر یتبع الاظعان سقیماً	بار اٹھائے پشت پر یہ بن یہ
احب الی من بغل زفوف	تیز رو خچر سے بھی ہے خوش
وخرق من بنی عمی فقیر	سیدھا سادہ نیک دل غربت
احب الی من علج عنیف	اجنبی سرکش میاں سے خوش اد
خشونۃ عیشتی فی البدو اشہی	زندگی صحرا کی گو کٹتی ہی ہو تکا
الی نفسی من العیش الطریف	خوش گوار اس ناز و نعمت سے
فما ابغی سوی وطنی بدیلا	اب قیام اس بے وطن کا اس جگہ
فحسبی ذاک من وطن الشریف	ہے وطن کی سرزمین راحت فزا

سیدہ میسون جیسی دین دار و عقیل خاتون سے اس قسم کے اشعار منسوب کرنے کا جو مقصد ہے وہ ان روایتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ جو کذابین سلسلے میں وضع کیں۔ برٹن نے ترجمہ اشعار کے ساتھ یہ لغو حکایت بھی "حکایت یہ ہے کہ معاویہؓ نے جب یہ گیت اتفاقاً سن لیا تو گانے والی کو اپنے بھائی اور اس کے محبوب صحرا و بادیہ کو رخصت کر دیا۔ میسون اپنے یزید کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئی اور اس وقت تک دمشق کو واپس نہ لوٹی جب تک کہ یہ علی خیف (منڈ منڈ گڑھا) اپنے باپ دادا کے پاس دوسرے جہاں میں پہنچ گیا۔ یزید نے اپنی ماں سے شوگوئی کے مادہ کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف نفرت و حقارت بھی ورثہ میں پائی تھی۔ اس کے ساتھ برٹن نے یہ

لکھا ہے کہ "اس کتاب کے برطانوی ناظرین کے دل یہ سن کر ضرور دہل جائینگے کہ اس ذی فہم خاتون نے اپنے شوہر کو (FATTED ASS) (مشٹنڈا گدھا) تک کہہ ڈالا ہے "۔

(حج سفرنامہ مکہ و مدینہ، سر رچرڈ الف برٹن)

غرض کہ اس طرز کی تہمت تراشی و افترا پردازی کا لامتناہی سلسلہ اگرچہ تک نئے نئے روپ میں ہوتا رہا۔ بایں ہمہ اس حقیقت سے کسی کو بھی مجال ن ہوسکتی کہ سیدہ میسون اپنے عالی مقام شوہر کی زندگی بھر وفادار رہیں ان یث کی روایت بھی ہے اور سیدہ میسون سے حدیث روایت کرنے والوں ت محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین بن الحسین رض) بھی ہیں (ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف اردو بذیل عنوان میسون نیز کتب رجال وغیرہ) اور یزید کا بدو شعور سے محترم والدہ کے آغوشِ محبت و دامنِ تربیت میں پرورش پانا روزِ روشن کی ثابت ہے جس کے بعض حالات و واقعات دوسرے اوراق پر آپ بلاحظہ ئے ہیں۔

یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننہیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں اموی ن و ہاشمی گھرانوں کے خاندانی دستور کے مطابق بسر ہوا حجاز سے باہر ں بھی سادات قریش کے یہ خانوادے مسکن گزین ہوئے اپنے اس خاندانی رکے پابند رہے کہ خورد سال اطفال کو بدوی دایوں کی پرورش میں دیدیتے) آب و ہوا یوں بھی قوائے جسمانی کے بہترین نشوونما کے لئے بغامیت ہوتی بچپن سے محنت و مشقت اور سادہ و بے تکلف زندگی کی عادت جاگ دوڑ اونٹ گھوڑے کی سواری و صید افگنی میں مہارت حاصل کرتے عربی جو غیر زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے پاک ہوتی بدوؤں میں رہ ھتے۔ یزید کی دایہ کا کنبہ بادیہ شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا جہاں کبھی قدیم لمائی رہنا آباد تھا۔ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی تک اموی خلفا کے بچوں کی ں گاہ بن گیا تھا۔ امیر المومنین عبدالملک اور امیر المومنین ولید ثانی نے اس بخش مقام پر محلات تعمیر کرائے تھے جو "البادیہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔

امیر یزید کا زمانہ رضاعت بدوی دایہ کے خیمہ میں بسر ہونا یا اس کے بعد ماجدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں آنا جانا، شہسواری و صید افگنی میں مہارت کرنا معمولی و قدرتی بات تھی۔ مگر دشمنانِ عین نے طرح طرح کی واہی حکایتیں روایتیں وضع کیں۔ کبھی کہا گیا کہ والدہ یزید مذہباً عیسائی تھیں۔ کبھی یہ کذب کی گئی کہ شوہر نے طلاق دے دی تھی اس لئے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر میکے چلی جہاں یزید نے ماں کے مذہب پر ہوش سنبھالا اور عیسائی مذہب میں رہ کر نوشی کی عادت ڈالی وغیرہ۔ **من الھفوات** یہ سب تہمت تراشیاں قطعاً بے اصل اور خرافات ہیں۔ لیکن ناسخ التواریخ کی شرمناک ہرزہ گوئی مقابلے میں یہ سب بھی ہیچ ہیں۔ یہ ہرزہ خوار تہمت شعار "مورخ" کس درجہ الفاظ میں امیر المومنین کی سرا وہ عصمت و عفاف پر جو خود بھی بڑے زبردست عرب قبیلے کے سردار کی دختر اور بقول علامہ ابن کثیرؒ بڑی دانشمند دین و پابند شریعت خاتون تھیں سب وشتم کرتا ہے۔ محض اس غرض سے اس نقل کئے جاتے ہیں کہ یزید دشمنی میں کیا کچھ کذب بیانی اور افترا پردازی ہے ان مولفات میں بھی کی گئی ہے جن کو "تاریخ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام نہاد مورخ

مادر یزید ۔ ۔ ۔ میسون نام داشت و دختر بجدل (بن) انیف کلبیہ بود و از سفاح غلام بجدل حامل گشت و چوں از بادیہ بسرائے معاویہ آمد حمل او پوشیدہ ماند زیرا کہ معاویہ شوی نخستین نبود و از میسون مہر دوشیزگان طلب نمی فرمود لاجرم وقتے یزید متولد شد معویہ او را پسر خویش دانست و از اں پس میسون بر نجید و معاویہ را ہجا گفت و بجوار بن رفت۔ (ص ۹۵ جلد ششم از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

یزید ۔ ۔ ۔ کی ماں کا نام میسون تھا بجدل (بن) انیف کلبی کی بیٹی تھی بجدل کے غلام سے اس کو زنا کا عمل اور جب وہ بادیہ سے معاویہ رض کے آئی تو اس کا حمل پوشیدہ تھا کہ معاویہ اس کا اولین شوہر نہ تھا اور تے میسون سے پردہ بکارت کا مطا نہیں کیا چنانچہ جب یزید پیدا ہوا تو نے اسے اپنا ہی بیٹا سمجھا۔ اس کے ناراض ہو گئی اور اس نے معاویہ اور حوارین کو چلی گئی۔

ــس مفتری کذاب کو کیا کہا جائے؟

وتربیت یزیدؒ جیسے غیر معمولی ذہین وفطین طالب علم کے اکتساب علم کے حالات گو تفصیلاً معلوم نہیں تاہم چند واقعات سے جو بعض ثقہ نے برسبیل تذکرہ لکھ دیئے ہیں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نوعمری ہی میں لسانیات میں امتیازی درجہ حاصل کر لیا تھا۔ قرآن شریف کے اچھے قاری تھے۔ اور خطبات لیـ دین میں جو خطبے دیتے قرآن شریف کے رکوع اور سورتیں اس طرح تلاوت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام اللہ بھی حفظ کیا تھا۔ خوش بیان وحاضر جواب بچپن کا واقعہ ہے ان کے اتالیق نے کسی خطا پر سرزنش کی تھی۔ استاد ں یہ گفتگو ہوئی۔

لہ مودبہ :- اخطأت ۲۔ — اتالیق نے کہا: اے لڑکے تو نے خطا کی۔

یزید :- الجواد یعثر — یزید نے کہا :- اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے

المودب :- اے واللہ فیستقیم۔ — اتالیق نے کہا :- ہاں واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہو جاتا ہے۔

یزید :- اے واللہ فیضرب سائسہ۔ — یزید نے کہا :- ہاں واللہ پھر تو اپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے۔

ج قسم ثانی انساب الاشرف بلاذری یروشلم۔

حضرت معاویہؓ خود بھی اپنے اس غیر معمولی ذہین فرزند کی دیکھ بھال رکھتے بچپن دل پر سرزنش کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھ لیا۔ فوراً در آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے یہ الفاظ یزید کو سنائے جو اسی قسم پر آپؐ نے ابو مسعودؓ سے فرمائے تھے:-

ان اللہ اقدر علیك منك — یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھ کو اس پر ہے۔

حدیث سنا کر بیٹے سے فرمایا۔

"تیرا برا ہو کیا تو ایسے کو مارتا پیٹتا ہے جو اس کی سکت نہیں رکھتا کہ تیرا مقابلہ کر سکے۔ واللہ جن کو بدلہ لینے کی قدرت نہیں ان کو معاف کر دینا اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنا بہت بہتر اور حسن ہے"۔

ص۲۲۷ ج البدایۃ والنہایۃ)

یزید کے زمانۂ طالب علمی میں کتب درسی کی تدوین نہیں ہوئی تھی قرآن وحدیث کے علاوہ ادبیات (شعر وشاعری)، علم الانساب علماء کی صحبت وخطبات سے حاصل کئے جاتے۔ حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی امیر یزید کے استاد تھے۔ کان عالماً ولکن غلبۃ النسب (تہذیب والتہذیب) یعنی وہ عالم تھے لیکن علم النسب کا ان پر غلبہ تھا دغفل النسابہ سے مشہور ہیں ان ہی کے بنو اعمام میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہوئے حضرت دغفلؓ کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

یقال لہ صحبۃ وقال قرح بن جبیب الفرمسی فیمن نزل البصرۃ من الصحابۃ دغفل النسابۃ۔ (ص۱۹۵ ج الاصابہ) — کہتے ہیں کہ ان کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ قرح بن جبیب الفرمسی نے ان صحابہ کے بارے میں جو بصرہ میں مقیم تھے کہا ہے کہ ان میں دغفل النسابہ بھی شامل ہیں۔

ایسے فاضل ونساب صحابی کی صحبت اور شاگردی سے یزیدؒ کو پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ حضرت دغفلؓ بصرہ سے جب دمشق آئے حضرت معاویہؓ نے ان کے تجر علمی اور طلاقت لسانی کو دیکھ کر دمشق میں روک لیا اور فرمایا کہ آپ یزیدؒ کے پاس رہیے اور اسے اپنی صحبت اور علم سے مستفیض کیجئے (الاصابہ)

چنانچہ عرصے تک ان کے خرمن علم سے یزیدؒ کو خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے علوم دینیہ وادبیات کے علاوہ فنون حرب میں کما حقہ مہارت حاصل تھی۔ جو رومی عیسائیوں کے زیر دست افواج کے مقابلے میں اس مجاہد اسلام کی تہورانہ ودلیرانہ جہادی سرگرمیوں کے کارناموں سے جو اوراق تاریخ پر ثبت ہیں بخوبی ثابت ہے۔

عنفوان شباب اس جویائے علم اموی قریشی نوجوان کو علماء وصلحاء وصحابہ کرام کی صحبتوں سے استفادہ کرنے کی دھن تھی دمشق کو جب سنہ ۴۱ھ میں مستقر خلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا یزید کی عمر انیس بیس برس کی تھی

حجاز اور دوسرے اقطاع و ممالک سے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق آتے، اکثر ان کے پاس مقیم ہوتے، فرزند امیر المومنین کو ان صحابہ رسول اللہ کی خدمتیں کرنے، ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے، جو صحابہ کرام دمشق میں مسکن گزین تھے ان کے فیوض علمی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ نے پورا استفادہ کیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن عبد المطلب بن الحارث بن عبدالمطلب الہاشمی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور صحابی بن صحابی تھے خلافت فاروقی میں ہی مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی وہ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں کی بنا پر ان سے بہت محبت کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی وفات سے پہلے انھوں نے امیر موصوف ہی کو اپنا وصی و وارث بنایا۔ وصی اسی کو بنایا جاتا ہے جس سے نہایت محبت ہو اور اس پر بغایت اعتماد ہو۔

عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی انتقل الی دمشق ولہ بھا دار فلما مات اوصی الی یزید بن معاویۃ وھو امیر المومنین فقبل وصیتہ (ص۲۱۳ ج البدایہ والنہایہ والاستیعاب) دجمہرۃ الانساب ابن حزم ص۶۴

حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی تھے (مدینہ سے) دمشق کو منتقل ہو گئے تھے، وہاں ان کا مکان بھی تھا جب مرنے لگے (امیر) یزید بن معاویہؓ کو انھوں نے اپنا وصی و وارث بنایا وہ اس وقت امیر المومنین تھے اور انھوں نے اس وصیت کو قبول کر لیا۔

خطابت

صحابہ کرام و علماء و صلحاء کی صحبتوں کے علاوہ جس کا مختصر ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا ہے۔ امیر یزیدؒ ریعان سن سے اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جوان جیسے ذہین و فطین تاثر پذیر اور اخاذ طبیعت کے نوجوان کے لئے درسگاہ کی حیثیت رکھتیں۔ سالہا سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا یہ لطیفہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب ایک مرتبہ امیر زیادؒ اپنے صوبہ (عراق) سے دمشق آئے اور زر کثیر نیز جواہر سے مملو ایک صندوقچہ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کو پیش کیا۔ وہ اس سے خوش ہوئے امیر زیاد

نے کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں اپنے زیر حکومت علاقہ میں نظم و ضبط قائم کرنے کے سلسلے میں اپنے حسن کارگذاری کا موثر پیرایہ میں تذکرہ کیا۔ امیر موصوف اعلیٰ پایہ مدبر و منتظم ہونے کے علاوہ زبردست خطیب بھی تھے۔ امیر یزیدؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اس لن ترانی کو سن کر ان سے نہ رہا گیا۔ امیر زیادؒ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو گئے اور نہایت جامع الفاظ میں صرف تین فقرے ایسے بلیغ کہے کہ زیاد دیکھتے کے رہ گئے۔ وہ فقرے سنانے سے پہلے ناظرین کو یاد دلاؤں کہ زیاد ابتداءً دفتری خدمات پر مامور ہوئے تھے، ان کے مادری نسب کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں جن میں سے ایک یہ روایت بھی علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف (ص۱۲۵) میں بزمرہ اولاد حضرت ابوسفیانؓ بعنوان "زیاد بن ابی سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ" بیان کی ہے کہ زیادؒ کی ماں سمیہ نام ایک عجمی کنیز مقام زندرود (ایران) کی رہنے والی وہاں کے شہنشاہ کسریٰ کی جوازی میں سے تھی جسے شہنشاہ مذکور نے یمن کے ایک حکمران ابی الخیر بن عمرو الکندی کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ یمنی حکمران جب ایران سے یمن واپس جاتا ہوا طائف سے گذر رہا تھا اتفاقاً بیمار پڑ گیا وہاں کے طبیب الحرث بن کلدہ بن عمرو بن علاج ثقفی کے علاج معالجے سے شفایاب ہوا۔ اس کامیاب علاج کے صلے میں اس نے اس کنیز کو بھی طبیب مذکور کو دے دیا۔ طبیب خود عقیم تھا۔ اس کے غلام سے دو بیٹے ابوبکر نفیع اور نافع ہوئے۔ اول الذکر کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اپنے کو مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ ان کے باپ کے فوت ہو جانے پر ان کی ماں سمیہ کا زمانۂ جاہلیت کے پانچ مروجہ نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح ابوسفیانؓ سے ہوا جس سے زیاد پیدا ہوئے۔ جاہلیت کے مروجہ نکاحوں میں سے کسی نکاح سے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب اسلامی شریعت کے مطابق تسلیم کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اسی اصول کے تحت امیر زیاد کا نسب بعد تحقیقات شرعی تسلیم کیا۔ اور انھیں اپنے والد حضرت ابوسفیانؓ کا بیٹا اور اپنا بھائی سمجھا۔ ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے فرماتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے امیر زیاد کو مخاطب کر کے کہا:-

ان تفعل ذالك يا زياد فتحن نقلناك من ولاء ثقيف الى قريش ومن القلم الى المنابر ومن زياد بن عبيد الى حرب بن امية فقال معاوية له اجلس فداك ابي وامي -

(صہ ۲۳ ج البدایہ والنہایہ)

اے زیاد تم نے یہ سب کیا تو (تعلی کیوں ہے) کیونکہ ہم ہی تو ہیں جنھوں نے تم کو (قبیلہ) ثقیف کی دلاء (تعلق حلیفی ورشتہ) سے ہٹا کر قریش میں ملایا اور قلم (کی گھس گھس اور خدمت کاتب) سے منبر پر (حاکم گورنر کی حیثیت میں پہنچا دیا)، اور زیاد (فرزند غلام) سے حرب میں امیہ کے اخلاف میں شامل کیا (تو پھر تم کیا دون کی لیتے ہو) حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر بیٹے سے کہا۔ بس اب بیٹھ جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان -

دیکھئے یہ تین فقرے مطالب کے اعتبار سے کتنے جامع و مانع ہیں " من القلم الی المنابر " گنتی کے چار لفظ ہیں مگر ان سے امیر زیاد کی گویا پوری لائف بیان کر دی۔ یہی تو کمال فصاحت وبلاغت ہے۔ " الی الحرب بن امیۃ " کہا، ابوسفیانؓ کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے باپ کا لیا۔ جو ابوسفیانؓ سے بلند مرتبت اور اپنے زمانے میں قریش کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ انتساب میں ایسی شخصیت کا نام لینا اسلوب بلاغت ہے۔ یہ تین فقرے امیر یزیدؒ نے برجستہ ادا کئے اور فی البدایہ ایسے کہے کہ لوگ پھڑک اٹھے روح فصاحت میں تازگی دوڑ گئی۔

کلمات تعزیت ادا کرنے کا یوں تو ہر کسی کو اتفاق ہوتا ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی حضرت حسنؓ کی وفات پر ان کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو کلمات تعزیت کہے تھے ان کا ذکر ابتدائی اوراق میں ضمناً آیا ہے۔ وہ بھی تین ہی جملے تھے اور جو بقول علامہ ابن کثیرؒ فصیح و مختصر عبارت میں تھے۔

عزاه بعبارة فصيحة وجيزة شكره عليها ابن عباس -

(صہ ۳۰ ج البدایہ والنہایہ)

(یزید نے ابن عباسؓ سے) فصیح مگر مختصر عبارت میں تعزیت کی جس پر ابن عباسؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

وہ مختصر عبارت ذیل میں درج ہے، لفظاً تو معمولی ہیں۔ مگر جو لفظ جہاں

آیا ہے گویا نگینہ کی طرح ایسے تناسب سے (جڑا) ہے کہ دوسرا لفظ وہاں نہیں کھپ سکتا۔ معلوم ہے کہ حضرت حسنؓ کی کنیت ابو محمد تھی۔ امیر یزیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا تھا :-

رحم الله ابا محمد اوسع له الرحمة وافسحها واعظم الله اجرك واحسن عزاك وعوضك من مصابك ما هو خير لك ثوابا وخير عقبى ::

اسلام میں بہترین خطباء کے نام گناتے ہوئے حضرت سعید بن مسیب نے سب سے پہلے امیر المؤمنین معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر المؤمنین یزیدؒ کے نام لئے پھر دو اموی بزرگوں کے نیز عبداللہ بن الزبیرؓ کا اگرچہ وہ ان کے ہم پایہ نہ تھے۔

(صہ ۲۳۱ ج البدایۃ والنہایۃ)

اپنے والد محترم حضرت معاویہؓ کی وفات کا امیر یزیدؒ کو بہت رنج و ملال تھا چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جامع دمشق میں جب امیر المؤمنین کی حیثیت سے خطبہ دینے آئے حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو عامل دمشق بھی تھے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر پاس ہی آبیٹھے۔ صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں۔

ثم خرج (يزيد) وعليه اثر الحزن فصعد المنبر واقبل الضحاك فجلس الى جانب المنبر وخاف عليه الحصر فقال له يزيد! يا ضحاك اجئت تعلم بني عبد شمس الكلام ؟

(ج ۲ صہ ۱۳۷)

پھر یزیدؒ قصر امارت سے نکل کر (مسجد دمشق) میں آئے ان کے چہرے پر رنج کا اثر تھا جب منبر پر چڑھے (حضرت) ضحاکؓ آگے بڑھے اور منبر کے پاس بیٹھ گئے۔ انکو خوف ہوا کہ (شدت غم کی وجہ سے شاید) ما فی الضمیر پوری طرح ادا نہ کر سکیں یزیدؒ (نے ان کے اس شبہ کا احساس کرکے) ان سے کہا۔ اے ضحاک! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کے لئے یہاں آبیٹھے ہیں ؟

پھر تقریر کی جس کے یہ فقرے مؤلفین نے نقل کئے ہیں :-

الحمد لله الذي ما شاء صنع من شاء أعطى ومن شاء منع ومن شاء خفض ومن شاء رفع ان معاوية بن أبي سفيان كان حبلاً من حبال الله مده ما شاء ان يمده ثم قطعه حين شاء ان يقطعه فكان دون من قبله وخيراً ممن يأتي بعده ولا ازكيه وقد صار الى ربه فان يعف عنه فبرحمته وان يعذبه فبذنبه وقد وليت بعده الامر ولست اعتذر من جهل ولا آسى على طلب علم وعلى رسلكم اذا كره الله شيئاً غيره واذا اراد شيئاً يسره۔

(ص ۱۴۸ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

سب تعریف اللہ کو ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے جس کو چاہے ذلیل کرے جسے چاہے سربلند کرے معاویہ بن ابی سفیان اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے جب تک چاہا اسے دراز کرے دراز کیا پھر جب سے قطع کرنے کا ارادہ کیا قطع کر دیا۔ وہ اپنے قبل والوں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے۔ میں اللہ کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر رہا ہوں وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ جو اگر ان کو معاف کرے تو یہ اس کی رحمت اور اگر سزا دے تو گناہ کا بدلہ ان کے بعد میں اس امر (خلافت) کا ولی بنایا گیا ہوں۔ میں جہل کا عذر نہیں کرتا۔ اور طلب علم سے مایوس نہیں آپ لوگ سنبھل کر رہیں اور یہ یقین کر لیں کہ اللہ جس چیز کو مکروہ سمجھا ہے اسے بدل دیتا ہے۔ اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہے اسے آسان کر دیتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے تقریر کا آخری جملہ یہ لکھا ، واذا اراد الله شيئاً كان " یعنی اللہ تعالیٰ جس بات کا جب ارادہ کرے وہی ہوتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوتے تو ایسے متاثر تھے ! یزیدؒ پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے فافترق الناس عنه وهم لا يفضلون عليه احداً (ص ۱۴۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

امیر المومنین کی حیثیت سے ان کا یہ پہلا خطبہ تھا جو لوگوں کے سامنے دیا۔ فخطب الناس اول خطبة خطبها وهو امير المؤمنين۔ پس انھوں نے (یزید نے)، لوگوں کے سامنے تقریر کی اور یہ ان کے امیر المومنین ہونے کے بعد پہلا خطبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ خطبہ اتنا مختصر تو ہرگز نہ ہوگا جو ان چند جملوں پر ہی مشتمل ہو لیکن دیکھئے یہ چند جملے بھی موقع و محل کے اعتبار سے کیسے فصیح و بلیغ و جامع ہیں پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا سیدھے سادے الفاظ میں ذکر ہے۔ اور یہ ذکر بھی ایک امیر المومنین کی وفات اور دوسرے کے تقرر کی مناسبت سے کس موثر پیرایہ میں کیا ہے۔ نہ کسی کی ستائش نہ کسی مزعومہ "حق" کا اشارہ امیر یزیدؒ اپنے خطبات میں اکثر و بیشتر قرآن مجید کی آیات اور رکوع و سورتیں تلاوت کرتے اور فرماتے ان احسن الحديث وابلغ الموعظة كتاب الله " (ص ۲۴ ج ۲ العقد الفرید)

بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے۔ یہ تقریر کے ان جملوں میں بھی بار بار کلام اللہ کی تعلیم کا رنگ جھلکتا ہے۔ انتخاب و بیعت خلافت کے سلسلے میں کیسے غلط اور بے اصل اقوال ان سے اور ان کے محترم والد ماجد حضرت معاویہؓ سے منسوب کر کے ان کی تقریروں اور تحریروں کو مسخ کیا گیا ہے۔ خاص کر حضرت معاویہؓ کی اس وصیت کو جو اپنے آخر وقت انھوں نے اپنے لائق فرزند کو ان کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں کی تھی۔ علامہ ابن کثیر نے اس کو نقل کیا ہے جس کے عربی متن کو بخوف طوالت ترک کر کے ترجمہ یہاں درج کرتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں ، قال معاوية ليزيد وهو يوصيه عند الموت (حضرت معاویہؓ نے یزید سے کہا اور وہ اپنی موت کے وقت اس کو یہ وصیت کر رہے تھے۔

" اے یزید ! اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا یہ امر خلافت ، تمھیں تفویض ہوا ہے اور تم اب اس کام کے باختیار ہو جس کا میں تھا۔ تم نے اگر اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی اور اگر اس کے خلاف کیا دکھ ہوگا۔ دیکھو لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ان کی طرف سے اگر تکلیف وہ باتیں یا ایسی باتیں پہنچیں جن سے تمھاری

تنقیص ہوتی ہو تو ان باتوں سے اغماض برتنا اس طرز عمل سے تمھیں چین ملے گا اور تمہارے حق میں رعایا کی اصلاح ہو جائے گی۔ خبردار جھگڑے کی باتیں یا غصہ کرنے سے الگ رہنا ورنہ تمھیں اور تمھاری رعایا دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ خبردار اہل شرف اور اچھے لوگوں کا لحاظ رکھنا ان کی توہین نہ کرنا۔ ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ مگر اتنی نرمی بھی نہ برتنا کہ لوگ اسے کمزوری و بیچارگی پر محمول کرنے لگیں۔ دربار میں انھیں مقرب نہ ہوتے دینا۔ ان سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنا تاکہ وہ تمھارا استحقاق پہچان لیں۔ ان کے حقوق نہ چھینا اور نہ ان میں کمی کرنا ورنہ وہ تمہارے حق سے انکار کرنے اور اس میں کمی کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔ اور تمھارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ کسی کام کا جب ارادہ کرو نیک اور متقی لوگوں میں جو تجربہ کار اور مسن اشخاص ہوں مشورے کے لئے بلانا ان کی جو رائے قائم ہو۔ اس کی مخالفت نہ کرنا۔ ہاں خبردار اپنی رائے پر اڑنے جانا اور بے جا اصرار نہ کرنا کیونکہ اکیلے ایک شخص کی رائے کافی نہیں ہوتی جس بات سے تم کو وقوف ہو اور اس کے بارے میں کوئی شخص صحیح مشورہ دے اس کی تصدیق کرنا، ان امور کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا۔ اپنے ازار کی حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا اس سے تمھارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہو جائے گی۔ انھیں تم پر انگلیاں اٹھانے کا کوئی موقع نہ دینا کیونکہ لوگ عیب جوئی کرنے میں بہت جلد باز ہوتے ہیں۔

نمازیں ہمیشہ حاضر رہنا۔ میری ان وصیتوں پر تم نے عمل کیا تو لوگ تمھارے حق اچھی طرح مان لیں گے۔ تمھاری حکومت عظیم تر ہو جائے گی۔ اور لوگوں کی نگاہوں میں تمھارا وقار اور عظمت بڑھ جائے گی۔

دیکھو مکہ اور مدینہ کے باشندوں کے عز و شرف کو پہچاننا۔ کیونکہ وہی تمھاری اصل اور تمھاری برادری کے لوگ ہیں۔ اہل شام کی توقیر کا تحفظ کرنا کیونکہ وہ تمہارے طاعت گذار ہیں۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں کو ایسے

فرامین و تحریرات بھیجۓ رہنا جن میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا عہد کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس سے ان کی امیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں کے وفود تمہارے پاس آئیں ان سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آتے ہیں۔

بدگویوں اور چغلخوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ بُرے مشیر ہوتے ہیں؟

ص ۲۲۱-۲۲۰ ج البدایۃ والنہایۃ

مرنے والے خلیفہ کی زبان سے یہ یا اس قسم کی نصیحتیں اپنے جانشین اور اس فرزند کے لئے بے شک ادا ہو سکتی تھیں جس نے کم و بیش دس سال تک ولیعہد کی حیثیت سے مملکت اسلامی کے نظم و نسق کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا۔ لیکن وضاعین نے ان کے برخلاف جو روایتیں وضع کیں ان میں ان وصایا و نصائح کا تو ایک لفظ بھی نہیں ہے البتہ حضرت معاویہؓ کے منہ سے ایسے کلمات ادا کرائے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انھوں نے محض محبت پدری سے نا اہل بیٹے کو جانشین بنایا۔ اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اور اسے بتایا کہ فلاں فلاں اشخاص تمہاری مخالفت کرائیں گے۔ ان میں سے فلاں فلاں سے یہ برتاؤ کرنا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد و وضعی ہیں جن کی تکذیب ان واقعات سے بخوبی ہو جاتی ہے جو ان اوراق میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔

شاعری

اہل عرب کے خصائص اور فضائل کے رمز شناس جانتے ہیں کہ خطابت اور شاعری کو ان کے یہاں کیسا بلند مرتبہ حاصل تھا۔ امیر یزیدؒ کو مبداء فیاض سے خطابت کے ساتھ شعر گوئی اور سخن سرائی کا بھی وھبی عطیہ مرحمت ہوا تھا۔ ان کا کلام نہایت قلیل و نایاب ہے۔ کذابین نے دیگر لغو بہتان تراشیوں کے ساتھ چند ایسے اشعار بھی منسوب کر دیئے ہیں جن میں صریحاً کفریات اور خرافات بکی گئی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ بعض روافض نے یہ شعر بھی امیر موصوف سے منسوب کیا ہے ؎

لعبت ھاشم بالملک فلا   ملک جاءہ ولا وحی نزل

کسی کلمہ گو پر یہ اتہام کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا بھی منکر تھا۔ احمقانہ اتہام ہے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ شعر یزید کا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت اور اگر اس کا نہیں ہے اور بدگویوں نے اس کی رسوائی اور فضیحت کی غرض سے منسوب کر دیا ہے تو منسوب کرنے اور وضع کرنے والوں پر لعنت فلعنة الله على من وضع عليه يشنع به عليه (پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے یہ ان پر جڑا تاکہ اس سے ان کی رسوائی ہو) ص۲۳۴ ج۸)

صاحب کشف الظنون دیوانِ یزید بن معاویہؓ کے تحت لکھتے ہیں:۔

اول من جمعه ابو عبد الله محمد بن عمران المرزباني البغدادي وهو صغير الحجم في ثلاث كراريس وقد جمعه من بعده جماعة وزادوا فيه اشياء ليست له وشعر يزيد مع قلته في نهاية الحسن وميزت الابيات التي له من الابيات ليست له وظفرت لكل صاحب البيت۔

(دیوان یزید کو سب سے اول ابو عبد اللہ محمد بن عمران المرزبانی البغدادی نے جمع کیا وہ بہت چھوٹے حجم کا تین ورق کا تھا۔ ان کے بعد ایک جماعت نے جمع کیا۔ اور اس میں ایسی چیزیں اضافہ کر دیں جو یزید نے نہیں کہیں۔ لیکن یزید کے اشعار باوجود قلت کے نہایت درجہ حسن وخوبی کے ہیں۔ اور میں نے ان ابیات میں جو ان کی کہی ہوئی ہیں اور ان میں جو ان کی کہی ہوئی نہیں ہیں، امتیاز قائم کر دیا ہے۔ اور جس جس کا جو شعر ہے اس کا نام معلوم کر لیا ہے۔

(ص۷۸۳ ج۱ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۰ھ)

متعدد مؤلفین کتب تاریخ وسیر وادبیات نے متفرق اشعار لکھے ہیں۔ جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ امیر یزیدؒ کے ہیں کہ نہیں البتہ باغیان مدینہ کی تنبیہہ کے لئے جو قطعہ اشعار ناظرین کتب ابتدائی اوراق میں ملاحظہ کر چکے وہ نیز حضرت معاویہؓ کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے یقیناً ان ہی کا ہے۔ بلاذری نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ذیل میں مع ترجمہ کے درج ہیں:۔

امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:۔

وساعٍ يجمعُ الاموالَ جمعًا ليورثها اعاديه شقاءً

کتنے کوشش کرنے والے مال جمع کرتے رہے
تاکہ اس کا وارث بدبختی سے اپنے دشمنوں کو بنا دیں

وكم ساعٍ ليثرى لم ينلهُ وآخرُ ما سعى نال الثراءَ

اور کتنے اس کی کوشش کرنے والے کہ بہت مال پیدا کر لیں ناکام رہے۔
دوسرا (جس نے کچھ کوشش نہیں کی مال کثیر پا گیا۔

ومن يستعتب الحدثان يومًا يكن ذاك العتابُ له عناءً

اور جس نے کسی دن (بھی) حوادث زمانہ سے آزردگی حاصل کی۔
اس کے لئے اس کا یہ عتاب ایک مصیبت بن کر رہے گا۔

لَشَرُّ الناسِ عبدٌ وابنُ عبدٍ وآلَمُ من مشى مولى الموالي

بدترین انسان غلام ہے اور غلام زادہ
اور سب سے زیادہ دکھ محسوس کرنے والا آزاد کردہ غلاموں کا سابق آقا ہے۔

اعص العواذلَ وارمِ الليلَ عن عُرُضٍ بذي سبيبٍ يقاسي ليلهُ خببا

ملامت کرنے والوں کی بات نہ مان اور ایسے گھوڑے پر رات گذار دے
جو گردن پر لمبے بال رکھتا ہے اور رات کی تکلیفیں دُلکی چال کے ذریعہ جھیل لیتا ہے

أقبَّ لم تَنقُبِ البيطارُ سرّتَهُ ولهُ يدِجهُ ولم يرقم لهُ عصبا

چھریرے بدن کا گھوڑا جس کی نال کو بیطار نے نہیں کاٹا (یعنی وہ گھر میں پیدا نہیں ہوا)
اور نہ اس کی گردن پر نشتر لگایا ہے اور نہ اس کے پٹھے پر کوئی نشان لگا ہے (یعنی پرانا نہیں بالکل نیا ہے)

حتى يُموِّلُ مالًا او يقالَ فتى لاقى التي تشعبُ الفتيانَ فانشعبا

اس امید پر کہ بہت مال بٹورے یا (کم سے کم) جوانمرد کہلائے
ایک (احمق نے) اس (بیسوا شراب) سے ملاقات کی جو جوانمردوں کو ہلاک کر دیتی ہے تو (آخرکار) ہلاک ہو کر رہا۔

لا خیر عند فتی اودت مروتہ — یعطی المقادۃ من لا یحسن الجنبا

جس جوان کی مروت پژمردہ ہوگئی اس میں کچھ بھلائی نہ رہی — جو فرمان دہی کا فرض بہتر طریقے سے ادا نہیں کرسکتا اس کو دوسروں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے

کلامِ موعظت نظام

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا چند شعر کتاب انساب الاشراف بلاذری سے برسبیل تذکرہ نقل کئے گئے ہیں ورنہ دیوان یزید کے قلمی[1] اور مطبوعہ نسخوں میں نصائح و موعظت کے اچھے اچھے اشعار ملتے ہیں جن کا انتخاب دوسری کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ منظوم کلام کے علاوہ بعض مولفین نے امیر موصوف کے چند اقوال پند و نصائح کے نقل کئے ہیں ان میں سے دو ایک اقوال یہاں درج کرنا بے محل نہ ہوں گے۔ قاضی ابوبکر بن العربی[2] متوفی ۵۴۳ھ

---

[1] مثلاً خدابخش خاں لائبریری پٹنہ میں اس دیوان کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں پند و نصائح کے اچھے اشعار ہیں۔

[2] قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی المعافری ملک اندلس کے مشہور مقام اشبیلیہ کے ایک علمی گھرانے میں شعبان ۴۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور عنفوان شباب میں تحصیل علم کی دھن میں وطن سے نکلے الجیریا، مراکش، مصر، شرق اردن، بیت المقدس دمشق و حجاز و عراق (بغداد) کے نامور علماء و شیوخ فن سے اکتساب فیض کرتے رہے چند سال حجۃ الاسلام امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ کی صحبت میں رہ کر فیوض علیہ سے بہرہ ور ہوتے تقریباً بیس سال ممالک اسلامیہ کے اساطین علم و فن سے کسب فیض کرکے وطن کو لوٹے قاضی ابوبکر بن العربی آئمۃ المسلمین اور فقہائے مالکی میں سے تھے اور قاضی عیاض مولف کتاب الشفاء کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد (۳۵) ہے جو بیشتر تفسیر و حدیث و اخلاقیات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تفسیر انوار الفجر فی تفسیر القرآن جو بیس سال کی مدت میں مکمل ہوئی اسی ہزار ورق (ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات) پر محیط نوے جلدوں میں تھی اور آٹھویں صدی ہجری تک سلطان مراکش کے خزانہ میں موجود تھی۔ قاضی صاحب کی تصانیف میں سے العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابۃ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اس کتاب کا حوالہ مورخ ابن خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں

نے جو حجۃ الاسلام امام ابو حامد الغزالی کے خلیفہ اور شاگرد تھے امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد[1] کے حوالے سے امیر المومنین یزیدؒ کے ایک خطبے سے ان کا قول نقل کیا ہے۔ امیر موصوف فرماتے ہیں:-

اذا مرض احدکم مرضاً فاشفی ثم تماثل فلینظر الی افضل عمل عندہ فلیلزمہ ولینظر الی اسوأ عمل عندہ فلیدعہ (ص ۲۳۳ کتاب العواصم من القواصم)

تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پاکر صحت یاب ہونے لگے تو اسے غور کرنا چاہیئے کہ اس نے کون سا اچھا عمل کیا تھا کہ اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کون سا برا عمل اس نے کیا تھا اسے ترک کردے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے اس کلام موعظت التضام کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں جیسا کہ ضمناً پہلے ذکر ہو چکا، اس مقام پر نقل کیا ہے۔ جہاں صحابہ کے بعد

م ولایت العہد کی بحث کے سلسلے میں دیا ہے (ص ۲۱۷ مطبوعہ مصر) قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے موقف اور مشاجرات کے بارے میں وضع ہوئے۔ حضرت حسینؓ اور امیر یزیدؒ کے واقعات کے سلسلے میں حضرت حسینؓ کے اقدام کے متعلق لکھا ہے۔

ولکنہ رضی اللہ عنہ لم یقبل نصیحۃ اعلم اہل زمانہ ابن عباسؓ وعدل عن رأی شیخ الصحابۃ ابن عمر (ص ۲۳۲)

(لیکن انھوں نے اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ابن عباسؓ کی نصیحت قبول نہ کی اور شیخ صحابہ ابن عمرؓ کی رائے سے انحراف کیا)

[1] امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ اصل نسخے سے حجم میں بہت کم ہے امام موصوف کی مسند بہت کبیر الحجم ہے اور کتاب الزہد اس مسند کی ضخامت کے ایک ثلث کے تھی۔ صاحب التعجیل المنفعۃ کتاب الزہد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"فانہ کتاب کبیر یکون فی قدر ثلث المسند مع کبر المسند وفیہ من الاحادیث والآثار مالیس فی المسند شیٔ کثیر۔ (خطبہ الکتاب ص ۵)

اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات ومواعظ سے وہ اقوال نقل کیے ہیں جن کی زہد ورع میں پیروی کی جاتی ہے اس لحاظ سے قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے التقاط کر کے اس قول کو اس مقام پر نقل کیا اور ان کو طبقۂ زہاد صحابہ وتابعین میں داخل کیا "یدخله فی جملة الزهاد من الصحابة والتابعین الذین یقتدی بقولهم ویرعوی من وعظهم (ص۲۳۳ ایضاً)

امیر یزیدؒ کے کلام کا بہت قلیل حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ رہا تاہم کہیں کہیں ان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ وسیر ورجال میں مل ہی جاتے ہیں۔ بلاذری نے ایک موقع پر یہ حکیمانہ مقولہ درج کیا ہے۔ امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:

حفظ الندیم والجلیس واکرامهما من کرم الخلیفة وتضاد حق النعمة

ندیم وجلیس کا تحفظ اور اس کی عزت وتوقیر کرنا خلیفہ کے کرم اور نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

(ص۱ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

ذکر ہو چکا کہ حضرت ابو درداءؓ جیسے عالم وزاہد صحابی سے ابتدائے عمر میں مانوس تھے ان کو فقہا العلما میں کہہ کر ان کے فیض صحبت کے بارے میں یہ قول منقول ہے۔ ان ابالدرداء من الفقهاء العلماء الذین یشفون من الداء (کتاب الجرح والتعدیل الرازی)

حلم وکرم ابتدائی اوراق میں بعض ثقہ مورخین کی تحریرات کے جو اقتباسات آپ نے ملاحظہ کیے ان سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین یزیدؒ کس درجہ حلیم وکریم تھے الولد سرٌ لابیه اپنے والد محترم کی پاکیزہ سیرت سے یہ اوصاف ارثاً

۱؎ مطبوعہ نسخہ میں سے ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہے جو سرسری نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ وامیر المومنین یزیدؒ کے بارے میں جو اوراق تھے یا دیگر بنی امیہ کے متعلق وہ خارج کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی چند آثار ان کے موجودہ اوراق میں بھی کہیں نہ کہیں باقی رہ گئے ہیں۔

بھی ملے تھے اور ان کی مجلس اور صحبت میں بالالتزام رہنے سے اکتساباً بھی حاصل ہوئے تھے وکان یزید یحدث نفسه بالتزامها حضرت معاویہؓ کے حلم وکرم کے واقعات تو سب ہی نے لکھے ہیں خواہ وہ مخالف ومعاند ہوں یا موافق وآزاد نگار ایک مخالف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی انصاری کو عطیے کی جو رقم دی گئی وہ ان کی نظر میں نہ صرف قلیل تھی بلکہ ان کے شایان شان بھی نہ تھی وہ اتنے برہم ہوئے کہ اپنے بیٹے کو قسم دلا کر کہا کہ جاؤ ان درہموں کو لیجا کر معاویہؓ کے منہ پر مار دو۔ تابعدار بیٹا گیا اور حضرت معاویہؓ سے سارا حال کہہ سنایا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا تم کو اپنے باپ کا حکم اور اپنی قسم پوری کرنی چاہیئے۔ میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے لیتا ہوں مگر ذرا زور سے نہ مارنا۔ امیر یزیدؒ نے اپنے والد محترم سے عرض کی کہ اس طرح تو لوگ ہم کو بزدل اور ذلیل سمجھیں گے حضرت معاویہؓ نے فرمایا "اے فرزند عزیز! حلم وبردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سبکی مخالف رام ہوتا ہے اور معاند کی زبان گنگ۔

امیر یزیدؒ کے حالات زندگی میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے والد ماجد کے اس ارشاد پر ہمیشہ عمل کیا۔ حلم وکرم کے ساتھ مخالفین اور معترضوں سے درگذر اور معافی سے پیش آتے رہے۔ مورخ المدائنی نے لکھا ہے کہ عبد الرحمٰن بن حسان ایک مرتبہ امیر المومنین یزیدؒ کے پاس آئے۔ انھوں نے ان کے حسب توقع ان کی خاطر ومدارت نہیں کی۔ اس پر انھوں نے ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ امیر یزیدؒ کے اعیان میں سے حصین بن نمیر یا مسلم بن عقبہ نے کہا۔

اقتله فان حلم امیر المومنین معاویة جرّأ الناس علیکم فقال جفوناه وحرمناه فاستحققنا ذالك منه فبعث الیه بثلاثین الف درهم فمدحه

(ص۱ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

آپ ان کو قتل کر دیجیے کیونکہ امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے۔ (امیر المومنین یزیدؒ نے) فرمایا ہم نے ان کے ساتھ خشکی برتی تھی اور محروم رکھا تھا اسلئے (اس ہجو کے) ہم مستحق ہو گئے۔ اس کے بعد انھیں تیس ہزار درہم بھیج دیئے تو انھوں نے ان کی مدح کی۔

ایک اور واقعہ بھی مورخ ابوالحسن المدائنی سے منقول ہے کہ ایک شاعر ابن ہمام السلولی نے اپنے قصیدے میں بنی امیہ کی دشمنی میں یہ شعر بھی کہا تھا۔

حُشینا الغیظ حتّیٰ لو شربنا　　دماءَ بنی اُمیّۃَ ما ردینا

ہم پر اتنا غیظ و غضب سوار ہے کہ　　اگر بنی امیہ کا خون بھی پی جائیں تو تسکین نہ ہو

یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت خلافت کے چند دن بعد ہی کا ہے امیر المومنین نے یہ حال معلوم ہوتے ہی ابن ہمام کی حاضری کے لئے عامل بصرہ کو حکم دیا چنانچہ عامل مذکور (ابن زیاد) نے گرفتار کرکے مالک نام ایک ضامن کی ضمانت پر اس شرط سے رہا کر دیا کہ امیر المومنین کے حضور میں پیش ہو۔ شاعر حاضر ہوکر

وقدم علی یزید فعزاہ عن معاویۃ وهنّاہ بالخلافۃ واتی ابنه معاویۃ فالتجا الیه فآمنه وشفع عنه وکتب الی ابن زیاد یامرہ ان لا یتعرض له ولا صاحبه۔
(ص ۲۷ قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

(ابن ہمام امیر المومنین) یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے (حضرت) معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارکباد دی اور ان کے صاحبزادے معاویہؒ (ابن یزید بن معاویہؒ) کی خدمت میں جا کر ان سے امان طلب کی ان کی سفارش پر ان کو معاف کر دیا گیا اور ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ اب ابن ہمام سے تعرض نہ کیا جائے۔

ابن ہمام نے ۱۲ شعر کا ایک اور قصیدہ کہا جس میں ابن زیاد کو مخاطب کرکے ان واقعات اور امیر المومنین یزیدؒ کے حلم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ان کے منصب "امام و خلیفہ" سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ آخر شعر اس قصیدے کا ہے:۔

وقد شهد النّاس عند الاما　　م انّی عدوٌّ لاعدائکا

اسی وقت ثقیف قبیلے کے ایک ممتاز شخص امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حضرت معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کرنے اور خلافت کی مبارکباد دینے آئے اور عرض کیا۔

اصبحت یا امیر المومنین فارقت الخلیفة واعطیت الخلافة فاجرك الله عظیم الرزیة ورزقك الشكر

اے امیر المومنین خلیفہ مرحوم سے آپ کی جدائی ہوگئی اور خلافت آپ کو مل گئی پہلی مصیبت پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے

علی حسن العطیة (ص ۵ ایضاً)

اور دوسری نعمت پر شکر کی توفیق

ابن ہمام بھی اس وقت موجود تھے انھوں نے اس مضمون کو فی البدیہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دیا:۔

اصبر یزیدُ فقد فارقت ذا ثقةٍ　　واشکر عطاءَ الّذی بالملكِ اصفاکا

اے یزید صبر کرو کیونکہ ان سے تمھاری جدائی ہوگئی جو دین میں بہت مرتبے والے تھے　　اور اس عطیے پر شکر کرو کہ ملک (حکومت) دے کر خدا نے تمھیں برگزیدہ کیا۔

اصبحتَ لا رُزءَ فی الاقوام نعلمُه　　کما رُزئتَ ولا عُقبیٰ کعقباکا

جو مصیبت تم پر پڑی ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی قوم پر نہیں پڑی۔　　اور امید رکھتے ہیں کہ تم کو اجر بھی ایسا ملے گا جو کسی کو نہ ملے گا۔

اُعطیتَ طاعةَ اهلِ الارضِ کلّهم　　فانت ترعاهمُ والله یرعاکا

آپ کو تمام اہل زمین کی اطاعت حاصل ہوگئی۔　　تو آپ ان کی نگہبانی کرتے ہیں اور اللہ آپ کا نگہبان ہے۔

وفی معاویةَ الباقی لنا خلفٌ　　اذا نُعیتَ ولا نسمع بمنعاکا

اور آپ کے بعد معاویہ (فرزند یزیدؒ) اچھے خلف ثابت ہوں گے　　لیکن خدا کرے ہمیں آپ کی وفات کی خبر سننی پڑے۔

ان ہی اوصاف حلم و کرم و معافی و درگذر کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجو گو معاند مدّاح و ثناخواں ہوگیا۔ الغرض والد محترم کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کے سنوارنے اور خیر القرون کے بقیہ صحابہ و تابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول اور تربیت کے اثرات نے امیر یزیدؒ کی سیرت میں پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم ہمعصر مورخ بھی ان کے علم و کرم رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔ جیسا ایک رومی مورخ نے بتایا ہے کہ امیر یزیدؒ پبلک اور عوام میں کس درجہ محبوب تھے۔

یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری

یہ اس رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے فطری جذبہ کا اثر تھا کہ امیر یزیدؒ نوعمری ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتے۔ یوں تو سب ہی یتیموں کی خدمت اور خبر گیری کی جاتی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کی جناب میں اس اموی نوجوان کو جو عقیدت بدو شعور سے تھی اس کا اظہار دیگر واقعات کے علاوہ جن کا ضمناً اشارہ ہو چکا اس امر واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے خاندان بنی عدی کے یتیموں کو لاکر اپنے مکان میں رکھا۔ ان کی خبر گیری وخدمت اپنی ذات پر لازم کر لی اپنی جیب خرچ کی رقم اس کار خیر میں صرف کرتے ایک مرتبہ انھوں نے اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ بنی عدی وبنی سہم وبنی جمح کے یتامیٰ کی پرورش کے لئے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ اس درخواست پر جو گفتگو باپ بیٹے میں ہوئی علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنئے:-

فقال (معاویۃؓ) مالك ولایتام بنی عدی؟	(حضرت معاویہ نے کہا) بنی عدی کے یتیموں سے تمھیں کیا تعلق۔؟
فقال (یزید) لانهم حالفونی وانتقلوا الی داری۔	یزید نے کہا۔ انھوں نے مجھ سے حلیفی کا تعلق کر لیا ہے اور میرے گھر میں منتقل ہو گئے ہیں
فقال (معاویۃؓ) قد فعلتُ ذٰلك وقبّل وجهه	حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ سب باتیں منظور ہیں۔ پھر یزیدؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔
(ص۲۲ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)	

واضح رہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے خاندان بنی عدی کے علاوہ جن دو اور خاندانوں کے یتیموں کے وظائف کا ذکر یزیدؒ نے اپنی درخواست میں کیا تھا ان میں بنی سہم حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کا خاندان تھا۔ جس میں متعدد مہاجرین حبشہ (سابقون الاولون) بدری صحابہ ومہاجرین کے گھرانے شامل تھے جنہوں اجنادین، یمامہ اور شام کے زبردست معرکہائے جہاد میں شریک ہو کر جام شہادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی اسی طرح بنی جمح میں بھی متعدد قدیمی صحابۂ مہاجرین حبشہ خصوصاً حضرت عثمانؓ وقدامہ وعبد اللہ وسائبؓ ابنائے حضرت مظعون بن حبیبؓ جیسے صحابیوں کے گھرانے نیز حضرت ابو محذورہؓ کا گھرانا بھی تھا حضرت ابو محذورہؓ مسجد الحرام کے مؤذن تھے اور عہد نبوی کے بعد بھی یہ خدمت ان ہی کے اخلاف واحفاد میں متوارث رہی۔ یہ تینوں خاندان حلف المطیبین میں شامل تھے۔ ایسے ممتاز خاندانوں کے یتامیٰ کی خدمت کا جذبہ امیر یزیدؒ کی حساس طبیعت میں رفق ورحمدلی کے جن جذبات سے نوعمری میں پیدا ہوا تھا تقریباً ان ہی جیسے تاثرات نے زمانۂ شباب میں ان مجاہدین وشہداء وصحابہ کرام کی عظیم ترین جہادی سرگرمیوں کی

قدر وعظمت اور فداکارانہ خدمات دینی کی تاسی وپیروی کے لئے خود ان کو مجاہدانہ اقدامات کی غرض سے تیغ بکف میدان جہاد میں لا کھڑا کیا۔

حرارتِ دینیہ و خدماتِ ملیہ

امیر یزیدؒ نے جس زمانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں وہ زمانہ زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ وغیر صالح نظام کے بجائے صالح وعادلانہ نظام قائم کرنے کے جذبہ سے بھرپور نوجوان غازیان عرب کا سیل رواں یوں بیکراں تھا کہ ع

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ۱۶ مرتبہ غزوات اور جہاد کئے:-

فاغزا معاویۃ ارض الروم ست عشرۃ غزوۃ تذهب سریۃ فی الصیف ویشتوا بارض الروم۔	حضرت معاویہ نے رومی (عیسائیوں) کے علاقہ پر ۱۶ مرتبہ جہاد کئے گرمیوں اور سردیوں میں (جداگانہ) عسکری مہمیں بھیجا کرتے تھے۔
(ص۱۳۳ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)	

امیر یزیدؒ جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو زمانۂ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کئے ہوئے تھی۔ آخر کار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کریں۔

تولینی العام الصائفۃ المسلمین	اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیا جائے۔
(ص۲۲ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)	

امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کی سیاسی قوت کے استیصال کے لئے اسلامی مجاہدین کی دو افواج تیار کی تھیں سردیوں کی فوج شواتی کہلاتی تھی۔ اور گرمیوں کی "صوائف" ابتدائی اوراق میں جہاد قسطنطنیہ کا ذکر تفصیلاً آچکا ہے اس جہاد کی مہم "صوائف" کی قیادت جیوش امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے وفات پا جانے پر ان کی حسب وصیت جب فصیل قسطنطنیہ کے نیچے ان کو دفن کیا ہے

قیصر نے یہ دیکھ کر اور امیر یزیدؒ کے پاس پیغامبر بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا تھا۔

فارسل الی یزید! ماھذا الذی اریٰ؟ قال! صاحب نبینا وقد سألنا ان نقدمه فی بلادک ونحن منفذون وصیتہ وتلحق ارواحنا باللہ۔

(ص۱۳۳ ج۲ عقد الفرید مطبوعہ مصر)

قیصر روم نے یزیدؒ کے پاس (پیغام بھیجا کہ یہ کیا کر رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یزید نے جواب دیا یہ ہمارے نبی کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔ انھوں نے تمھارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں۔ (اگر تم مانع ہوئے تو ہم دفن ضرور کریں گے)، خواہ ہم کو اپنی جانیں اس میں دے دینی پڑیں۔

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر یزیدؒ کی یہ بات سنکر قیصر کے منہ جیسے ہی یہ لفظ خباثت آمیز نکلے ہیں کہ تم لوگ جب یہاں سے لوٹ کر جاؤ گے یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے (فاذا ولیت اخرجناہ الی الکلاب) میزبان اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق امیر یزیدؒ کی حمیت دینی کو قیصر کے یہ لفظ سننے اور برداشت کرنے کی تاب کہاں تھی بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف بڑھے پیچھے پیچھے غازیان عرب کا فوجی دستہ لپکا، اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہو جانا پڑا قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر امیر یزیدؒ نے لوہے کے گرز سے جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھا اس زور سے ضربیں لگائیں کہ کئی جگہ شگاف پڑ گئے۔ اغانی جیسے غالی مولف نے بھی لکھا ہے:۔

ثم کف العسکر وحمل حتی ھزم الروم فاجرھم فی المدینۃ وضرب باب القسطنطنیۃ بعمد حدید کان فی یدہ فھشمہ حتی انخرق۔

(ص۳۳ ج۱۶ اغانی)

پھر یزیدؒ نے فوج کو ادھر پھیر کر (رومیوں پر) حملہ کو لے گئے یہاں تک کہ رومیوں کو منہزم کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر لوہے کے گرز سے جو ان کے ہاتھ میں تھا ضربیں لگائیں کہ (جگہ جگہ سے) پھٹ گیا۔

باب قسطنطنیہ پر امیر یزیدؒ کے اس حملہ کی تائید مزید علامہ ابن کثیرؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے جہاں انھوں نے حضرت معاویہؓ کے زمانے خلافت میں امیر یزیدؒ کے قسطنطنیہ کے دروازے پر رومیوں سے قتال کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

وکان فی جملتھم اغزی ابنہ یزید ومعہ خلق من الصحابۃ فجاز بھم الخلیج وقاتلوا اھل القسطنطنیۃ علی بابھا۔

(ص۱۳۳ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)

اور ان غازیوں میں جنھوں نے ان کے (معاویہؓ) کے زمانے میں جہاد کئے تھے ان کے فرزند یزید بھی تھے جن کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی۔ جو خلیج پار کر کے پہنچے اور قسطنطنیہ کے دروازہ پر شہریوں سے قتال کیا۔

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزیدؒ نے قیصر روم کو للکارا اور کہا:۔

لئن بلغنی انہ نبش من قبرہ او مثل بہ لاترکت بارض العرب نصرانیا الا قتلتہ ولا کنیسۃ الا ھدمتھا۔

(ص۱۳۳ ج۲ العقد الفرید)

اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کی (ابو ایوب انصاریؓ) کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مثلہ کیا گیا تو (سن رکھو) میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا۔ زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کئے رہنے دوں گا۔

قیصر روم کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزیدؒ کے بیباکانہ حملے سے کچھ ایسا خوف دامن گیر ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے گی۔ بلکہ اس کی حفاظت ہوگی۔ راوی کا بیان ہے کہ بعد میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر پر قبہ بھی بنوا دیا تھا۔

انہ بنی علی قبرہ قبۃ ویسرج فیھا الی الیوم

اس نے (قیصر نے) ان کی (ابو ایوب انصاریؓ) قبر پر قبہ بھی بنوا دیا جہاں آج

(ص۱۳۲ ج العقد الفرید کے دن چراغ روشن ہوتا ہے)

آغانی کے غالی مؤلف نے امیر یزید رحمہ اللہ کی اس غیرت وحمیت ملیہ اور حرارت دینیہ کے متعلق کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان اور محترم صحابی کی نعش کی بے حرمتی کا خیال بھی برداشت نہ کر سکے بے خوف وخطر رومیوں کے ہجوم پر حملہ آور ہوئے یہ لغو توجیہ کی ہے کہ رومی کیمپ میں چونکہ قیصر روم اور جبلہ بن ایہم کی خوبصورت بیٹیاں موجود تھیں ان پر ہاتھ ڈالنے اور قبضہ کرنے کا جذبہ اس بیباکانہ حملے کا محرک اصلی تھا۔ اس قول کی رکاکت خود ہی عیاں ہے۔ بعض مستشرقین نے جنہیں خلفائے اسلام کی تنقیص کی حکایتیں بیان کرنے میں خاص لطف آتا ہے۔ اغانی کے حوالے سے یہ حکایتیں نقل کی ہیں۔ پروفیسر ہٹی نے بھی امیر یزید رحمہ اللہ کے بارے میں اس حکایت کو بیان کیا ہے لیکن دوسری جگہ حاشیہ پر یہ بھی فرمایا ہے کہ غانی وغیرہ کی ان روایتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے جو خلفاء کی رنگین زندگی سے متعلق ہوں۔

مورخ المسعودی نے اپنی تالیف "کتاب التنبیہ والاشراف" میں قسطنطنیہ کے محل وقوع کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ساحل سمندر سے بجانب الشامی بیس میل کا چکر کاٹ کر امیر یزید رحمہ اللہ نے اس شہر کا سب سے اول محاصرہ کیا تھا لکھا ہے کہ:-

وقد حاصر القسطنطنية في الإسلام من هذه العدوة ثلاثة امراء اباؤهم ملوك وخلفاء اولهم يزيد بن معاوية بن ابي سفيان والثاني مسلمة بن عبد الملك بن مروان والثالث هارون الرشيد بن المهدي

(ص۱۴۰ التنبیہ والاشراف المسعودی مطبوعہ لندن ۱۸۹۴ء)

اور زمانہ اسلام میں اسی ساحل بحر سے چل کر تین امیران جیوش اسلامی نے جن کے آبا ملوک وخلفاء تھے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا ان میں سب سے اول یزید رحمہ اللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے دوسرے مسلمہ رحمہ اللہ بن عبد الملک بن مروان رحمہ اللہ اور تیسرے ہارون الرشید بن المہدی تھے۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں جس کا اقتباس ابتدائی اوراق میں نقل ہو چکا ہے یہ جو لکھا ہے کہ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے (مکتوبات ج ۱) اس کی تائید برطانوی شہنشاہیت کے غیر مسلم مولف کے نیز دوسرے مولفین کے بیانات سے ہوتی ہے۔ کتاب Encyclopaedia B میں ہے کہ:-

رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا خلیفہ معاویہ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ سسلی

اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے ۶۷۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری وبحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات افریقہ سسلی اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے ملک شام سے روانہ ہوئے ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے اب تک نہیں بھیجی گئی تھی جنرل عبد الرحمن رحمہ اللہ کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولیعہد یزید بھی متعین تھے اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزکس پر قبضہ کر کے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنالیا۔ اور باسفورس کی ناکہ بندی کر دی، چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کر کے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ دنوں تک ٹالے رکھا (ص۲۱۱)

اسی طرح ایک مسلم مورخ کا بیان ہے کہ:-

ان السنة التي حاصر فيها يزيد بن معاوية القسطنطنية سنة ۵۱ للهجرة ووفق سنة ۶۷۲ مسيحية وقد جاءها يزيد برا وكان بسر بن ارطاة ماسكا البحر وقد انتشرت السفن الحربية العربية على طول ساحل بحر مرمرة وهاجم العرب القسطنطنية بين شهري ابريل وستمبر۔

جس سنہ میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ سنہ ۵۱ھ مطابق سنہ ۶۷۲ء تھا یزید رحمہ اللہ بری راستے سے پہنچے تھے اور بسر بن ارطاۃ سمندری راستہ طے کر کے عربوں کے حربی جہازات ساحل بحر مرمرہ پر پھیل گئے تھے عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔

حاضر العالم الاسلامی ص۲۱۳

م یہ بڑے پایہ کے مورخ اور امام فن تھے۔ لیکن شیعہ تھے اور غالی۔

لے غیر مسلم مولف کو مغالطہ ہوا جنرل موصوف بیڑہ جہازات کے کمانڈر تھے۔ اور امیر یزید رحمہ اللہ بری فوج کے۔

چونکہ متعدد سالوں تک یہ جہادی مہمیں بحری کمانڈروں کے علاوہ امیر یزیدؒ کی قیادت میں جاری رہیں اس لئے مورخین کے بیان کردہ سنین اور بحری جرنلوں کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ استیعاب میں بسلسلہ تذکرہ وفات حضرت ابو ایوب انصاریؓ لکھا ہے کہ

وتوفی (ابوایوبؓ) بالقسطنطنیۃ من ارض الروم سنۃ خمسین و قیل احدی وخمسین فی خلافۃ معاویۃ تحت یزید۔
(الاستیعاب ص۵ حاشیہ الاصابہ ج۱)

اور ابو ایوبؓ کا انتقال ۵۰ھ میں اور کہتے ہیں کہ ۵۱ھ میں سرزمین روم میں بزمانہ خلافت معاویہؓ ہوا تھا۔ اور وہ یزید کے زیر قیادت جہاد میں شریک تھے۔

اس ذکر میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جب یزیدؒ کو لشکر کا سردار بنایا گیا (فلما ولی معاویہ یزید علی الجیش الی قسطنطنیہ) تو کسی کے کہنے پر کہ ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا ہے حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ ہمیں اسکا کیا پرواہ کہ ایک جوان کو ہم پر مقرر کیا گیا ہے (وما علینا ان امر علینا شاب)۔ اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں حجاز کے مختلف قبائل قریش و انصار کے اکابرین کے پاس قاصد کے ذریعہ تحریریں بھیجی گئیں۔ اور خواہش کی گئی کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ قیادت یزیدؒ سے کسی فرد واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

ولم یختلف عنہ احد حتی کان فیمن خرج ابوایوب الانصاریؓ صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (العقد الفرید ج۳ ص۱۳۳) کسی ایک فرد نے بھی (امیر یزیدؒ کی قیادت سے) اختلاف نہیں کیا اور جو لوگ (اس جہاد قسطنطنیہ کے لئے) گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے۔ اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ آپؐ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا۔ جس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے ابوایوب اللہ تمھارے (جسم کی بھی) اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے صاحب کتاب الروض الانف شرح السیرۃ النبویہ لابن ہشام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی پھر اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا امیر یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کئے ہیں جو رومیوں سے فرمائے تھے جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور وعدہ کیا کہ ان صحابی رسول کی قبر کی حفاظت کریں گے۔ جہاد قسطنطنیہ کے "اول جیش من امتی" کی قیادت کے امتیاز اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیہ پیشین گوئی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی حفاظت کی انہی کے جوش ایمان، حب رسول وحب صحابہ وغیرت ملی کی بدولت پوری ہوئی اور آپ کی پیشین گوئی کا کہ یدفن عند سور القسطنطنیہ رجل صالح (العقد الفرید ج ص۱۳۳)، یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مرد صالح دفن ہوگا۔ عملاً ظہور بھی اس امیر مجاہد وجوان صالح کے تہور انا قدام سے ہوا۔ ذالك فضل الله يوتي من يشاء۔

مشہور یوروپین مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی تالیف "تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبریٰ" میں امیر یزیدؒ کے جہاد قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی شرکت اور وفات پانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس معرکۂ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کی موجودگی اور ان کی شجاعت وبسالت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی اس مورخ نے یہ بھی بالصراحت بیان کیا ہے کہ (حضرت) حسینؓ بھی قسطنطنیہ کے اس اولین جہاد میں موجود تھے۔ گبن کے الفاظ یہ ہیں:-

"حسن کے چھوٹے بھائی حسین نے اپنے والد سے جرأت و دلیری کا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ میں پایا تھا۔ اور عیسائیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں امتیازی خدمت انجام دی تھی۔"

(ص۲۸۹ تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبریٰ گبن)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر پہلا اور آخری جہاد یہی معرکۂ جہاد تھا جس میں غازیان اسلام کے جیش کی قیادت و سپہ سالاری امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور اس معرکہ کے بعد بھی ایشیائے کوچک کے متعدد معرکوں میں

انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ ارض روم کی جہادی سرگرمیوں سے جب واپس آئے حرمین شریف کا سفر اختیار کرتے اور حج و زیارت روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے تین سال متواتر امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ارض پاک میں اپنا ایک مکان بھی تعمیر کرایا تھا اور مدینہ منورہ کے ہاشمی و قریشی گھرانوں کی دو خواتین کو حبالۂ عقد میں لائے تھے۔ خلفائے اسلام میں امیر المومنین یزیدؒ ہی پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سب سے اول دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانۂ کعبہ پر چڑھایا۔

اول من کساہ (الکعبۃ المعظمۃ) الدیباج یزید بن معاویۃ۔	خانہ کعبہ پر سب سے اول جس خلیفہ نے (دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہؓ تھے)۔

(ص۲۵۱ تاریخ الکعبۃ المعظمۃ)

(ص۷۷ ترجمہ فتوح البلدان بلاذری)

(ص۱۰۵ الجامع اللطیف)

عہد اسلام میں سب سے پہلا غلاف جو یمنی کپڑے کا تھا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھایا آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں حج کیا اور غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ اور ان کے بعد عبداللہ الزبیرؓ اور دوسرے خلفاء نے۔ قوی آثار سے ثابت ہے کہ اپنے چار سالہ زمانۂ خلافت میں ہر سال بیش قیمت کپڑے کے غلاف علماء و صلحاء کی جماعت کے ہاتھ دمشق سے مکہ معظمہ بھیجتے رہے۔ خدام کعبہ و مجاوران روضۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وظائف و عطایا سے خدمت کرتے اور کوشش کرتے کہ جوار رسول کے رہنے والوں کو زیادہ سے زیادہ رقوم دی جائیں جیسا حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے عطیے کے بارے میں خود امیر موصوف کا قول سن چکے ہیں کہ ابن جعفرؓ چونکہ اپنا مال دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں ان کے دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وظیفہ و عطیہ کی بیش بہا رقم لے کر ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے پاس سے باہر آئے مال و اسباب سے لدے دو کوہانی اونٹ (بخاتی) باب یزید پر کھڑے دیکھے جو خراسان سے مال و ہدایا لے کر آئے تھے۔ ابن جعفرؓ لوٹ کر امیر موصوف کے پاس گئے اور درخواست پیش کی کہ تین بخاتی (دو کوہانی اونٹ)

مرحمت ہوں تاکہ حج و عمرہ اور سفر شام کے لئے باری باری استعمال کر سکوں۔ امیر یزیدؒ نے صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیسے اونٹ ہیں جو دروازے پر موجود ہیں صاحب کے جواب، امیر المومنین کے حکم اور ابن جعفرؓ کے ریمارک کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے۔

فقال: یا امیر المؤمنین! ھذہ اربعمائۃ بختیۃ جاءتنا من خراسان تحمل انواع الالطاف وکان علیھا انواع من الاموال کلھا۔	صاحب نے عرض کیا: اے امیر المومنین یہ چار سو دو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف اقسام کے ہدایا لیکر آئے ہیں اور ان پر وہ سب مال لدا ہوا موجود ہے۔
فقال: اصرفھا الی ابن جعفر بما علیھا۔	(امیر یزید نے) فرمایا: یہ سب اونٹ مع اس مال کے جو ان پر ہے ابن جعفرؓ کو دے دیا جائے۔
فقال عبداللہ بن جعفر یقول: تلومونني علی حسن الرأی فی ھذا یعنی یزید۔	[illegible] تے تھے کہ تم لوگ اس شخص یعنی یزیدؒ کے بارے میں کیا میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کر سکتے ہو۔

(ص۲۳۰ ج البدایہ والنہایۃ)

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی جود و سخا ضرب المثل تھی۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی تالیف کتاب المحبر میں بذیل عنوان "اجواد الاسلام" یعنی زمانہ اسلام کے سب سے زیادہ سخی اور دریا دل اشخاص کی فہرست میں خاندان رسالت (بنی ہاشم) کے جن پانچ حضرات کے نام اور ان کے جود و سخا کے حالات لکھے ہیں یعنی (۱) حضرت عبیداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب (۲) امیر المومنین عبداللہ السفاح بن علی بن عباسؓ (۳) محمد بن جعفر بن عبیداللہ بن عباسؓ (۴) طلحہ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب۔ ان میں پانچواں نام عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کا ہے۔ ان کے جود و سخا کے حالات کتاب کے چار صفحات پر محیط ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی سخاوت و دریا دلی سے زیادہ مستفید ہونے والے دیار نبی ہی کے لوگ تھے اور اسی بنا پر جیسا کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے فرمایا تھا کہ

اسی نیت سے ان کو لاکھوں روپیہ اور مال و اسباب عطا ہوتا تھا کہ یوں ان کے ذریعہ اہل مدینہ کو مل سکے۔

منصف مزاجی منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزیدؒ دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ابن کثیرؒ نے سلامہ نام ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی قرأت سے سناتی شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند عبدالرحمٰن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گذر چکا۔ اس کنیز کی امیر یزیدؒ سے بہت کچھ ثنا و صفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔

ودله على سلامة وجمالها وحسنها وفصاحتها وقال لا تصلح إلا لك يا امير المؤمنين وان تكون من سمارك ۔
(ص۲۳۴ ج۸ البدایہ والنہایہ)

اور انھیں (امیر یزیدؒ کو) سلامہ اور اس کے حسن و جمال و فصاحت کی طرف رغبت دلائی اور کہا کہ اے امیر المومنین یہ کنیز سوائے آپ کے اور کسی کے لائق نہیں خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کے لئے رکھ لیں۔

کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آ کر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہو گئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں۔ امیر یزیدؒ نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے تو کیا اب روح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی۔؟ حبًا شديدًا جرى كالروح في جسدي فهل يفرق بين الروح والجسد

امیر یزیدؒ نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

خذها يا احوص فهي لك و ۔۔۔ صلة سنية ۔
(۔۔۔ البدایۃ والنہایۃ)

اے احوص اب یہ (سلامہ) تمھاری ہے تم اسے لے لو پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔

انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضہ تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا۔

امیر یزیدؒ کے مختصر سے زمانہ خلافت کے حالات بیان کرنے میں مورخین نے بخل سے کام لیا ہے۔ تاہم ان کی انصاف پسندی و عدل گستری اور رحمدلی کے واقعات تجسس و تفحص سے مل ہی جاتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کے اکیس بیٹے اور نو بیٹیاں یہ تیس اولادیں مختلف ازواج سے تھیں۔ بڑے عبدالرحمٰن تھے جو خراسان کے والی تھے۔

امیر یزیدؒ نے ان کو اس خدمت سے سبکدوش کر کے ان کے چھوٹے بھائی مسلم بن زیاد کو جو ام ولد کے بطن سے بڑی قابلیت کے نوجوان تھے۔ ان کی جگہ متعین کیا۔ یہ بصرہ سے مع چند اعیان قبائل عرب خراسان چلے گئے۔ ان کے سوتیلے بھائی عبیداللہ کو جو اس وقت کوفے اور بصرہ کے والی تھے۔ بعض اعیان کا ان کے ساتھ جانا ناگوار تھا۔ انھوں نے روکنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ چلے گئے۔ انھوں نے ان لوگوں کے مکانات منہدم کرا دیئے۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی امیر یزیدؒ نے ان پر عتاب کیا اور حکم دیا کہ ان سب کے مکانات کو اپنے صرف اور روپیہ سے فی الفور تعمیر کرا دیں۔

فكتب اليه (عبيد الله) يزيد بن معاوية ان يبنيها بالجص والاجر والساج من ماله فبناها ۔
(ص۲۰۳ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ لیڈن ۱۸۶۰ء)

پس (امیر) یزید بن معاویہؒ نے ان کو (عبیداللہ کو) تحریراً حکم بھیجا کہ ان منہدمہ مکانات کو اینٹ چونہ اور ساگون کی لکڑی سے تعمیر کرائیں یوں انھوں نے ان کو پھر تعمیر کروایا۔

جن لوگوں پر عمال حکومت کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتی امیر المومنینؒ کی خدمت میں فریادی آتے اور فائز المرام واپس جاتے۔ مورخ المدائنی کی یہ روایت بلاذری نے لکھی ہے کہ عبدالرحمٰن بن برثن جن کے باپ کا نام فیروز حصین تھا مگر اپنی ماں ام برثن کی نسبت سے مشہور تھے۔ یتیم و لاوارث بچے کی حیثیت سے ان کی پرورش ہوئی۔ فضائل ذاتی سے بہرہ ور تھے۔

امیر عبید اللہ بن زیاد کے زمانہ میں کسی خدمت پر مامور تھے۔ انھوں نے ناراض ہوکر برطرف کر دیا اور دولاکھ روپیہ تاوان کا عائد کیا۔ فریادی بن کر امیر المومنین کے پاس آئے۔ اپنا سب حال اور دکھ درد کہہ سنایا امیر موصوف نے اسی وقت عبید اللہ کو تحریری حکم بھیجا کہ ان کے دولاکھ روپے فوراً واپس کر دیئے جائیں۔ اور کوئی تعرض نہ کیا جائے عبد الرحمٰن کا خوردسال بچہ ان کے غلام کے ہاتھ سے اتفاقاً سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے مارا گیا تھا۔ انھوں نے سزا دینے کے بجائے اسے آزاد کر دیا۔

امیر یزیدؒ کو ایسے کریم الطبع شخص کا دکھ درد دور کر دینے سے ایسی مسرت ہوئی کہ اس دن تیس غلام آزاد کر دیے۔

واعتق ذالک الیوم ثلاثین مملوکا وقال من احب ان یقیم فلیقم ومن احب ان یذھب فلیذھب۔

(اور اس دن تیس غلام (امیر یزید نے) آزاد کر دیئے۔ اور ان سے فرمایا (یعنی غلاموں سے) جو ہمارے پاس رہنا چاہے رہے اور جو جانا چاہے جائے۔

(ص۷۲ قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

لوگ کسی عامل کے متعلق شکایت کرتے اس پر لحاظ فرماتے۔ حضرت ابن زبیرؓ کا طرزِ عمل اور رویہ پوشیدہ نہ تھا لیکن انھوں نے جب عامل مکہ کی شکایت میں اہل مکہ کی جانب سے امیر المومنین کو تحریر بھیجی اس پر لحاظ کیا اور اپنے اس عامل کو تبدیل کر دیا۔ وہ تحریر یہ تھی۔

وکتب ابن الزبیر الی یزید عن اھل مکة اِنّک بعثت الینا رجلا اخرق لا یتجه لامر رُشدٍ ولا یرعوی لعظة الحلیم فلو بعثت الینا رجلاً سھل الخلیقة لیّن الکتف رجونا ان یسھل من ھذہ الامور ما استوعر وان یجمع منھا ما تفرق

اور ابن زبیرؓ نے یزید کو اہل مکہ کی جانب سے یہ خط بھیجا: تم نے کیسے ناکارہ شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے جو کسی دانش کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ اور نہ کسی حلیم کے سمجھانے کو مانتا ہے۔ اگر کسی خوش اخلاق اور متواضع شخص کو یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی مشکلات آسان

ہو جاتیں اور تفرقہ جاتا رہتا۔ اس بارے میں تمھیں غور کرنا چاہیئے کیونکہ اسی میں خواص و عوام سب کی بہتری ہے والسلام۔

فانظر فی ذالک فان فیه صلاح خواصنا وعوامنا والسلام [1]

(ص۳۰ ج۴ قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری وطبری ج ۷)

صحابہ اور اکابر امت کی سفارش کو کبھی نہ ٹالتے۔ مختار ثقفی کو سب جانتے ہیں کیا ابن الوقت اور مفسد تھا عبید اللہ بن زیادؒ نے اس کی بعض حرکتوں کی پاداش میں سو کوڑے مار کر قید میں ڈال دیا تھا۔ اس کی بہن صفیہؒ بن ابی عبیدؓ جو صالحات العابدات سے تھیں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی زوجہ تھیں ان کے کہنے سے حضرت ابن عمرؓ نے امیر یزیدؓ کو سفارشی خط لکھا امیر موصوف نے عبید اللہ کو اس کے رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فارسل ابن عمرؓ الی یزید بن معاویة یتشفع فیه فارسل یزید الی ابن زیاد فاطلقه وسیرہ الی الحجاز۔

ابن عمرؓ نے یزید بن معاویہؓ کو اس کی مختار کی سفارش میں تحریر بھیجی (امیر یزیدؒ) نے ابن زیاد کو تحریراً حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں اور حجاز کو بھیج دیں۔ [2]

(ص۳۳ ج۸ البدایة والنہایة وص۸۵ انساب الاشراف بلاذری)

ایسا ہی واقعہ عبد اللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمیؒ کا ہے ان کو بھی مختار ثقفی کے ساتھ ابن زیاد نے قید کر دیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت ابوسفیانؓ کی

---

[1] عبد اللہ بن الزبیرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی زندگی تک خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور اگرچہ بیعت نہیں کی تھی لیکن وہ انھیں خلیفہ بالفعل یقیناً سمجھتے تھے کہ امامت کی امامت انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی لئے امیر مکہ کے عزل کی نسبت انھیں درخواست بھیجی۔

[2] مختار ثقفی اور اس کی تحریک سے کسی ہاشمی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ مختار نے اس وقت تک عملاً کوئی حرکت کی تھی اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کی سفارش کی اور امیر المومنین نے سنی یہ لوگ تو بے نقاب بہت بعد میں ہوئے لیکن داد دینی چاہیئے امیر عبید اللہ بن زیاد کو کہ انھوں نے مختار ثقفی کو اسی وقت تاڑ لیا تھا۔ کاش یہ شخص وہیں!

دختر اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ ان کی رہائی کی سفارشیں بھی امیر یزیدؒ نے قبول کر کے ابن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فوجہ یزید رسولا وکتب معہ الی ابن زیاد بتخلیۃ سبیلہ و کتب الرسول منشورا فانطلق الرسول الی عبید اللہ فاخرجہ وکان مع المختار فی محبس واحد حین حبس ابن زیاد المختار۔

(امیر) یزید نے ایک پیغامبر کے ذریعہ تحریری حکم ابن زیاد کو بھیجا کہ ان کو رہا کردیں اور پیغامبر کے لئے بھی فرمان لکھا وہ عبید اللہ کے پاس پہنچا اور ان کو قید خانے سے کہ مختار کے ساتھ ایک ہی قید خانے میں قید تھے نکلا لا کیونکہ ابن زیاد نے جب مختار کو قید کیا تھا ان کو بھی اس کے ساتھ محبوس کیا تھا۔

(ص۸۶ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

عبد اللہ بن الحارث کا لقب ببہ تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں قیدیوں نے قید سے چھوٹنے کے کچھ عرصے بعد سیاسی جھگڑوں میں اسی عبید اللہ کے خلاف نمایاں حصہ لیا تھا۔ ببہ کی حرکت سیاسی تھی۔ لیکن مختار کی دینی۔ یہ شخص سبائیہ کے پھندے میں پھنس کر دین محمدی سے روگردان ہو چکا تھا۔

امیر یزیدؒ کی رحم دلی اور کرم نوازی سے دور و نزدیک کے سب ہی لوگ واقف تھے آفت رسیدہ پناہ لینے بے دھڑک آجاتے بالخصوص شعراء المدی نے فضالہ ابن شریک شاعر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی قریشی ذی حیثیت شخص کی ہجو کہہ ڈالی۔ جان کا خوف لاحق ہوا تو امیر یزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کے مدحیہ اشعار پڑھے۔ دو شعر یہ تھے۔

اذا ما قریشٌ فاخرتْ بطریفہا — فخرتَ بمجدٍ یا یزیدُ تلید

قریش جب اپنے آبا و اجداد پر فخر کرنے لگیں — تو اے یزید تم جو ابا عنجدٌ بزرگی رکھتے ہو اپنی بزرگی پر فخر کرو۔

بمجدِ امیر المؤمنین ولم یزل — ابوک امین اللہ جدٌّ رشید

امیر المؤمنین ہونے کی بزرگی پر اور اس بات پر — کہ تمہارے والد اللہ کے امین تھے (بوجہ

ختم کر دیا جاتا تو امت اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتی۔

کاتب وحی ہونے کے) اور تمہارے دادا تھا نڈر اتشند۔

امیر یزیدؒ نے اس قریشی کو جن کا نام حاشم بن عمر تھا تحریراً مطلع کیا کہ فضالہ شاعر کو ہم نے اپنے جوار پناہ میں لے لیا ہے۔ تم اسے ہمارے لئے معاف کر دو پھر اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ (ص۱۵ ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری)

سیرت یزیدؒ پر آزاد و بے باگ رائیں

سیرت یزیدؒ کے بارے میں غیر مسلم مورخین و محققین کی رائیں ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ رائیں ہو سکتی ہیں۔ ان غیر مسلم مورخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنے بیجا نہ ہوں گے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں۔

یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا۔ اور نہ ایسا لاابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مورخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے تاثر پذیر ہیں یا عراق و حجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے یا پھر اس کی بہت ہی مختصر سی مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے (اپنے والد) معاویہؓ کی پالیسی و طریقہ کار کے بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا۔ موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔

مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاؤنی "جند قنسرین" قائم کر کے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی۔ اور انتظامی نظام کو مکمل کر دیا۔ مالیات کی از سر نو تنظیم کی نجرانی عیسائیوں[1] کے جزیہ کی

---

[1] نجران کے عیسائیوں نے جب اپنے وطن یمن میں خفیہ آلات حرب اور گھوڑے جمع کرنے شروع کئے تھے ان کے مفسدانہ و باغیانہ عزائم کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلا وطن کر کے عراق کے علاقہ میں بسا دیا تھا اور دو سال کا جزیہ بھی اس نقل مکانی کی وجہ سے معاف

شرح کو جو خلیفہ عمرؓ کے عہد میں ملک عرب سے حکمانہ طور سے خارج البلد کئے گئے ہلکا کر دیا برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ میں بصلہ خدمات جو یہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، جزیہ عاید کر دیا۔

یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی، دمشق کے نخلستانی علاقہ غوطہ میں آبپاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جو اس کے نام سے "نہر یزید" کہلاتی ہے۔ اور مضافات سلیحیہ کی اس سے آبپاشی ہوتی ہے خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو "مہندس" (نہروں کا ریز کا ماہر وانجینئر) کا لقب دیا گیا تھا۔

سیرت یزید کے پیش یا افتادہ تصویر کشی کے قطعاً خلاف مؤلف Continuatica by Zantine Arabiaa اپنی تالیف میں یہ تصویر پیش کرتا ہے:۔

"یزید حد درجہ متواضع وحلیم سنجیدہ ومتین۔ خود بینی وتکبر سے مبرا، اپنی زیر دست رعایا کا محبوب۔ تزک وحشام شاہی سے متنفر معمولی شہریوں کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے والا۔ اور مہذب تھا۔"

ولہازن مورخ کا قول ہے کہ "کسی بھی خلیفہ کی مدح وثنا اس طور سے نہیں ہوئی۔ یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں۔"

(صفحہ ۱۱۶۳ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

ایک اور بلند پایہ محقق انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار دے خوئے امیر یزیدؒ کی سیرت کے بارے میں رومی مورخ کے مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد جن میں امیر موصوف کو طبعاً سنجیدہ ونرم خو ومہذب بتایا گیا ہے لکھتے ہیں۔

لہ دیا تھا۔ امیر یزیدؒ کے زمانہ میں چونکہ ان کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی اور ان کی صنعت بھی ماند بھی پڑ گئی تھی۔ اس لئے ان کی درخواست پر از روئے انصاف جزیہ کی تعداد کو ہلکا کر دیا گیا۔

سلہ نہر یزید کا تفصیلی حال آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو۔ سلہ علامہ ابن کثیرؒ نے بھی تقریباً یہی الفاظ لکھے تھے

اس قول کی تصدیق اس امر واقعہ سے ہوتی ہے کہ معاویہ ثانی (فرزند یزیدؒ) کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اپنے والد کی طرح نرم خو حکمران تھا۔ یزیدؒ کے مخالفین نے بغض وتعصب سے ان کے بارے میں جو بیان کیا ہے پھر روایتوں سے اور بھی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں۔ اس کی بہت کچھ تردید (رومی مورخ کے) اس بیان سے ہو جاتی ہے۔ شراب نوشی ہونے کے اتہام کے خلاف تو خود یزید نے اس وقت جب ابن زبیر کے مقابلے میں فوجی دستہ بھیج رہا تھا اپنے اشعار میں احتجاج کیا تھا۔ اس بارے میں فیصلہ کن شہادت تو ابن الحنفیہؒ (برادر حسینؓ) کی ہے جنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اہل مدینہ نے جو الزامات (یزید کی شراب نوشی وغیرہ کے) لگائے ہیں وہ سب جھوٹ ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یزیدؒ شکار کے شوقین تھے مگر وہ امن پسند وصلح جو اور فیاض وفراخ دل شہزادہ ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن)

ان غیر مسلم محققین کے علاوہ علامہ ابن کثیرؒ نے سیرت یزیدؒ کے بارے میں جو فقرات لکھے ہیں وہ آپ ابتدائی اوراق میں پڑھ چکے ان سے ان بیانات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ یزیدؒ کی ذات میں حلم وکرم فصاحت وشجاعت کی عمدہ صفات تھیں۔ اور ملک داری کے بارے میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ سنجیدگی اور متانت وتہذیب کے بارے میں رومی مورخ کی تصدیق انساب الاشراف بلاذری کی مندرجہ بالا ایک روایت سے ہوتی ہے۔ جو قدیم مورخ المدائنی کی سند سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ عطاء بن ابی صیفی الثقفی امیر المومنین یزیدؒ کی محفل میں آئے۔ وہاں عمرو بن عبد عمرو بھی موجود تھے ان دونوں میں خاندانی رقابت کے تحت گفتگو چھڑ گئی۔ طرفین سے فصاحت وبلاغت کے موتی لٹائے گئے۔ جن کا ترجمہ کرنا مضمون کی حلاوت کو ضائع کر دینا ہے۔ ان حضرات کی گفتگو سن کر امیر یزیدؒ نے فرمایا۔

عنکما نقد احسنتما وما قلتما فحشا	بس بس آپ لوگوں نے خوب کہا اور پھر یہ کہ کوئی فحش بات بھی نہیں کہی۔
(ص۹ ج ۴ انساب الاشراف)	

(ص۹ ج ۴ انساب الاشراف)

گویا مہذب اور دین دار مسلمان کی طرح امیر یزیدؒ کو فحش کلامی سے بھی نفرت تھی اور فحش و شنیعہ افعال سے بھی۔ ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں دیتے۔ المدائنی کی ایک اور روایت بھی بلاذری نے لکھی ہے کہ خالد نام کسی ذی حیثیت شخص نے اپنے غلام سے لواطت کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا۔ امیر المومنین نے سزا کو کوڑے لگوائے اور حد جاری کی۔ المدائنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال المدائنی:۔ لاط خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث بغلام لہٗ فی امتہ فشھد علیہ امراعان من موالیہ امراتا ھما وغلام لم یحتلم فحدّہٗ یزید فکان ما تقالہٗ

اور مدائنی کہتے ہیں کہ خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث نے ایک غلام سے لواطت کا فعل کیا اس کے موالی میں سے دو مردوں اور انکی دو عورتوں نے گواہی دی۔ غلام بالغ نہیں ہوا تھا۔ پس (امیر) یزیدؒ نے اس فعل کے ارتکاب پر حد جاری کی اور وہ اس سے سخت نفرت کرنے لگے۔

(صنا ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سادہ زندگی

امیر یزیدؒ کا زمانہ قرن اول کا وسطی زمانہ تھا۔ یعنی صحابہ کرام کے ان پاکیزہ نفوس کا زمانہ مبارک جنھوں نے مشکوۃ نبوت سے براہ راست نور اخذ کرکے اپنے قلوب کو مجلّی و مصفّٰی و مزکّٰی کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان بزرگواروں کے حالات زندگی سے واضح ہے کہ باوجود دولت و ثروت کی بہتات اور فراوانی کے جو اس زمانہ میں غنائم و فتوحات سے ہر فرد ملت کو حاصل تھی یہ حضرات اکثر و بیشتر حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے خود دمشق میں ایسے متعدد صحابہ موجود تھے۔ خصوصاً ابو درداؓ جو وہاں کے عہدہ قضا پر عرصہ تک مامور رہے۔ ان کی صحبت و مجالست اپنے ابتدائی ایام میں امیر یزیدؒ کو میسر ہوئی تھی۔ ان حضرات کو نہ عیش و تنعم دنیاوی کی کبھی پروا ہوئی نہ خواہش۔ خود امیر المومنین معاویہؓ کے پاس عظیم مملکت کے اطراف و اکناف سے محاصل و غنائم کا کثیر المقدار زر و مال آتا۔ قومی و ملی تعمیری کاموں کے مصارف کے علاوہ لاکھوں روپیہ دوسروں کو بالخصوص بنو ہاشم کو دریا دلی سے دیتے۔ مگر اپنی ذات یا خانگی ضروریات پر واجبی سا خرچ کرتے اکثر پرانا اور بوسیدہ کپڑے

پہنے رہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں یہ روایت بسند صحیح درج کی ہے

رایتُ معاویۃ علی المنبر دمشق یخطب النّاس وعلیہ ثوب مرقوع

میں نے (حضرت) معاویہؓ کو جامع (دمشق) میں لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا۔ ان کے جسم پر اس وقت پھٹا لباس تھا۔

(ص۱۷۲ کتاب الزھد طبع مکہ)

امام اوزاعیؒ کے شیوخ میں حضرت یونس بن میسرہ الحمیریؒ ہیں جو زاہد وقت تھے وہ اپنا چشم دید واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

رایتُ معاویۃ فی سوق دمشق وھو مردف وراءہ وصیفا وعلیہ قمیص مرقوع الجیب۔

میں نے (حضرت) معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار جاتے دیکھا ان کے پیچھے خادم بیٹھا تھا اور وہ اس وقت ایسی قمیص پہنے بیٹھے تھے جس کا گریبان پھٹا ہوا تھا۔

(ص۱۳۵ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)

ایسے پاک نفس اور شفیق باپ کے ظل عاطفت میں جس ذہین و فطین فرزند نے شعور کی آنکھیں کھولی ہوں جسے زاہدین اور صفواۃ الصالحین کی مجالست اور تربیت کی برکات سے متمتع ہونے کے مواقع حاصل ہوئے ہوں۔ اس نے بھی ساری زندگی ایسی سادہ اور بے تکلف گزار دی کہ ہمعصر مورخ کو واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرنا پڑا کہ امیر یزیدؒ شان و شوکت سے متنفر عام شہریوں کی طرح معمولی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی سیرت طیبہ کے بارے میں باوجود وضّاعین کی تہمت تراشیوں کے شواہد ایسے موجود ہیں کہ ایک حق پسند اور منصف مزاج شیعہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب العواصم من القواصم کے مرتب محب الدین الخطیب نے حاشیہ کتاب پر اپنے ایام طالب علمی کا یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ترکی خلیفہ امیر المومنین سلطان عبد الحمید خان ثانیؒ کے زمانہ خلافت میں ہم لوگ دار العلوم قسطنطنیہ میں تحصیل علم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجلس طلبہ میں "سیرت و خلافت معاویہؓ" موضوع بحث تھا میرے ایک ہمدرس نے جو مسلکاً شیعہ تھے اس بحث میں حصہ لیا۔ اور اپنی تقریر کے دوران باعلان کہا کہ یزید بن معاویہؓ پاک سیرت خلیفہ تھے خطیب موصوف لکھتے ہیں:۔

وقف صدیقی الشھید المسحیل عبد الکریم قاسم الخلیل

پھر میرے دوست شہید عبد الکریم قاسم الخلیل جو مسلکاً شیعہ تھے (تقریر کرنے

وكان شيعيا۔ فقال: انتم تسمون سلطاننا خليفة وانا اخوكم الشيعي اعلن ان يزيد بن معاوية كان بسيرته الطيبة احق بالخلافة واصدق عملا بالشرع المحمدي من خليفتنا فكيف بابيه معاوية۔
(متن حاشیہ کتاب العواصم من القواصم مطبوعہ قاہرہ باہتمام لجنۃ الشباب المسلم)

کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہؓ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے۔ تو پھر کہاں ان کے والد (معاویہؓ) کا درجہ اور منزلت۔

نہر یزید بلیہ

متقدمین نے دنیا کی جنتوں "جنان الارض" کے یہ چار مقامات بتائے ہیں غوطہ دمشق۔ صغد سمرقند، شعب بوان اور جزیرہ الابلہ۔ مگر ان سب میں فوقیت دمشق کو حاصل ہے۔ خود یاقوت حموی جنھوں نے یہ چاروں مقامات دیکھے تھے۔ دمشق ہی کو فوقیت دیتے تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے شکوۂ ہند میں ہندوستان جنت نشان سے خطاب کرتے ہوئے یہ چاروں نام اپنے اس شعر کے مصرعۂ آخر میں لیے ہیں:-

تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیئے دل سے بھلا
شعب بوان و سمرقند و دمشق و اصفہان

عرب شعراء نے صدہا اشعار دمشق کی تعریف و توصیف میں کہے ہیں اور اس کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی چند شعر نقل کیے ہیں ان میں یہ تین شعر سنئے:-

ان تكن جنة خلد بالارض — فدمشق ولا تكون سواها
اگر خلد بریں زمین پر ہے تو — وہ دمشق ہے اور اس کے سوائے کوئی نہیں
او تكن في السماء فهي عليها — قد ابدت هواءها وهواها
اور اگر بہشت آسمان پر ہے تو وہ روئے دمشق ہی پر ہے — کیونکہ اس کی ہوائیں اور خواہشات آسمان کی مرید ہیں

بلدة طيبة ورب غفور — فاغتنمها سیـ ـها
(دمشق) پاکیزہ شہر ہے جنت کی نعمتیں اس میں ہیں۔ اور وہ رب غفور ہے۔ — تو غنیمت جان وقت کو اور بعیش کوش (کہ عالم دوبارہ نیست)

اس عروس البلاد دمشق کی حسن و خوبی، سرسبزی و شادابی اس کی دل آویز فضاؤں کی نزہت و فرحت اس کی نہروں کی مشاطگی کی بنا پر ہے جس میں "نہر یزید" کا خاص حصہ ہے۔ یہ نہر امیر المؤمنین یزیدؒ نے اپنے چار سالہ عہد خلافت میں خاص اپنے انتظام اور ذاتی نگرانی میں کھدوائی تھی۔ اس کو جبل قاسیون کے پہاڑی اور پتھریلی زمین سے کاٹ کر اس خوبی کے ساتھ لایا گیا۔ اور آب روانی کے اصولوں اور آب گذاری کے ضوابط کے پیمانے پر اس طور سے عملاً برتا گیا کہ تیرہ سو برس کی طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی "نہر یزید" کی برکات آج تک بدستور جاری ہیں۔ اصطخری و ابن حوقل وغیرہ نے "نہر یزید" کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بڑی نہر ہے، قد آدم پانی بہتا ہے۔ بڑے علاقہ کو سیراب کرتی ہے نهر عظيم اجراه يزيد بن معاوية ليجري في حيه" ابن حوقل نے کہا ہے کہ اسی مخرج سے نہر المزۃ اور نہر ثقافۃ بھی نکلتی ہیں۔ مگر وہ علاقہ جہاں "نہر یزید" بہتی ہے جو اب بہترین اور شاداب علاقہ ہے۔ پہلے خشک پڑا تھا امیر یزیدؒ نے اپنے پاس سے لاکھوں روپیہ صرف کرکے اس کو گلزار بنا دیا اور اپنی فنی قابلیت کی ایسی ان مٹ یادگار چھوڑی کہ آج تک نہ صرف اس علاقہ صلیحیہ و غوطہ کی آبپاشی ہوتی ہے بلکہ اس کا آب شیریں گھر گھر پہنچتا ہے۔ پروفیسر حتی دمشق کے ذریعہ و طریقہ آب رسانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"بنی امیہ کی لازوال ناموری اور ستائش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے دمشق کی آب رسانی کا ایک ایسا سسٹم قائم کیا جو ان کے ہمعصر مشرقی ممالک میں تو سب پر فائق تھا ہی مگر آج تک بدستور کام دے رہا ہے۔ "نہر ثورا" کے نام سے ایک نہر موسوم ہے اور یہ "نہر یزید" وہ ہے جو حضرت معاویہؓ کے اس فرزند نے اس غرض سے بردہ سے نکالی یا اغلباً اس کی توسیع کرائی تھی کہ اراضی غوطہ کی آبپاشی کو مکمل کر دیا جائے۔ مضافات دمشق کے سرسبز نخلستان غوطہ اور اس کے شاداب باغات اور چمنستانوں کے وجود کا دار و مدار بردہ کے پانی سے ہے

نہر یزید کے علاوہ چار اور شاخیں اور ر جبھی بردہ سے پھوٹ کر تمام آبادی میں سرسبزی اور شادابی پھیلاتی ہیں۔

(ہسٹری آف دی عربس ص۲۳۱)

مسٹر جسٹس امیر علی نے "دمشق میں آب رسانی" کی ذیلی سرخی سے لکھا ہے کہ:-

"دمشق میں آب رسانی انتظام ایسا ہے کہ مشرقی ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جاسکا۔ اور یہ بنی امیہ کے حکمرانوں کی ان مٹ یادگار ہے۔ یونانی براده کو "کریسور دہاس" کہتے تھے۔ اور ان کے قدیم شہر میں پانی (آب تیز رین) اس سے کافی مقدار میں پہنچتا تھا۔ لیکن آب رسانی کے ایسے ذرائع اور سسٹم کو اس حد تک ترقی دے دینا کہ آج کے دن تک بھی کم حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر بھی فوارہ موجود ہو بلاشک و شبہ خاندان بنو امیہ کے سلاطین کا رہین منت ہے"

ہسٹری آف سیرسینز ص۱۹۳

مسٹر جسٹس امیر علی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دمشق کی آبرسانی کے سسٹم کو بنی امیہ کے "حکمرانوں" اور سلاطین کی ان مٹ یادگار تو فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ شہر میں سات نہروں اور بے شمار نالیوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ ہر گھر میں پانی پہنچتا ہے مگر اپنے اسی مسلک کے اعتبار سے "نہر یزید" کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے ان کے ہمعقیدہ "نہر یزید" کے پانی کے استعمال سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ (ج۲) کے آخری صفحات میں اس فرقے کی بہت سی حماقتیں گنائی ہیں اور لکھا ہے کہ وہ کس طرح "نہر یزید" سے پانی نہیں پیتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی کھودی ہوئی باولیوں اور نہروں سے پانی پیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ شامی توت نہیں کھاتے حالانکہ آں حضرتؐ کافروں کے ملکوں سے آئی ہوئی پنیر اور دوسری چیزیں استعمال کرتے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں کا بنا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ یہ لوگ بنی امیہ کے تعمیر کردہ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے حالانکہ آنحضرتؐ نے مشرکین کے بنائے ہوئے کعبے میں بارہا نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح یہ لوگ دس کا لفظ زبان پر نہیں لاتے کہ عشرہ مبشرہ کی یاد دلاتا ہے۔ "نہر یزید" کا نام مؤلف موصوف کی زبان قلم پر شاید اسی بنا پر

نہ آیا ہو لیکن یہ نام تو زبان زد خاص و عام ہے۔ شعراء کے اشعار میں اس کا ذکر آتا ہے۔ نہر بردی، نہر ثورا اور نہر یزید کے نام ابو عبداللہ محمد بن محمد الاصفہانی نے دیکھئے کس صنعت گری سے اپنے اشعار میں کھپائے ہیں۔ کہتے ہیں:-

یزید شوقی ولیمو کما — یزید یزید و ثورا یثور

ومن بردی برد قلبی للشرق — فها انا من ہ مستجیر

بعض آزاد نگار مورخین نے امیر یزیدؒ کی اس ان مٹ یادگار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو خلیفہ رفاہ عام کے کاموں میں ایسی دلچسپی لیتا ہو۔ مہینوں اور برسوں تک ایک ایک چپہ زمین کی پیمائش کر کے فن ہندسی سے آب گذاری کے موانعات پر غلبہ حاصل کر لیتا ہو۔ اور اس اٹھارہ بیس میل کے وسیع علاقے پر نظر ڈال کر جہاں پانی کم یاب تھا نہر بہا کر سرسبز مرغزاروں میں تبدیل کر دیتا ہو (ص۲۴ لامن) اس پر یہ اتہام کہ کتوں بندروں سے کھیلتا تھا اور شراب میں مدہوش پڑا رہتا تھا کوئی لایعقل اور دون فطرت ہی عائد کر سکتا ہے

جوالیقی نے المھندس کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مہندس اس شخص کو کہتے ہیں جو نہر و کاریز کے دھاروں کے بہاؤ اور روانی آب کے لئے حساب لگانے اور پیمائش کرنے کا فن جانتا ہو۔ المهندس الذی یقدر مجاری القنی (نعت جوالیقی) اور جب اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس پہاڑی علاقہ سے یعنی جبل قاسیون سے یہ نہر نکالی گئی۔ اس میں بہت سے غار ہیں۔ جن میں ایک نہ ایک پیغمبر اور نبی کے آثار بتائے جاتے ہیں چنانچہ ایک غار کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کچھ عرصہ رہے تھے۔ پھر اسی پہاڑ پر کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ نے قرار پکڑا تھا۔ اس مقام کا نام ربوہ ہے جس کے معنی قطعہ مرتفع کے ہیں آیہ کریمہ وآوینٰھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین کی تفسیر میں ابن جبیر نے اسی مقام کا اپنے سفرنامے میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ نے اسی بلند جگہ قرار پکڑا۔ جہاں آب شیریں کا چشمہ ہے۔ سایہ دار درخت چاروں طرف جھوم رہے ہیں معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ اسی مقام ربوہ پر جس کے پاس سے نہر یزید نکالی گئی حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تھی اسی مقام کا ذکر قرآن شریف میں ہے وآوینٰھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین یہاں عالی شان مسجد واقع ہے اور دوسری چھوٹی مسجد کہف ہے (معجم البلدان ص۵۲ ج۲) اسی مقام کے قریب سے نہر یزید

کس خوبی سے نکالی گئی ہے۔ جو آج تک اس کے نزدیک بہتی ہے۔ اور ان مقدس یادگاروں کی نزہت اور فضا میں دلآویزی پیدا کرتی ہے۔ اور غوطہ و دمشق کے حسن و خوبی کو دوبالا کرکے شاعروں سے کہلواتی ہے ؎

اما دمشق فجنۃ ۔۔۔ ینسی بہا الوطن الغریب
(دمشق تو جنت ہے (ایسے مقام کو چھوڑ کر اور کہاں جائے) ۔۔۔ اس لئے مسافر اس جگہ آکر اپنے وطن کو بھول جاتا ہے۔

للہ ایام السبوت ۔۔۔ بہا ومنظرہا العجیب
ایام سبت میں (بخدا غوطہ جاکر) ۔۔۔ اس کے مناظر عجیب (خوشنما معلوم) ہوتے ہیں۔

انظر بعینک ہل تری ۔۔۔ الا محبا او حبیب
ذرا آنکھ کھول کر دیکھو ۔۔۔ سوائے محب اور حبیب کے اور کوئی نظر نہ آئے گا۔

واعدت ازاہر روضۃ ۔۔۔ تختال فی فروج طیب
اس چمنستان کی کلیاں فرحت کے انبساط کے ساتھ کھلتی ہیں ۔۔۔ ہوا کے جھونکے سبزہ زار میں تموج پیدا کرتے ہیں۔

خلیفہ اور منصب خلافت

خلافت و امارت و امامت یہ سب اصطلاحی عنادین ہیں ملت کے امور داخلی و خارجی کی انجام دہی کا اختیار اور قدرت جس فرد ملت کو حاصل ہوا سے خلیفہ و امیر و امام کہا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے خواہ ایک یا چند افراد اس کی بیعت اطاعت سے منکر یا اس کی اہلیت پر معترض ہوں وہ خلیفہ و امیر المومنین و امام المسلمین ہی مانا اور کہلایا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس مبحث پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہ حضرت ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مکہ معظمہ میں محاذ قائم کرلیا تھا۔ اور امیر موصوف کی وفات کے بعد اپنی خلافت کی بیعت بھی لے لی تھی، فرمایا ہے کہ ان واقعات کے باوجود امیر یزیدؒ اسی طرح جائز خلیفہ اور امام المسلمین تھے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کی بیعت سے ایک بڑی جماعت نے انکار کیا تھا اور تمام بلاد المسلمین پر تسلط و اقتدار ان کا قائم نہ ہو سکا تھا۔ بایں ہمہ وہ

امام المسلمین تھے۔ اسی طرح یزیدؒ بھی تھے امیر المومنین عبد الملکؒ و دیگر خلفا بنی امیہ کی مثال دیتے ہوئے کہ جمیع اسلامی ممالک ان کے زیر اقتدار تھے شیخ الاسلام موصوف فرماتے ہیں:۔

وکذالک الخلفاء الثلاثۃ ومعویۃ تولوا علی جمیع بلاد المسلمین وعلی رضی اللہ عنہ لم یتول علی جمیع بلاد المسلمین فیکون الواحد من ہولاء اماما بمعنی انہ کان سلطان ومعہ السیف یولی ویعزل ویعطی ویحرم ویحکم وینفذ ویقیم الحد ویجاہد الکفار ویقسم الاموال امر مشہور ومتواتر لا یمکن جحدہ وہذا معنی کونہ اماما خلیفۃ وسلطانا کما ان امام الصلاۃ ہو الذی یصلی بالناس فاذا رأینا رجلا یصلی بالناس کان القول بانہ امام امرا مشہودا محسوسا لا تمکن المکابرۃ فیہ واما کونہ برا او فاجرا او مطیعا او عاصیا فذلک امر آخر فاہل السنۃ اذا اعتقدوا امامۃ الواحد من ہولاء یزید او عبد الملک او المنصور وغیرہم کان بہذا الاعتبار ومن نازع فی ہذا فہو شبیہ بمن۔

اور اسی طرح تینوں خلفا (یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) اور معاویہؓ مسلمانوں کے سب ملکوں پر حکمران رہے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے سب ممالک پر حکمرانی نہیں کی پس ان میں سے ہر ایک (یعنی یزیدؒ اور اموی خلفا جن کا ذکر اوپر کیا ہے) اسی معنی و اعتبار سے امام تھے کہ ان کو اقتدار حاصل تھا۔ اور قوتِ عسکریہ اس کے پاس تھی وہ ہی عزل و نصب کرتا تھا۔ اور کفار سے جہاد کرتا تھا اور اموال کی تقسیم کرتا تھا۔ یہ باتیں عیاں اور متواتر ہیں اور ان کا انکار ممکن نہیں۔ اس معنی و اعتبار سے وہ (یعنی امیر یزیدؒ) امام اور خلیفہ اور سلطان تھے۔ یعنی جیسے مثلاً امام نماز کا جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ قول کہ وہ امام ہے عیاں اور بین ہے جس میں کسی حجت و تکرار کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات کہ وہ نیک کردار ہے یا فاجر ہے پرہیزگار ہے یا گنہگار امر دیگر ہے۔ پس اہل سنت جو یزیدؒ کو یا عبد الملکؒ کو یا المنصورؒ ان کے علاوہ دوسرے خلفا کی امامت کے

نازع فی ولایۃ ابی بکرؓ و عمرؓ وعثمانؓ وملک کسریٰ وقیصر والنجاشی وغیرھم من الملوک۔
(ص۲۷۳ ج۲ منہاج السنۃ)

معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہیں اور جو کوئی اس بارے میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی (حضرت) ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی (خلافت) کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں میں سے کسریٰ وقیصر ونجاشی کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے۔

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلہ میں یہ گفتگو اس بحث پر یوں ضروری ہوئی کہ صدیوں سے جو پروپگنڈہ سیاسی مناقشات کی بنا پر بنی امیہ اور خاص طور سے امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف ہوتا رہا۔ اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک طبقہ ان کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے سے ہی منکر ہوا۔

خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مندرجہ بالا ریمارک تاریخی حقائق پر مبنی ہے اور تاریخ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ تاریخ کی کھلی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین خلافتیں متفق علیہ طور سے گزریں۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت سے حضرت علیؓ کے توقف کرنے کی کیسی غلط شہرت دی گئی۔ حالانکہ ان کے بعجلت تمام بیعت کرنے کی روایت بھی علامہ ابن جریر طبری نے جن کا مسلک شیعہ ہونا۔ اہل تحقیق کے نزدیک اب مختلف فیہ نہیں رہا، حبیب بن ثابت تابعی کی سند سے لکھی ہے۔ جن کو علامہ ذہبی نے ثقات التابعین میں شمار کیا ہے اور امام بخاریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ وہ راوی ہیں کہ جنھوں نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے حدیثوں کی سماعت کی تھی (ص۲۰۹ ج میزان الاعتدال) حبیب ابن ثابت فرماتے ہیں۔

کان علیؓ فی بیتہ اذ اُتی فقیل لہٗ قد جلس ابوبکر للبیعۃ فخرج فی قمیص ماعلیہ ازارٌ ولا رداءٌ عجلاً کراھیۃ

حضرت علی اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور انھیں اطلاع دی کہ ابوبکر بیعت لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ علیؓ یہ سنتے ہی باہر نکل آئے اس وقت ان کے

ان یبطئ عنھا حتی بایعہ ثم جلس الیہ وابعث الی ثوبہ فاتاہ فتجللہ ولزم مجلسہ۔
(ص۲۱ ج۳ طبری طبع اول مصر)

بدن پر نہ چادر تھی نہ ازار۔ ان کو اس قدر جلدی اس لئے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہ کرتے تھے چنانچہ انھوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کی پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ اور اپنے کپڑے منگوائے کپڑے آگئے تو پہنے اور ان کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

دوسری روایت بھی اسی طبری میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہے یعنی عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا۔
"اشھدت وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم" کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر انھوں نے سوال کیا۔ "فمتیٰ بویع ابوبکر" ابوبکرؓ سے بیعت کب کی گئی۔" اس کے جواب میں فرمایا: جس دن آنحضرت کی وفات ہوئی اسی دن صحابہ اس کو اچھا نہیں جانتے تھے کہ ایک دن بھی اس طرح گذاریں کہ وہ جماعت سے منسلک نہ ہوں۔ اس پر عمرو نے پھر پوچھا کہ کیا ابوبکرؓ کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید بن زید نے جواب دیا۔ نہیں۔ البتہ مرتد نے یا ارتداد میں سے اس شخص نے مخالفت کی تھی جو قریب تھا کہ مرتد ہو جاتا۔ اگر اللہ عزوجل اس کو اس سے نہ بچالیتے۔ عمرو نے پھر پوچھا فھل قعد احدٌ من المھاجرین کیا مہاجرین میں سے کسی نے پہلوتہی کی تھی۔ حضرت سعیدؓ نے کہا کہ "نہیں مہاجرین تو بغیر بلائے ہی بیعت کرنے ٹوٹ پڑے تھے۔

خود حضرت علیؓ کا یہ قول بسند صحیح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ پر غور کیا تو سمجھا کہ نماز اسلام کا ستون اور دین کی اصل بنیاد ہے تو رسول اللہ نے جس شخص کو ہمارے دین کی امامت کا حکم فرمایا۔ اسی کو ہم نے اپنی دنیوی قیادت کے لئے منتخب کر لیا۔ ابوبکرؓ کو اپنا امیر بنالیا۔ جب انھوں نے جہاد کا اعلان کیا ہم نے ان کے حکم پر جہاد کیا۔ جو انھوں نے عطا کیا اس کو بخوشی قبول کر لیا۔ اور ان کے حکم سے حدود اللہ قائم کیں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ حضرت علیؓ برابر ان خدمتوں کو انجام دیتے رہے جو خلیفہ

رسول اللہ ان کو سپرد کر گئے تھے۔ آنحضور کی وفات کے اٹھارہ دن بعد ہی جب جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کئے ایک دستہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں متعین کیا (طبری ج ۳ صفحہ ۲۲۳)

پھر جب نواح مدینہ میں غدار دشمنوں کی سرکوبی کے لئے خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس مقام ذوالقصہ تشریف لے جانے لگے۔ حضرت علیؓ نے آکر آپ کی سواری کی باگ پکڑ لی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ[1]

"اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں تشریف لے جا [illegible] میں آپ سے اس وقت وہی کہوں گا جو غزوہ [illegible] کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ [illegible] تلوار میان میں رکھیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دردمند نہ کریں۔"

(البدایہ والنہایہ ج ۶ [illegible])

حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکرؓ سے تخلف عن البیعۃ کی روایتیں مابعد کے مشاجرات صحابہ کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کا پنجوقتہ نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں پڑھنا تو کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ فدک وغیرہ کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ حضرت علیؓ برابر اپنے زمانہ میں اسی طرح عمل کرتے رہے جیسا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور مرض بڑھتا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے انہیں اندر بلایا۔ اور باتیں کیں (المرافقہ بین اہل بیت والصحابہ زمخشری)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بچپن سے حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینی و ملی خدمات کی انجام دہی میں منہمک دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ رسول اللہ کے جناب میں ان کی کیا کچھ منزلت ہے۔ ان کے مشوروں پر کیسا اعتماد ہے

---

[1] طبری میں نام کا اظہار نہیں ہے "قال لہ المسلمون" کہہ کر بتغیر الفاظ یہی مضمون ہے۔ (ج ۳ صفحہ ۲۲۴)

ان کی خدمات کا کیا کچھ اعتراف ہے۔ کیسی کچھ قدر ہے۔ انھوں نے تو اپنے کانوں سنا تھا۔ جب آنحضورؐ نے حضرت حسانؓ مداح رسول اللہ سے پوچھا تھا کہ ابوبکرؓ کی شان میں بھی کچھ کہا ہے۔ اس پر چند شعر سنائے جنہیں سن کر آپؐ بہت خوش ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو اپنا بزرگ جانتے۔ ان کے فرمانے کو مانتے۔ ان کے فیصلے کو بخوشی اور خوش دلی قبول کرتے تھے۔ رنجش اور ناراضگی کی باتیں سب وضعی ہیں۔

اب حضرت حسانؓ کے وہ شعر سنئے جنہیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔

فضحک رسول اللہ حتی بدت نواجذہ۔ ثم قال صدقت یا حسان ھو کما قلت۔

یہ سن کر رسول اللہؐ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہوگئے اور فرمایا اے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں۔

وہ اشعار یہ تھے:۔

اذا تذکرت شجوًا من اخی ثقۃ
مصیبت کے وقت اگر کسی بھروسے کے آدمی کی یاد کرو۔

فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا
تو اپنے بھائی ابوبکر کی ان خدمات کو نہ بھولو جو انھوں نے انجام دیں۔

خیر البریۃ اتقاھا واعدلھا
نبیؐ کے بعد خلائق میں سب سے زیادہ متقی اور عادل

بعد النبی واوفاھا بما حملا
اور ہر ذمہ داری کو پورا کرنے والے ہیں

الثانی التالی المحمود مشھدہ
نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا مشہد پسندیدہ ہے۔

واول الناس منھم صدق الرسلا
اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے انبیاء کی تصدیق کی۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے

طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا
جب دشمن پہاڑ پر چڑھکر گرد گھوم رہے تھے

وکان حب رسول اللہ قد علموا
وہ رسول اللہؐ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ علم ہے۔

من البریۃ لم یعدل بہ احدا
کہ ساری مخلوق میں آپؐ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی نہیں۔

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے شیعی فاضل شریف المرتضیٰ کی کتاب الشافی کے حوالے سے سنی قاضی القضاۃ کی کتاب سے یہ کہہ کر ایک عبارت نقل کی ہے کہ حکایۃً عن قاضی القضاۃ اس میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی اور چار تکبیریں کہی تھیں " ان ابا بکر ھو الذی صلی علی فاطمۃ وکبر اربعا (ص۸۸۴ ج شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران) یہی ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علیؓ نے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا۔ رحمک اللہ ابابکر کنت اول الناس اسلاما (ص۹۰۰ ج ایضاً) یعنی اے ابوبکرؓ، رحمت ہو اللہ کی آپ پر آپ ہی ہیں سب لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ کی ذات سے حضرت علیؓ کو یہ عقیدت تھی کہ ان کے ایام خلافت میں کنیت کے بجائے ان کو امیر المؤمنین کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے یہی ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ فرماتے ہیں۔

ان علیاً لم یخاطب عمر منذ ولی الخلافۃ بالکنیۃ وانما کان یخاطبہ بامرۃ المسلمین ھکذا ایتطن کتب الحدیث و کتب السیر والتواریخ۔ (ص۱۳۴ ج شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران)

(حضرت) علیؓ (حضرت) عمرؓ کو اس وقت سے جب سے وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ امیر المؤمنین کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح سے کتب حدیث وکتب سیر و تواریخ میں بیان ہوئی ہے۔

ابن جریر طبری ہی نے لکھا ہے کہ خلافت فاروقی میں حضرت علیؓ نے قاضی کی حیثیت سے کام کیا تھا (ج ص۸۳) ۱۳ھ میں ایران میں جب مسلم مجاہدین زبردست معرکوں میں داد شجاعت دے رہے تھے۔ ان کے سردار ابوعبید ثقفی کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے چند ہی مہینوں میں زبردست فوج اکٹھی کی اور ارادہ کیا کہ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کر کے عراق کی طرف کوچ کیا چند میل چلے تھے کہ صحابہ کبار نے رائے دی کہ امیر المؤمنین کا محاذ جنگ پر بذات خود تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ آپ نے ارادہ ترک کر دیا (ج ص۸۳) مورخین نے

حضرت علیؓ کو آپ کی غیبت میں اپنا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں بزرگوں سے یہ محبت اور احترام حضرت علیؓ کو کیوں نہ ہوتا بچپن ہی سے ان ہی دونوں کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور وزیر و مشیر کے دیکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

قال علی کثیراً ما کنتُ اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت انا وابوبکر وعمر وفعلتُ انا وابوبکر وعمر وخرجتُ انا وابوبکر وعمر ودخلتُ انا وابوبکر وعمر۔ (ج ص۱۴۵ ازالۃ الخفا طبع اول)

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں اور ابوبکر وعمر تھے۔ میں نے اور ابوبکر وعمر نے یہ کیا اور میں اور ابوبکر وعمر نکلے، میں اور ابوبکر وعمر چلے۔ میں اور ابوبکر وعمر داخل ہوئے۔

بعثت رسول اللہ کے وقت حضرت علیؓ صرف پانچ برس کے صغیر السن تھے۔ آٹھ دس برس کے بعد ان کی عمر ایسی ہوئی کہ یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن کی پرورش میں رہتے تھے سن کر حافظہ میں محفوظ رکھیں اور بیان کیں۔ خود ابن ابی الحدید ہی ان کے سن وسال کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قد علمنا بالروایۃ الصحیحۃ والشہادۃ القائمۃ انہ (علیؓ) اسلم وھو حدیث غریر وطفل صغیر فلم نکذب الناقلین ولم نستطع ان نلحق اسلامہ باسلام البالغین (ص۶ ج شرح نہج البلاغہ)

ہم کو روایت صحیحہ اور شہادت قائمہ سے معلوم ہوا کہ وہ (علیؓ) جب اسلام لائے تو وہ بہت چھوٹی عمر کے طفل صغیر تھے۔ پس ہم ناقلین کی تکذیب نہیں کر سکتے اور نہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام بالغین کے اسلام کے برابر رکھ سکیں۔

ان سب بزرگوں کے درمیان کامل اتحاد تھا ادھر سے عقیدت واحترام تھا ادھر سے محبت وشفقت، اسی اتحاد ومحبت کا قوی ثبوت ہے کہ اپنی نور دیدہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہراؓ کو حضرت عمرؓ کے عقد میں دیا تھا[1] اور جب حضرت عمرؓ ایک مجوسی کے ہاتھ

---

[1] سیدہ ام کلثوم کے بطن سے دو اولادیں ایک صاحبزادے زید بن عمر الفاروق:

سے شہید ہوئے ۔ جنازہ اٹھتے وقت کس حسرت سے یہ الفاظ فرماتے تھے ۔

قال (علیؓ) ما من الناس احدٌ احبّ الیّ ان القی اللہ بما فی صحیفۃ من ھذا المسجی
(ص۲۱۸ ج ازالۃ الخفا طبع اول)

(حضرت علیؓ نے) کہا انسانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ اللہ کے حضور میں اس کا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ پیش ہونا بہ نسبت ان صاحب جنازہ کے نامۂ اعمال کے مجھے زیادہ محبوب ہو یعنی کاش میرا بھی نامۂ اعمال ان ہی کے نامۂ اعمال جیسا ہو ۔

نامۂ اعمال کا اشارہ حضرت فاروق اعظمؓ کی عظیم ترین خدماتِ دینیہ وطنیہ کی جانب ہے جو انھوں نے قبل خلافت اور عہد خلافت میں انجام دیں ۔ حضرات شیخینؓ کا زمانہ اخوت و مساوات اور یک جہتی کا مثالیہ زمانہ تھا ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس مبارک عہد کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے :-

تمام مسلمین در زمان ایشان باہم مؤتلف و با یکدیگر متراحم و بر کفار شدید و بر جہاد متوافق ، نام مخالفت درمیان ایشان واقع نہ ، سپاہ و رعایا خلیفہ را از جان خود دوست دارتر و خلیفہ بر رعایا و سپاہ از پدر مشفق و مہربان تر ۔
(ص۱۴۹ ج ازالۃ الخفا طبع اول)

تمام مسلمین ان کے (شیخینؓ کے) زمانہ میں باہم متحد اور ایک دوسرے کے مہربان تھے ، کفار پر شدید اور جہاد پر متفق تھے ۔ مخالفت کا نام بھی ان کے درمیان نہیں آیا تھا سپاہ اور رعایا خلیفہ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتی اور خلیفہ رعایا اور سپاہ پر باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان تھے ۔

اس زمانہ کی برکات خلیفہ سوم حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت تک باقی رہیں ۔ اور نشو ونمائے ملت اسی منہاج پر جاری رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا ۔

آنحضرتؐ برائے نشو ونمائے ملّت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت اسلامیہ

---

۲ اور ایک صاحبزادی رقیہ بنت عمر الفاروقؓ

اسلامیہ صورتے معین فرمودند کہ تا آخر عہد حضرت عثمانؓ متحقق شد
(ازالۃ الخفا ج ا ص۱۳۰)

نے نشو ونما کے لئے ایک صورت معین فرمائی تھی جو آخر عہد حضرت عثمانؓ تک یقیناً رہی ۔

نشو ونمائے ملت اسلامیہ کے لئے اجتماع اور ائتلاف کو جو اہمیت تھی اس کا قدرے اندازہ آنحضور صلعم کے خطبۂ حجۃ الوداع کے بعض ارشادات سے ہوتا ہے جو امت کو وصیت کے طور پر فرمائے گئے تھے ۔ ارشاد ہوا تھا :-

ایھا الناس ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الا ھل بلغت اللّٰھم اشھد ۔

لوگو ! تمہارے خون ، تمہارے مال تمہاری عزتیں قیامت کے دن تک ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن (یوم حج) کی اس مہینہ کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو ، دیکھو میں نے (خدا کا) پیغام پہنچا دیا اے اللہ گواہ رہیو ۔

پھر اسی خطبہ میں یہ ہدایت کس بلیغ لہجہ میں صحابہ کو کی گئی تھی ۔

الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض :-

خبردار ! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگے ۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھاتے مجوسی[۱] غلام نے خنجر سے زخم کاری لگایا تھا ۔ جب تحقیق ہو گیا کہ قاتل کون ہے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں کسی کلمہ گو کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا اور میرا زمانہ وہ نہیں جس سے رسول اللہؐ نے ڈرایا تھا ۔

حضرت عمرؓ تو مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے کیونکہ اس بلند معیار پر

---

[۱] حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایران کی ساسانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا تھا ایرانی سازش ہی نے آپ کا خاتمہ کیا ۔

بشکست عمرؓ پشت ہزبران اجم را ۔ برباد فنا داد رگ و ریشۂ جم را

این عربدہ بر غصب خلافت ز علیؓ نیست ۔ با آلِ عمرؓ کینۂ قدیم است عجم را

جوان کے پیش نظر تھا اور جس کا اظہار بھی چند بلیغ جملوں میں انھوں نے کیا تھا کوئی شخص پورا نہ اترتا تھا لوگوں کے اصرار پر چھ اکابر صحابہؓ کی مجلس شوریٰ بنا دی کہ اپنے میں سے کسی کو منتخب کر لیں مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کر دی کہ اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک ان کے مخالف تو اس ایک کی گردن ماردی جائے۔ اگر چار ایک رائے ہوں اور دو مخالف تو ان دو کا خاتمہ کر دیا جائے اور اگر رائیں مساوی ہوں تو جدھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ رائے دیں وہ قبول کی جائے اور مخالفت کرنے والوں کی گردن اڑا دی جائے گویا ایسے نازک لمحات میں بھی اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ ان عظمائے ملت یعنی عثمانؓ و علیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ و سعدؓ وعبدالرحمٰنؓ بن عوف میں سے جو اختلاف کرے اس کی گردن ماردی جائے۔ اس کڑی شرط نے باوجودیکہ شوریٰ میں سے ہر شخص رائے دہندہ بھی تھا اور امیدوار بھی یہ صورت پیدا کر دی کہ ایک صاحب نے اپنے کو امیدوار ہونے سے علیحدہ کر لیا اور بقیہ حضرات نے اظہار رائے کے بعد ان کو یعنی عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو مختار کر دیا کہ وہ اپنے صوابدید اور عام لوگوں کے خیالات اور رائیں معلوم کر کے عثمانؓ وعلیؓ میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے منتخب نہ ہونے کا ملال ہوا اور انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر طرفداری کا الزام لگایا۔ جس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔

"اے علی! اپنے خلاف خلاف مجھے قدم اٹھانے پر مجبور نہ کرو میں نے بہت غور کیا اور برابر لوگوں سے مشورے کرتا رہا مگر وہ کسی کو بھی عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے" یہ سنکر حضرت علیؓ یہ کہتے ہوئے چل دیئے یبلغ الکتاب اجلہ تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہونچ جائے گی۔ لوگ حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے پر لوٹے پڑے تھے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب حضرت علیؓ کو جاتے دیکھا تو پکار کر کہا۔ ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاہد علیہ اللہ فسیو تیہ اجرا عظیما۔ (جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے اور جو اللہ کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا) اس پر حضرت علیؓ لوٹے اور بیعت کر لی مگر برابر یہ کہتے رہے "فریب ہے اور کتنا بڑا فریب" (طبری) معلوم نہیں طبری کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اسی الیکشن کے بعد سے امت میں پہلی مرتبہ کچھ ذاتی و خاندانی و نسلی امتیازات کی

باتیں ہونے لگیں اور حضرت عثمانؓ کے تقریباً بارہ سالہ عہد خلافت میں جب فتوحات کی کثرت اور مال وغنایم کی بہتات سے معاشرے کی وہ صورت تبدیل ہونے لگی جو اس سے پہلے کی دو خلافتوں میں سادگی کی رہی تھی۔ بہت سے صحابہ دیگر ممالک اور صوبوں میں جا بسے تھے عجمیوں کے اختلاط سے ایک نئی نسل بھی خاص کر کوفہ وبصرہ میں پیدا ہو چکی تھی مدینہ اور اس کے باہر جب حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال پر نکتہ چینیاں شروع ہوئیں اور دولت واقتدار کے حصول کے فتنے نے سر نکالا تو منافقین کو بھی اس اختلاف کو ہوا دینے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ عبداللہ بن سبا نے جس کے وجود کو مصری فاضل ڈاکٹر طہٰ حسین نے فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ پرفریب پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس کے تلخ نتائج سے آج تک امت کو چھٹکارہ نہ مل سکا۔

حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی یورش ہوئی مگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور وصیت کا اس درجہ پاس ولحاظ کیا کہ باوجود ہر طرح کی قدرت کے اپنی حفاظت اور جان بچانے کے لئے قوت اور تشدد برتنے کا مطلق خیال نہ کیا اور جوار رسول اللہ میں کسی کلمہ گو کے خون بہانے کے روادار نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ وغیرہ صحابہ کی شہر میں موجودگی کے باوجود یہ تقریباً اسی برس کے امام المسلمین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے۔ آپ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے سابقون الاولون میں سے بڑے فیاض ورحمدل اور رسول اللہ کے چہیتے تھے تلاوت قرآن کرتے ہوئے اپنے گھر کے اندر ذبح کر دیئے گئے مگر قاتلین پر ہاتھ اٹھانے یا اٹھوانے کے لئے باوجود لوگوں کے بار بار اصرار کرنے کے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے

حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کے خط کے مضمون سے جو انھوں نے اپنے عالی مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے تھے۔ ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ خط شعبی اور مسلمہ بن محارب نیز حضرت معاویہؓ کے پر دادے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہؓ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصفہانی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب اغانی (ج ۱۶ ص ۶۸) میں درج کیا ہے ابتدائی فقرات کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے۔

مضمون خط سیدہ نائلہ بیوہ حضرت عثمانؓ

وانی قد اقص علیکم خبرہ لانی کنت
مشاهدة امرہ کلہ حتی قضی اللہ
علیہ۔ ان اهل المدینة حصروہ
فی دارہ یحرسونہ لیلهم ونهارهم
قیاما علی ابوابہ بسلاحهم یمنعونہ
کل شیء قدروا علیہ حتی منعوہ
الماء یحضرونہ الاذی ویقولون
لہ الافک واهل مصر اسندوا
امرهم الی محمد بن ابی بکر وعمار
بن یاسر وکان علی مع المحرضین
من اهل المدینة ولم یقاتل مع
امیر المومنین ولم ینصرہ ولم
یامروا بالعدل الذی امر اللہ تبارک
وتعالی بہ فظلت تقاتل خزاعة
وسعد بن بکر وهذیل وطوائف
من مزینة وجهینة وانباط
سائرهم ولکنی سمیت لکم الذین
کانوا اشد الناس الیہ فی اول
امرہ واخرہ ثم انہ رمی بالنبل
والحجارة فقتل ممن کان فی الدار
ثلاثة نفر فاتوہ یصرخون الیہ
لیاذن لهم فی القتال فنهاهم عنہ
وامرهم ان یردوا علیهم نبلهم

میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی
ہوں جو میرا اپنا چشم دید ہے اہل مدینہ نے
ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت
مسلح محاصرہ کیے رکھا تھا دن رات دروازوں
پر پہرا تھا ہرگز کوئی چیز یہاں تک کہ
پانی تک بھی منع کر دیا تھا۔ ان پر الزامات
لگاتے رہتے گالیاں دیتے رہتے۔ مصری
جماعت کے سرغنہ محمد بن ابی بکر و عمار بن یاسر
تھے۔ اور علی بھی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تھے
انھوں نے نہ امیر المومنین کی کوئی مدد کی
نہ ان کی جانب سے لڑے اور نہ انھوں
نے اس عدل سے کام لیا جس کا حکم
اللہ تبارک و تعالیٰ نے دیا ہے۔ خزاعہ، سعد
بن بکر، ہذیل، مزینہ، جہینہ کے قبائل
لڑائی کرتے رہے سب تو نہیں مگر ضرور
تھے۔ میں نے ان میں سے جو شدید تھے
ان کے نام لکھ دیئے ہیں ان لوگوں نے گھر میں
تیر اور پتھروں کی بھرمار کر دی۔ تین آدمی گھر
میں قتل ہو گئے۔ مجبور ہو کر گھر کے اور
آدمیوں نے عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت
مانگی۔ انھوں نے اجازت نہیں دی بلکہ حکم دیا
کہ تیر دشمنوں کو واپس کر دیئے جائیں۔ مگر وہ کچھ
جس نہ پڑے بس اور دلیر ہو گئے۔

فردوها الیهم فلم یزدهم ذلک
علی القتال الا جراءة وفی الامر
الا اغراء ثم احرقوا باب الدار
فجاءهم ثلاثة نفر من اصحابہ
فقالوا ان فی المسجد ناسا یریدون
ان یاخذوا امر الناس بالعدل
فاخرج الی المسجد حتی یاتوک
فانطلق فجلس فیہ ساعة واسلحة
القوم مظلة علیہ من کل ناحیة
ما اری احدا یعدل فدخل الدار
وقد کان نفر من قریش علی عامتهم
السلاح فلبس درعہ وقال لا
اصحابہ لولا انتم ما لبست درعا
فوثب علیہ القوم فکلمهم ابن الزبیر
واخذ علیهم میثاقا فی صحیفة و
بعث بها الی عثمان ان علیکم
عهد اللہ ومیثاقہ الا تغروہ
بشیء فکلموہ تخرجوا فوضع
السلاح فلم یکن الا وضعہ
حتی دخل علیہ القوم یقدمهم
ابن ابی بکر حتی اخذوا بلحیتہ
ودعوہ باللقب فقال انا عبد اللہ
وخلیفتہ فضربوہ علی راسہ
ثلاث ضربات وطعنوہ فی صدرہ
ثلاث طعنات وضربوہ علی مقدم

پھر انھوں نے دروازہ میں آگ لگا دی
آخر تین آدمیوں کی کوشش سے
مسجد میں ان لوگوں کے سامنے مصالحت
کے لئے رو در رو بات کرنے کے
لئے بلوایا وہ اسلحہ کے سایہ میں تھوڑی
دیر بیٹھے رہے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اور پھر
وہ گھر واپس آ گئے۔ اس وقت
قریش سب مسلح تھے۔ عثمانؓ نے بھی
زرعہ پہن لی تھی یہ کہہ کر کہ میں تمہاری
وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی
ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں ان پر حملہ
کیا گیا۔ ابن زبیرؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا
اور ان سے تحریری معاہدہ کیا جس میں
پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی
حملہ نہ ہوگا۔ وہ باز آ گئے ابن زبیرؓ نے بھی
ہتھیار اتار دیئے مگر فوراً موقع پا کر ان
لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے
آگے آگے محمد بن ابوبکر تھے اندر آ کر حملہ
کر دیا اور آتے ہی داڑھی پکڑ لی اور
گالی دی (حضرت) عثمان نے کہا کہ میں
تو اللہ کا بندہ اور اس کا خلیفہ ہوں
اسی اثنا میں ان لوگوں نے تین وار نیزے
کے آپ کے سینے پر کیے اور تین
وار سر پر کیے اور ایک تلوار سر کے
اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک

الجبین فوق الانف ضربۃ
اسرعت فی العظم فسقت علیہ
وقد اثخنوہ وبہ حیاۃ وھم
یریدون قطع راسہ لیذھبوا بہ
فاتتی بنت شیبہ بن ربیعہ
فالقت نفسھا معی علیہ فتوطئنا
وطاء شدید اوعرینا من ثیابنا
وحرمۃ امیر المؤمنین اعظم
فقتلوہ رحمۃ اللہ علیہ فی
بیتہ وعلی فراشہ وقد رسلت
الیکم بثوبہ وعلیہ دمہ وانہ
واللہ لئن کان اثم من قتلہ
لما سلم من خذلہ فانظروا
این انتم من اللہ عز وجل
فانا نشکی ما مسنا الیہ ونستنصر
ولیہ وصالح عبادہ۔

بیٹھ گئی۔ میں عثمان پر چھا گئی تاکہ
ان کو بچا سکوں کیونکہ وہ سر کاٹ کر
لے جانا چاہتے تھے اتنے میں شیبہ
بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمانؓ پر چھا گئی
ان لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین
پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے پھاڑ
ڈالے مگر عثمانؓ کی حرمت کے
آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی
اس طرح ان کے بستر پر ان کے گھر میں
ان کو مار ڈالا۔ میں ان کا خون لگا کرتا تم کو
بھیجتی ہوں اگر قاتل مجرم ہیں تو وہ
بھی مجرم ہیں جنھوں نے رسوا ہوتے
دیکھا اور مدد نہیں کی۔ اب سوچ لو
خدا کو منہ دکھانا ہے۔ فریاد ہے مصیبت
کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا۔ عثمانؓ کے ولی اور
اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کی

(نائلہ بیوہ عثمانؓ)

مضمون خط کے بیان کرنے میں راویوں سے سہواً یا عمداً کوئی غلطی بھی ہوئی ہو خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بیرحمی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر گھس کر قتل کرنا اور اس وقت قتل کرانا جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہوں، ایسا حادثہ تھا کہ اگر بیوہ عثمان فریادی نہ بھی ہوتیں قاتلین سے قصاص لینا خصوصاً مقتول کے رشتہ داروں کا نص قرآن کی رو سے فرض اولین تھا۔ حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کو جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے، شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی اس فعل شنیعہ کا ارتکاب کر سکیں گے۔ سازش کا الزام تو کسی طرح ثابت نہیں بلاذری کی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے گھر میں گئے ان کی بیٹیاں رو رہی

تھیں انھیں دیکھ کر آنسو پوچھنے لگیں پوچھا کیوں رو رہی ہو۔

قلن نبکی علی عثمان فبکی وقال
ابکین (انساب الاشراف)

انھوں نے کہا کہ (خالو) عثمان پر۔ (یہ سن کر حضرت علیؓ خود) رونے لگے اور فرمایا ہاں روؤ۔

فتنۂ اولیٰ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں ایک موقع پر لکھا ہے:۔

پس فتنۂ اولیٰ مقتل حضرت عثمانؓ و
مابعد او ست تا آنکہ خلافت معاویہ بن
ابی سفیان مستقر شد و فتنۂ ثانیہ بعد فوت
معاویہ بن ابی سفیان تا استقرار
خلافت عبد الملک۔
(ج ۲ ص ۱۳۰)

پس پہلا فتنہ حضرت عثمانؓ کے قتل اور
اس کے بعد کے واقعات ہیں اس وقت
تک کے جب تک کہ خلافت معاویہ بن
ابو سفیانؓ قائم نہ ہوئی اور دوسرا فتنہ
حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد سے
اس وقت تک رہا جب کہ خلافت عبد الملک
(بن مروان) قائم نہ ہوئی۔

فتنہ سے مراد وہ خانہ جنگیاں ہیں جن سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور اجتماع و ائتلاف کے فقدان سے خلافت خاصہ کے برکات زائل ہو گئے اس حالت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

چوں نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ رسید
بحکم تقدیر الٰہی تفرق امت پدید آمد و اکثر
بلدان از طاعت خلیفہ برآمدند۔
(ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۲۴۳)

جب نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ کی پہنچی
تقدیر الٰہی سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور
اکثر شہر خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے۔

یہاں خانہ جنگیوں کے حالات بیان کرنے مقصود نہیں۔ عرض کرنا یہ ہے کہ جھگڑے بھی شدید ہوئے۔ خون ریزی بھی ہوئی لیکن نیتوں میں چونکہ شر نہ تھا۔ سبائیوں کی ورانداز یوں کے باوجود لڑ جھگڑ کر پھر بھی ایک ہو گئے یہ صحابہ اور تابعین ہی تھے جن کی طبائع کی صحیح عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

جھگڑے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا

عام الجماعت اپنے والد ماجد کی آخری وصیت کی متابعت میں حضرت حسن رضؓ نے جب حضرت معاویہ رضؓ سے بعد صلح بیعت کر لی اتحاد المسلمین کی پھر وہی کچھ کیفیت رونما ہوئی جو خلفائے ثلاثہ کے مبارک زمانہ میں تھی۔ اس خوشی میں صحابہ اور تابعین نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا یعنی جماعت مسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال حضرت معاویہ رضؓ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک مسند خلافت پر متمکن رہے اور بے نظیر حسن تدبر سے تمام فتنہ پردرانہ سرگرمیوں کو دور کر کے ہر خطہ مملکت میں امن امان کو بحال کیا۔ سب سے زیادہ ابتر حالت شرقی ممالک کی تھی وہاں کا نظم ونسق حکومت درست کرنے کے لئے اپنے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ کو متعین کیا جو حضرت علی رضؓ کے زمانہ سے گورنر فارس تھے اور حسن انتظام کی بدولت ایرانی رعایا ان کو نوشیروان ثانی[1] کہتی تھی اپنے بھائی کی طرح امیر زیادؒ بحیثیت مدبر و منتظم و حکمران عظیم شخصیت کے حامل تھے مفسدین کے لئے درشت مزاج امن پسندوں کے لئے نرم خو بقول شاعر

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

مفسدین کا قلع قمع ہو کر بہت جلد ان ممالک کی حالت بھی درست ہو گئی۔ چنانچہ امت کے داخلی اور خارجی تمام تعمیری کام جو پچھلے چار پانچ برس کی طوائف الملوکی سے رکے پڑے تھے۔ اب حضرت معاویہ رضؓ نے تیزی سے شروع کئے، ہر طرف خوشی و مرفعہ الحالی کی لہریں دوڑ گئیں۔ امیر المومنین کا اصول حکمرانی حلم و کرم، عدل و انصاف جود و سخا تھا جس سے رعایا کے محبوب بن گئے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ "کانت سیرۃ معاویۃ مع رعیتہ من خیار امیر الولاۃ وکان رعیتہ یحبونہ (یعنی حضرت معاویہ رضؓ کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے بہترین سلوک کی

[1] ص ۲۹۵ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۵ء مقالہ ایڈورڈ تھامس۔

کی طرح تھا اور ان کی رعایا ان سے محبت کرتی تھی)، صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم ویصلون علیکم وتصلون علیھم (ک ۳۳ ج ۶۵ د ۶۶) تم میں بہترین حکمران وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کو دعا دیتے ہو وہ تم کو دعا دیں سرداری و حکمرانی کی جو بہترین صفات ان کی ذات میں مجتمع تھیں ایسی کسی میں کم ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے ما رایت رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ (میں نے کسی شخص کو بھی حکمرانی سے ایسی مناسبت رکھتے نہیں دیکھا جیسی (حضرت) معاویہ رضؓ کو ہے) اسی طرح دیگر معاصرین کے اقوال ہیں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضؓ فرماتے تھے ما رایت احداً اسود من معاویۃ (میں نے (حضرت) معاویہ رضؓ سے زیادہ سرداری کے لائق کسی کو نہ پایا) سننے والے نے جب سوال کیا کہ حضرت عمر رضؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا حضرت عمر رضؓ ان سے برتر تھے دیگر صفات میں لیکن معاویہ رضؓ سرداری میں بڑھ کر تھے (ص ۱۳۵ ج البدایہ والنہایۃ) علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت لیث بن سعدؒ کی سند سے جو زاہد وقت اور متقی و متورع عالم تھے حضرت سعد بن ابی وقاص کا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فاتح ایران اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ یہ قول نقل کیا ہے کہ ما رایت احداً بعد عثمان اقضی بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ (میں نے (حضرت) عثمان رضؓ کے بعد کسی کو ایسا حقانی فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جیسے یہ دروازے والا ہے یعنی معاویہ رضؓ) حضرت عمیر بن سعد الانصاری رضؓ جو زاہد صحابی [illegible] حمص کے عامل تھے حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت معاویہ رضؓ کا تقرر کیا۔ کسی نے ان کے سامنے حضرت معاویہ رضؓ کی تنقیص میں کہا تو حضرت عمیر رضؓ نے فرمایا لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ (معاویہ رضؓ کا ذکر سوائے بھلائی کے اور کسی طرح نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "خدایا اسے ہدایت کا ذریعہ بنا") واقعات شاہد ہیں کہ نازک ترین موقعوں پر بھی حضرت معاویہ رضؓ نے رشد و ہدایت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا مسلمان نسلیں رہتی دنیا تک حضرت امیر معاویہ رضؓ کی شکر گزار رہیں گی۔ کہ عین اس وقت جب قیصر روم اس تاک میں بیٹھا تھا اور اپنی فوجوں کو اسلامی سرحد پر مجتمع کر رہا تھا کہ جونہی

صفین کی خانہ جنگی میں اسلامی فوجیں برادرکشی سے گھٹ گھٹا کر خستہ و ماندہ پڑ جائیں ان پر حملہ کرکے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کے گھاٹ اتار دے حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اس خطرہ کا احساس کیا قیصر کو ڈانٹ بتائی کہ اگر ایک قدم بھی تو نے اسلامی سرحد کی طرف بڑھایا تو میں اور میرے چچیرے بھائی (علیؓ) باہم صلح صفائی کر لیں گے اور پھر ہماری متحدہ فوجیں تیرے علاقہ پر دھاوا کر کے تجھے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

فلما رای ملک الروم اشتغال معاویہؓ بحرب علیؓ تدانی الی بعض البلاد فی جنود عظیمۃ وطمع فیہ فکتب معاویۃ الیہ! یا لعین! اصطلحن انا وابن عمی علیک ولاخرجنک من مطیع بلادک ولاضیقن علیک الارض بما رحبت فعند ذلک خاف ملک الروم وانکف و بعث یطلب الھدنۃ۔

(ص ۱۱۹ ج البدایہ والنہایہ)

جب قیصر روم نے معاویہؓ کو علیؓ سے جنگ میں مبتلا دیکھا اپنی فوجیں اسلامی سرحدوں کی طرف قبضہ کرنے کی طمع میں بڑھائیں، معاویہؓ نے اس کو لکھ بھیجا:- اے لعین! میں اور میرے چچیرے بھائی تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھ کو تیرے ملک سے نکال دیں گے اور وسیع زمین تجھ پر تنگ کر دیں گے۔ قیصر اس سے خائف ہوا، لوٹ گیا اور طلب صلح کے لئے وفد بھیجا۔

بعض یورپین مورخین گبن وغیرہ گرماتے ہیں کہ (حضرت) معاویہؓ نے اپنی گلوخلاصی کے لئے قیصر سے دب کر صلح کر لی تھی لیکن مسلمان مورخین نے اس کے قطعاً خلاف لکھا ہے۔ گبن کو خود اعتراف ہے کہ خانہ جنگی سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی خلیفہ معاویہؓ نے رومیوں کے خلاف جہادی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں جن میں جیسا ذکر ہو چکا ہے ان کے فرزند امیر یزیدؒ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

والجہاد فی بلاد العدو قائم وکلمۃ اللہ عالیہ والغنائم ترد الیہ من اطراف الارض والمسلمون معہ فی راحۃ وعدل وصفح وعفو۔

(ص ۱۱۹ ج البدایہ والنہایہ)

دشمن کے ممالک کے خلاف جہاد برابر قائم تھا اللہ کا نام بلند تھا، مال غنیمت تمام اطراف ارض سے ان کے پاس آتا تھا اور مسلمان ان کے زمانہ میں آرام و انصاف، ترحم اور درگذر کے ساتھ رہتے تھے۔

مورخ گبن کو بڑی مسرت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات نے یورپ کے ایک حصہ یعنی فرانس اور برطانیہ کو اسلامی اقتدار کے تحت آجانے سے بچا لیا اور قسطنطنیہ کے مفتوح ہو جانے میں دیر لگی۔ وہ اپنے عیسائی ناظرین کو یہ بتاتا ہے:-

"اس تحقیق و تفتیش کے دوران میں ان واقعات کو منظر عام پر لاؤں گا جن سے ہمارے برطانوی آباؤ اجداد اور ہمارے ہمسایہ گال (یعنی فرانسیسی) قرآن کی معاشرتی و مذہبی حلقہ بگوشی سے بچے رہے، جن سے روم کا کروفر و عظمت و جلال محفوظ رہا۔ جن سے قسطنطنیہ کا محکوم ہو جانا رُکا رہا اور جن سے ان کے (عیسائیوں) کے دشمنوں (مسلمانوں) کے اندر نفاق و زوال کی تخم ریزی ہو سکی"
(تاریخ عروج و زوال۔ روما الکبریٰ)

اس عیسائی مورخ کی یہ مسرت کچھ زیادہ بیجا بھی نہیں، مجاہدین اسلام کی صفوں میں شہادت عثمانؓ کے بعد کے واقعات سے اگر انتشار و اضمحلال کی کیفیت رونما ہو گئی ہوتی جنگ جمل و صفین و نہروان میں تقریباً ستر اسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا نہ ہو گئے ہوتے۔ یورپ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ اور آج مسیحیت کے دیار و امصار میں ناقوس کلیسا کی آوازوں کے بجائے اذانوں کی آوازیں گونجتیں اور اس کے بعض خطوں میں حضرت اقبال کو "خاموش اذانوں" اور سجدوں کے پوشیدہ نشانوں" کا حسرت کے ساتھ ذکر نہ کرنا پڑتا اور نہ گبن کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملتا وہ تو فیضان تھا حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی کے حسن تدبر کا کہ ملت کی بگڑی حالت کو گویا آن واحد میں سنبھال لیا اور طبیب حاذق کی طرح قوم کی اندرونی عوارض کا فوری تدارک کر کے کاروان ملت کو جادہ پیمائی کے لئے پھر مستعد کر دیا۔

محدث دہلویؒ نے خلیفہ راشد کی خدمات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

چناں کہ طبیب حاذق تدبیر صحت مریض و ازالہ مواد مرض ادمی نماید و حمیہ می فرماید

جس طرح حاذق طبیب مریض کی صحت اور مادہ مرض کے دفعیہ کی تدبیر کرتا ہے اور پرہیز بتاتا

ہم چناں ایں خلیفہ راشد جلب صحت طبیعت عالم می کند وازالۂ مادہ مرض می سازد و ارشاد حینہ می نماید۔ (ص۱۴۴ج ۱ ازالۃ الخفا طبع اوّل)

ہے اسی طرح خلیفہ راشد طبائع اہل دنیا کی صحت و تندرستی کے حصول کا ادر مادہ مرض کے دفعیہ کا ازالہ کر دیتا ہے اور پر بہر بتا دیتا ہے۔

یہ خلیفہ راشدہی کی خدمت تھی جو حضرت معاویہؓ نے انجام دی اگرچہ حضرت علیؓ بعض سوابق اسلامیہ کے اعتبار سے ذاتی طور سے ان پر فوقیت رکھتے تھے مگر اپنے ماحول کی وجہ سے مقاصد خلافت خاصہ انجام دینے سے قاصر رہے۔ محدث دہلوی نے بھی فرمایا ہے کہ:۔

مقاصد خلافت خاصہ علی وجہہ در زمان علیؓ متحقق نگشت بعد مرتضٰیؓ چوں معاویہؓ بن ابی سفیانؓ متمکن شد و اتفاق ناس بروے بحصول پیوست و فرقت جماعت مسلمین از میان برخاست دے سوابق اسلامیہ نداشت[1] الی آخرہ۔ (ص۲۳۱ج ۱)

(حضرت علیؓ کے زمانہ میں خلافت خاصہ کے مقاصد اس کے مطابق پورے نہ ہوئے اور حضرت مرتضٰے کے بعد جب حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ (خلافت پر) متمکن ہوئے اور ان کی ذات پر لوگوں کا اتفاق و اتحاد حاصل ہوگیا اور جماعت مسلمین کے درمیان سے تفرقہ اٹھ گیا وہ اگرچہ سوابق اسلامیہ (بمقابلہ حضرت علیؓ کے) نہ رکھتے تھے مگر مقاصد خلافت کے بر آئے)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیران پیر فرماتے ہیں:۔

داملخلافۃ معاویۃ بن ابی سفیان فثابتۃ صحیحۃ (ص۱۶۲ غنیۃ الطالبین)

لیکن (حضرت) معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کی خلافت درست اور ثابت ہے۔

---

[1] شاہ صاحبؒ اپنی جلالت قدر کے باوجود سبائی حضرات سے گلوخلاصی نہ پا سکے۔ سیدنا معاویہؓ کے سوابق ان کی سمجھ میں نہ آئے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انھیں جانتے تھے جو کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ جانتے تھے جنھوں نے اہم ترین مناصب کا انھیں اہل جانا۔ اور جمہور صحابہ کرام کو یہ سوابق معلوم تھے جن کی بنا پر ص

پس ایسی خلافت کو جس میں ملت کا اتحاد و اتفاق قائم و برقرار رہا ہو۔ اور ملت مسلمہ ایک صحابی و کاتب وحی کے زیر قیادت اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف جہاد رہی ہو، زبردست فتوحات حاصل ہوئی ہوں تمام امت امن و امان اور راحت و آرام سے زندگی بسر کرتی ہو، وہ خلافت خلافت راشدہ کیوں نہ کہلائے کیا محض اس لئے اس کو "ملک عضوض" کا نام دیا جائے کہ خلیفہ راشد "ازالۂ مادہ عرض" اور "جلب صحت طبیعت عالم" کی غرض سے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو جس کو آج کی اصطلاح میں "مارشل لا" کہتے ہیں اور وہ بھی ایک علاقے سے فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے۔ ایک حدیث وضع کی گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا "الخلافۃ فی امتی ثلثون سنہ ثم ملک" اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن بناتہ الکوفی ہیں وہ سعید بن "جمہان" سے اور وہ حضرت سفینہؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں خلافت تیس برس تک رہے گی پھر بادشاہی ہوگی۔ یہ حدیث بہ تغیر الفاظ ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے اول تو اس کے راوی حشرج بن بناتہ الکوفی تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لایحتج بہ ہیں منکر الحدیث ہیں۔ یہ حشرج سعید بن جمہان بصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور حضرت سفینہؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے۔ پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہؓ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات ہوئی۔ انھوں نے یہ حدیث ان سے کب، کیونکر اور کہاں سنی۔ حضرت سفینہؓ کے علاوہ اور کسی صحابی نے ایسی حدیث کا جو نظام خلافت کو صرف تیس برس تک قائم رہنے کی پیش گوئی کرتی ہو روایت نہ کرنا ہی اس کے وضعی ہونے کا بیّن ثبوت ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وضعی حدیث حضرت معاویہؓ کی خلافت کی تنقیص میں اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے اثر کو زائل

ص انھوں نے ان کی خلافت پر اجماع کیا اور ارشاد نبوی کی پیروی میں انھیں ہادی و مہدی باور کیا۔ اور اسی طرح ان کے حقوق کی رعایت کی جس طرح حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے حقوق کی کرتے تھے۔

کرنے کے مقصد سے وضع ہوئی جو حضرت جابر بن سمرہ صحابیؓ سے مروی ہے اور صحاح کی اکثر کتب میں موجود ہے بجز ترمذی میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں یعنی حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ دین اسلام قوت سے رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں اور وہ سب قریش سے ہوں گے "لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشرہ خلیفۃ کلھم من قریش"[1] ان بارہ خلیفوں میں پانچویں امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے امیر المومنین یزیدؒ ہوتے ہیں[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے خلاف جو عین مطابق واقعہ ہے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو "بادشاہت" کا نام دیا جاتا رہا "ملک عضوض" کا۔ اس کامیاب عہد کا مفاد ملیہ کے لئے مبارک ہونا واقعات تاریخ سے ثابت ہے جس کا اعتراف اس زمانہ میں خاص و عام کو ایسا تھا کہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان پر آنا اور شعراء کے قطعات میں اس کا اظہار ہوتا۔ عرب کے مشہور شاعر الراعی عبید بن الحصین نے مندرجہ ذیل اشعار اس زمانہ میں امیر یزیدؒ کو بھیجے تھے جب بہت سے علم و دانش رکھنے والے اور نزاکت وقت اور ماحول کو سمجھنے والے دور اندیش و مخلص مسلمان حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ سابقہ حالات کے پیش نظر وہ اپنی زندگی ہی میں خلافت کے لئے نامزدگی کا انتظام کر جائیں اور اس کے لئے وہ ان کے صاحبزادے یزیدؒ کا

---

[1] ایک فرقے نے شاید اسی بنا پر اپنے بارہ امام قرار دیئے جن میں سے بارھویں کو جن کی ولادت ہی مشکوک ہے کہتے ہیں کہ وہ صغرسنی میں غائب ہو گئے لیکن زندہ ہیں قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ [2] کتاب اللہ شاہد ہے اور متفق علیہ حدیث بھی کہ خلافت نبوت کے حاملوں کی کوئی خاص تعداد نہیں۔ ارشاد مبارک ہے "بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے سپرد تھی۔ ایک نبی کی وفات پر دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ہمیں کیا ہدایت ہے۔ فرمایا "بس پہلے کے بعد پہلے کی بیعت کرو۔ ان کے حق ادا کرو۔ ان کی رعیت کی بابت اللہ ان سے پوچھے گا"۔ یہ بارہ کی تحدید آخر عہد اموی تک کے لئے ہے جو مسلمانوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

نام پیش کرتے تھے جن کی اہلیت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ اور اس عہد کی فوجی قوت جس کی قیادت متعدد معارک عظیمہ میں وہ کر چکے تھے۔ کلیتاً ان کے ساتھ تھی مگر حضرت معاویہؓ اور خود یزیدؒ بھی مصلحت وقت کا تقاضہ سمجھتے اور عام رجحان کو دیکھنے کے باوجود جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارۃً ذکر ہوا اس مسئلہ میں متامل تھے۔ اگرچہ باپ کے بعد بیٹے کے ہاتھ پر بیعت ہو جانا کوئی نئی بات نہیں رہی تھی حضرت علیؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسنؓ سے عراقیوں نے بیعت کر لی تھی۔ حضرت موصوف سے جب دریافت کیا گیا تھا آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

شاعر ان اشعار میں امیر یزید کو مخاطب کرتا ہے کہ نزاکت وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ امیر یزیدؒ ولیعہدی قبول کر لیں وہ کہتا ہے ؎

یزید یا ابن ابی سفیان ھل لکم ... الی تمناء ود غیر متصرم

اے یزید یا اے ابو سفیان کے بیٹے! کیا تمہیں کچھ رغبت ہے۔ (لوگوں کی غیر منقطع مدح وتمنا اور محبت (ہر دلعزیزی) کی طرف؟

انا نقول ویقضی اللہ مقتدرا ... وما یشاء ربنا من صالح یدم

ہم لوگ کہہ رہے ہیں اور اللہ قدرت رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی بات پوری کرے گا۔ اور ہم لوگوں کا رب کسی اچھے کام کو چاہتا ہے تو وہ کام برقرار رہ جاتا ہے۔

فاعہد تقاتلکم خذھا یزید وقل ... خذھا معاوی غیر العاجز الھرم

اپنے سے جنگ کرنے والوں پر نگرانی رکھو اور اے یزید اس خلافت کو حاصل کرو۔ اور اے معاویہ تم بھی اس پر قابض ہو کمزوری اور ناتوانی مت دکھاؤ۔

ولا تحط بھا فی غیر دارکم ... انی اخاف علیکم حیرۃ الندم

اور اس (خلافت) کو اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے گھر میں نہ اتارو۔ میں تمہارے بارے میں پشیمانی کی حیرانی سے ڈرتا ہوں۔

ان الخلافۃ ان تعرف لغیرکم ... تثبت معادلھا فیکم ولا ترم[2]

اگر یہ خلافت (تم دونوں کے سوا کسی تیسرے کے لیے معروف و منسوب ہوئی) (جب بھی) اس کے مراکز تمہیں لوگوں میں باقی رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے (کیونکہ اس کی اہلیت تمہیں میں ہے اور کسی میں نہیں۔)

---

[1] ائے امر صالح۔ [2] غالباً یہ اشارہ ہے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف جو حضرت معاویہؓ اور یزیدؒ

ولا تزالُ وفودٌ فی دیارِکُمُ — فی ظِلِّ ابلجَ سباقٍ الی الکرمِ

اور تمھارے ہی گھروں میں ہمیشہ لوگوں کے وفد آتے رہیں گے۔ — ایک بشاش چہرے والے بزرگی و کرم کی طرف بڑے سبقت لے جانے والے کے زیر سایہ (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ)

یہ اشعار اس زمانے کے لوگوں کے خیالات کے مظہر ہیں کہ حضرت علیؓ کے ایام میں جس خوفناک انتشار کا ملت کو سابقہ پڑا تھا حضرت معاویہؓ کے بیس سال عہد خلافت میں بالکلیہ دور ہو کر اتحاد و اخوت کی نعمتوں سے ملت اسلامیہ پھر متمتع ہو گئی حکمرانی کی ایسی صلاحیت دوسروں میں نہ تھی غرضکہ جب ولیعہدی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور کل امت کی رائے اس کی موافقت میں ایک یا معدودے چند افراد کے علاوہ بلا کسی دباؤ کے جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا خوش دلی سے حاصل ہو گئی تو شاعر نے یہ دو شعر اور لکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس ارسال کئے۔

رِحلت کما راح ادتعدو کعن دتبٍ — غدنٌ وخوذٌ علیھا راکبٌ یقنُ

ایک مضبوط تیز رفتار ناقہ ہے اور اس پر ایک سوار۔ — وہ رات کو چلا تو چل پڑی دن کو چلا تو چل پڑی۔ پیغام لایا ہے۔

تنتابُ آلَ ابی سفیان واثقۃً — بسیبِ ابلجَ منجاز لما یَعِدُ

کہ ایک دریا دل ہنس مکھ اور وعدہ وفا کے حسن تدبیر سے — اب خلافت پر آل ابی سفیان ہی یکے بعد دیگرے فائز ہوں گے۔

اسلامی عقیدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن اور افضل البشر و انسانِ کامل تھے ڈبلیو منٹگمری واٹ ایک غیر مسلم مورخ بھی جنھوں نے حال ہی میں آپ کی سیرت طیبہ پر دو کتابیں تالیف کی ہیں یہ اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ مفکر و مدبر و منتظم ہونے کی حیثیت سے آپ کی شخصیت فرزندان آدم میں عظیم ترین شخصیت تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ابتدائے اسلام کے تاریخی حالات پر کوئی شخص جتنا زیادہ

کے شروع ہی سے مخالف تھے اور اس ولیعہدی کی مخالفت انھوں نے کی تھی اور کرائی تھی۔

[۳] معدن اللغۃ مرکز و منتخب اللغات، [۴] لایرم لایزال

غور و خوض کرے اس کو آپ کی کامرانی و کامیابی کے وسعت و عظمت پر اتنا ہی زیادہ استعجاب ہوگا" اسی کے ساتھ اس مورخ نے عہد نبوی کے حالات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ نے کمال فراست و مردم شناسی سے انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے موزوں افراد کو پسند فرمایا تھا اور یہ ثابت ہے کہ آپ کے عمال میں غالب اکثریت بنی امیہ کی تھی اور جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں آپ نے حضرت ابوسفیانؓ ان کے فرزندان حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ کو متعین فرمایا خلاف صدیقی و فاروقی میں حضرت یزید بن ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ نے کیسی کیسی اہم خدمات ملیہ انجام دیں، جن اشخاص کو خود حضور سرور کائناتؐ نے پسند اور منتخب فرمایا ہو ان میں سے جو فرد بھی زمام خلافت ہاتھ میں لے یقیناً وہ خلیفہ راشد ہے اور اس کی خلافت 'خلافت راشدہ ہے۔ پھر آپ ہی کی پیشین گوئی کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ بارہ خلیفوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ سیاسی اختلافات اپنی جگہ اور نظام خلافت اپنی جگہ۔ ملت میں سوائے خلیفہ وقت کے نہ کوئی دوسرا امیرالمومنین ہو سکتا تھا اور نہ امام۔ لفظ امام خلفا ہی کے لئے مخصوص تھا۔ بعد میں علم حدیث و فقہ کے ماہرین کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزیدؒ سے بیعت نہیں کی مگر ان کے جیتے جی اپنی خلافت کی بھی بیعت نہیں لی۔ ان کے انتقال کے بعد جب بیعت لی کسی ہاشمی نے ان سے بیعت نہیں کی دیگر اہل خاندان کی طرح حضرت علی بن الحسینؒ اور ان کے فرزند جناب محمد بن علی (الباقرؒ) اور ان کے اخلاف سب خلیفہ وقت کی بیعت میں برابر شامل رہے۔ جناب علی بن موسیٰ (الرضاؒ) اور ان کے فرزند محمد بن علیؒ خلیفہ وقت کے داماد بھی تھے۔ اور ان کی بیعت میں شامل کتب تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ سب حضرات خلیفہ وقت کو امیرالمومنین کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ غرضیکہ ملت کے سیاسی نظام میں وہی فرد خلیفہ و امام تھا جس کو ملت کے داخلی و خارجی امور کی انجام دہی کا اختیار کامل حاصل تھا کوئی دوسرا شخص نہ ان القاب سے مخاطب ہو سکتا تھا اور نہ کیا جا سکتا تھا۔ ملت کی سربراہی اپنے وقت میں جیسی آل ابوسفیانؓ کی کامیاب رہی اس کا ثبوت

کتب تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ خلافت میں نہیں لیکن کاروبار خلافت اور انتظام مملکت کی بہترین انجام دہی میں حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ اور ان کی اولاد کا ممتاز حصہ رہا۔ حضرت حسینؓ کے واقعہ حزن انگیز میں امیر ابن زیاد کو متہم کیا جاتا ہے۔ لیکن بے لاگ تحقیق میں ان کا کوئی قصور ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی قصور ہوتا تو خود امیر المؤمنین یزیدؒ ان کو سزا دیئے بغیر کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ سندھ و مشرق کی ابتر حالت سنبھالنے میں اس خاندان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کی تفصیل ... پہلوی زبان کے رسم الخط میں امیر زیادؒ اور ان کے فرزند مسلم بن زیاد کے درہم و دنانیر سے جو اس عہد کے مسکوکات پر ملتے ہیں ان کی حکمرانی کی وسعت اور قوت و ... کا درست اندازہ کیا جا سکتا ہے اس زمانے میں ... کی سیاسی قیادت اور مملکت کی انتظامی مشین کی درستی آل ابو سفیان ہی کے تجربہ کار ہاتھوں میں تھی۔ مگر دشمنی روایات میں صورت حال کو جس قدر مسخ کر کے بیان کیا گیا ہے اس کی کوئی حد نہیں طرح طرح کے بہتان تراشے گئے اور مسلسل پروپیگنڈے سے تشہیر کی گئی۔

مفتریات واہیہ امیر یزیدؒ کے کردار کے بارے میں یہ جتنے بہتان زبان زد خاص و عام ہیں سبائی راویوں کے تراشیدہ اور بیان کردہ ہیں مورخین نے جن لوگوں کی سند سے یہ باتیں بیان کی ہیں ان میں سے اکثر کو آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مثلاً مورخ بلاذری نے جن راویوں کے سلسلہ روایت سے مے نوشی سے مدہوش ہو کر نماز ترک کر دینے۔ گانے بجانے والی چھوکریوں کو رکھنے شکاری کتوں بازوں بندروں کو پالنے وغیرہ کی روایتیں درج کی ہیں ذرا ان کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ بلاذری لکھتے ہیں:۔

حدثنی العمری عن الهیثم بن عدی عن ابن عیاش وعوانه وعن هشام بن الکلبی عن ابیه وابی مخنف وغیرهم	العمری نے مجھ سے بیان کیا، ان سے الہیثم بن عدی نے ان سے ابن عیاش وعوانہ نے ان سے ہشام بن کلبی نے ان سے ان کے باپ نے اور (اسی طرح) ابو مخنف وغیرہ سے بھی بیان کیا ہے)
(ص ۱ ج ۴ انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)	

ابو مخنف کو تو آپ جانتے ہیں آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مندرجہ بالا

راویوں میں پہلا راوی ہشام کا باپ محمد بن السائب الکلبی ابو النضر کوفی غالی سبائی اس خیال وعقیدے کا تھا کہ جبریل فرشتہ وحی الٰہی غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اس کو بھی آئمہ رجال کذاب کہتے ہیں۔

(ص ۶۲ ج ۳ میزان الاعتدال علامہ ذہبی) دوسرا پہلے راوی کا بیٹا ہشام متوفی ۲۰۴ھ ہے جس کو ابن عساکر نے رافضی ناقابل اعتماد کہا ہے اور دارقطنی نے متروک الحدیث (ص ۲۵۶ ج ۳ ایضاً) تیسرے راوی ابن عیاش کو بھی اسی طرح منکر الحدیث بتایا ہے۔ چوتھا راوی الہیثم بن عدی ہے جس کو امام بخاری نے ناقابل اعتماد اور کذاب کہا ہے نیز ابو داؤد نے بھی جھوٹا بتایا ہے (ص ۲۶۵ ج ۳ ایضاً) پانچویں العمری راوی متوفی ۲۲۹ھ کو بھی آئمہ رجال ضعیف الحدیث کہتے ہیں (ص ۳۵۴ ج ۳ ایضاً) ان کے علاوہ اور دو ایک اسی قماش کے راوی ہیں جن کی زبانی یہ خرافات مشتہر ہوئیں لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی امیر یزیدؒ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوئی سو برس بعد کا ہے کوئی ڈیڑھ سو برس کوئی دو سو برس بعد کا۔ کسی عینی شاہد کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی اس کے برخلاف جو بزرگ امیر موصوف سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، ان کے پاس مقیم رہے تھے اور شب و روز کے معمولات کے شاہد عینی تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) وغیرہم وہ سب امیر المؤمنین یزید کی نیکوکاری صوم وصلوٰۃ کی پابندی پرہیزگاری اور علم وفضل کے معترف رہے اور مے نوشی وغیرہ کے جو بہتان سیاسی مخالفت میں ان پر عائد کیے گئے ان کی پرزور تردیدیں کیں۔ یہ سب بزرگ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور باغیوں کی حرکات سے متنفر۔ بایں ہمہ ایک طبقے نے ان خرافات کا پروپیگنڈا اس شد و مد سے مسلسل اور متواتر کیا کہ اس کذب و دروغ و بدگوئی کو بھی لوگ سچ سمجھنے لگے۔ نازی پارٹی کے ڈائرکٹر نشر واشاعت گوبلس نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے سلسلے میں بتایا تھا کہ کیسا ہی سفید یا سیاہ جھوٹ بولو بے دھڑک بولو شد و مد سے بولو اور مسلسل و متواتر بولو اور پروپیگنڈا کرو تو بالآخر لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں گے یہی حالت اور کیفیت ان بہتانوں کے پروپیگنڈے کی ہوئی طرح طرح کے قصے اور حکایتیں تراشی گئیں۔ جن میں سے ایک لغو روایت جس کو کتاب الاغانی

کے غالی مؤلف نے درج کیا ہے۔ مثالاً پیش کی جاتی ہے مؤلف مذکور امیر یزیدؒ کے سفر حج کی یہ حکایت لکھتے ہیں کہ۔

ولما حج فی خلافة ابیه جلس بالمدینة علی شراب فاستاذن علیه عبد اللّٰه ابن العباس والحسین بن علی فامر بشراب فرفع وقیل له ان ابن عباس ان وجد ریح شرابك عرفه فحجبه واذن الحسین فلما دخل وجد رائحة الشراب مع الطیب فقال للّٰه دُرّ طیبه وما كنت احسب تقدمنا صنعة الطیب فما هذا یا ابن معاویة فقال یا ابا عبد اللّٰه هذا الطیب یصنع لنا بالشام ثم دعا بقدح فشربه ثم دعا بقدح آخر فقال اسق ابا عبد اللّٰه یا غلام فقال الحسین علیك شرابك ایها المرء لاعین ملیك منی تشرب۔

(ص۶ ج۱۳ کتاب الاغانی)

یزید نے جب اپنے والد کے زمانہ خلافت میں حج کیا تو مدینہ آکر شراب نوشی کر رہے تھے کہ اتنے میں (حضرت) عبد اللہ بن عباسؓ و (حضرت) حسین بن علیؓ نے آنے کی اجازت چاہی (یزید نے) شراب لانے کا حکم دیا پھر ہٹوا دیا کیونکہ ان سے کہا گیا (حضرت) ابن عباسؓ کو اگر تمھاری شراب کی بو آگئی تو پہچان جائیں گے۔ اس لئے شراب کو چھپا دیا پھر (حضرت) حسینؓ نے آنے کی اجازت چاہی وہ جب داخل ہوئے تو انہیں خوشبودار شراب کی خوشبو آئی (حسینؓ نے یزیدؒ سے کہا تمھاری یہ خوشبو کیسی اچھی ہے مجھے تو یہ گمان بھی نہ تھا خوشبو کی صنعت میں کوئی ہم سے سبقت لے جائے گا[1] اے ابن معاویہ یہ کیا خوشبو ہے؟ (یزید نے کہا) کہ اے ابو عبد اللہ[2] یہ خوشبو ہمارے لئے شام میں بنائی جاتی ہے پھر انھوں نے ایک پیالہ منگایا اور پیا پھر ایک اور پیالا منگا کر چھوکرے سے کہا کہ یہ ابو عبد اللہ کو پلاؤ۔ اس پر (حضرت حسینؓ نے) کہا کہ اے شخص یہ شراب

---

[1] حضرت حسینؓ کے دادا ابوطالب بن عبد المطلب خوشبوؤں اور عطریات کی تجارت کرتے تھے اور یہ اشیاء اپنے ہاں تیار کراتے تھے۔ یہ اشارہ اسی صنعت کی جانب ہے۔

[2] حضرت حسینؓ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔

اپنی تم اپنے ہی لئے رہنے دو میری نظریں تم پر نہیں (گویا میں نے منہ پھیرے لیتا ہوں تم پی جاؤ) پھر انھوں نے پی لی۔

اس حکایت کے وضع کرنے والے نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ امیر یزیدؒ مے نوشی کر رہے تھے۔ اس کے لئے "شراب" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق مسکر اور غیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے پھر تو خوشبو دار شراب تھی بمعنی شربت۔ لغت میں شراب کے معنی ہیں کل مائع یشرب یعنی ہر رقیق چیز جو پی جائے۔ قرآن شریف میں ہے یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس یعنی وہ شراب (پینے کی چیز) جو ان کے بطون سے مختلف رنگوں کی نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے یعنی شہد۔ اسی طرح شراب کا لفظ احادیث میں شربت کے لئے آیا مثلاً۔

ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اتی بشراب فشرب منه۔

(کتاب الاشربہ بخاری ص۸۴۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شراب لائی گئی پس آپ نے بھی پی یعنی شربت نوش فرمایا۔

اسی طرح دیگر کتب احادیث موطا ج۲ ص۱۶۱ و ترمذی ص۹۱ میں لفظ شراب شربت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک لفظ ہے جس کا اطلاق جیسا عرض کیا مسکر و غیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے۔ شراب شام (مثلث) چونکہ نشہ آور نہ تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے سفر کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت دی تھی حضرت عبادہ بن صامتؓ معترض ہوئے آپ نے فرمایا میں نے کسی حرام چیز کو حلال نہیں کیا۔ شراب شام (مثلث) میں نشہ (سکر) نہیں اس لئے حلال ہے (موطا امام مالک) آپ کے مکتوب موسومہ حضرت عمار بن یاسرؓ میں اس کی مزید تصریح ہے۔

انه (عمرؓ) کتب الی عمار بن یاسر انی اتیت بشراب من الشام طبخ حتی ذهب ثلثاه وبقی ثلثه یبقی حلاله ویذهب حرامه وریح جنونه فمر من قبلك فلیتوسعوا من اشربتهم

(ص۳۳۲ بذل المجهود شرح ابی داؤد)

حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسر کو لکھ بھیجا تھا کہ میرے پاس ملک شام سے شراب آئی ہے وہ پکائی گئی یہاں تک کہ اس کا دو ثلث جل گیا ایک ثلث باقی رہ گیا۔ حلال بچی رہ جائے گا حرام جل جائے گا۔ نشہ کرنے والی اڑ جائے گی پس

تم اپنے یہاں کے لوگوں کو حکم دے دو کہ
وہ اپنے مشروبات میں وسعت پیدا کر سکتے
ہیں یعنی استعمال کر سکتے ہیں۔

اسی شراب شام (مثلث) کو صحابہ و تابعین کی طرح امیر یزیدؒ بھی خوشبوئیں شامل کر کے استعمال کرتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ تو اس شراب شام (مثلث) کے استعمال کو شرائط اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

احلال المثلث من شرائط اهل سنة والجماعة وان لا يحرم النبيذ لما ان تحريمه تفسيق كبار الصحابة والكف عن تفسيقهم والامساك عن طعن فيهم من شرائط اهل سنة والجماعة

(ص ۳۳۲ ج ۱ بذل المجہود شرح ابی داؤد)

مثلث (شراب شام) کو حلال سمجھنا اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔ اور نبیذ کو حرام نہ سمجھنا بھی کیونکہ اس کو حرام سمجھنے میں بڑے بڑے صحابہ کو مبتلائے فسق کرنا لازم آتا ہے اور صحابہ کو مبتلائے فسق نہ کرنا، اور ان کے طعن سے زبان روکنا بھی منجملہ اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے

مثلث (شراب شام) کے استعمال سے جب اہل سنت والجماعت کے محترم امام کے فتوے کے بموجب کسی پر زبان طعن دراز نہیں ہو سکتی اس کو فاسق و فاجر نہیں کہا جا سکتا تو امیر المومنین یزیدؒ کو اس بارے میں کیوں مستثنیٰ کیا جائے کیا محض سیاسی مخالفت کے پروپگنڈے کی بنا پر؟

عجم میں لفظ شراب کا اطلاق خمر پر ہوتا ہے، عرب میں خمر خاص ہے اور شراب تمام مشروبات پر حاوی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے یعنی حرمت الخمر بعينها والمسكر من كل شراب (کتاب الاشربہ نسائی) یعنی خمر اصلاً حرام ہے اور پینے کی جس چیز میں نشہ ہو وہ بھی لا عبرة بالتسمية مشروبات میں کسی شربت پر عربی لفظ شراب کا اطلاق ہونے سے کہ اس میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہو جاتا اغانی کی مندرجہ بالا حکایت میں شراب کا لفظ اسی خوشبودار شربت مثلث (شراب شام) کے لئے ہے اور وہ ایسا خوشبودار تھا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت حسینؓ کو اس کی خوشبو پر تعجب ہوا۔ یہ شربت (مثلث) اہل شام کو مرغوب تھا ایسے ہی

اہل عراق کو نبیذ مرغوب تھی۔ یہ دونوں غیر نشہ آور مشروبات تھے جو صحابہ اور تابعین استعمال کرتے تھے اور جیسا ابھی ذکر ہوا شراب شام (مثلث) اور نبیذ کے استعمال کو حرام نہ سمجھنا تو امام ابو حنیفہؒ نے شرائط اہل سنت والجماعت میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے شربت کو شراب الصالحین کا نام دے کر لوگ پیتے پلاتے لطف اندوز ہوتے ہیں شراب شام کی جب یہی نوعیت ہو تو ایک حلال اور دوسری حرام این چہ بوالعجبی است ؎

زہد و منع بادہ اے زاہد کا فر نعمتی است
دشمن مے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن

عجیب عجیب لغو قصے اور مہمل حکایتیں امیر یزیدؒ کو بادہ پرستی سے متہم کرنے کے لئے تراشے گئے جیسے اغانی کی مندرجہ بالا حکایت ہے۔ آج کے شر القرون میں بھی ام الخبائث کے علانیہ استعمال کی جب جسارت نہیں کی جاتی تو خیر القرون کے ممتاز تابعی پر جس نے بدو شعور سے صحابہ کبار کی صحبت و مجالست کی سعادت حاصل کی ہو۔ اور جو فریضہ حج کی ادائیگی کی غرض سے اور امیر حج کی حیثیت میں دمشق سے ارض مقدسہ حجاز پہنچا ہو یہ بہتان باندھنا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جہاں کے دو ممتاز ہاشمی اور فاروقی خانوادوں کی خواتین اس کے حبالۂ عقد میں ہوں بادہ نوشی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسین بن علیؓ ملاقات کو تشریف لائے۔ حضرت حسینؓ نے شراب کی خوشبو کی تعریف کی تو دو قدحے منگوائے ایک خود پیا اور دوسرے سے ان کی تواضع کی، انتہائی لغو بیانی ہے پہلی بات تو بس حکایت کے بارے میں قابل لحاظ ہے کہ امیر یزیدؒ ہر حیثیت سے ان کے خورد تھے سن و سال میں بھی اور رشتہ و قرابت میں بھی۔ ایک رشتے سے حضرت حسینؓ ان کے خسر ہوتے تھے اور دوسرے رشتے سے بہنوئی۔ اپنے ایسے محترم بزرگ کے سامنے جو علو مرتبت کے ساتھ اتقا اور پرہیزگاری میں شان امتیاز رکھتے ہوں امیر موصوف کو مے نوشی کی مجال ہی کب ہو سکتی تھی۔ چہ جائیکہ بادۂ مست سے اپنے بزرگ کی تواضع کرنا اور اگر ان جیسے سنجیدہ اور متین خورد نے ایسی گستاخی کی جسارت بحالت نشہ بھی کی ہوتی تو حضرت حسینؓ کیوں

خاموش رہتے وہ تو اپنے اس عزیز کی وہ گوشمالی کرتے کہ سارا نشہ ہی ہرن ہوجاتا اس لغو حکایت کے وضع کرنے والے نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا کہ کیسی واہی بات کس کے بارے میں کہہ رہا ہے یعنی حضرت حسین رضؓ سے یہ قول منسوب کر رہا ہے۔ علیک شرابک ایھا المرءلا عین علیک منی (اے شخص تیری شراب تجھے سزاوار ہم تجھے نہیں دیکھ رہے بالفاظ دیگر ہم نظر بچائے لیتے ہیں تو نوش کرجا) کس درجہ مہمل قصہ تراشا ہے اگر کچھ بھی اصلیت اس حکایت کی سمجھی جائے تو یہ ہوسکتی ہے کہ اپنے محترم بزرگ کی تشریف آوری پر اسی خوشبودار شربت سے جو شراب شام کہلاتی تھی تواضع کی گئی ہوگی اس کی خوشبو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسین رضؓ نے تعریف بھی کی تھی لیکن " قدح آخر" کے پینے سے جیسا اس حکایت میں بیان ہوا ہے حضرت حسینؓ کا پرہیز کرنا نشہ آور چیز کے پینے سے پرہیز کرنا تھا بلکہ مرض برسام کی وجہ سے خوشبودار ٹھنڈے شربت کے استعمال کرنے میں احتیاط برتی ہوگی۔ یہ عارضہ حضرت حسین رضؓ کو اپنے والد محترم کے زمانہ قیام عراق میں عارض ہوا تھا جو مزمن صورت اختیار کرگیا تھا اور اس لئے ضروری تھا کہ آپ اس قسم کے مشروبات سے پرہیز کریں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ زبان اور آلات تکلم متاثر تھے۔

ابن جریر طبری نے فرزوق شاعر کا یہ قول اسی کے بیٹے لبطہ کی سند اور ہشام کلبی جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ " جب میں نے حضرت حسین رضؓ سے حدود حرم کے اندر ملاقات کے وقت مناسک حج اور دعائیں معلوم کیں، اور آپ نے مجھے بتائیں تو آپ کی زبان میں ثقل تھا فرزوق کے الفاظ ہیں :- "فاذا هو ثقيل اللسان من برسام اصابه بالعراق"

(ص۲۱۸ ج۶ طبری) یعنی مرض برسام کی وجہ سے جو عراق (کے قیام) میں آپ کو عارض ہوگیا تھا ثقیل اللسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل آپ کے شامل حال ہوا کہ اس مرض کے دیگر عوارض اور شدائد سے جو اختلاط ذہنی وغیرہ کے عارض ہوجاتے ہیں آپ محفوظ رہے[1]

[1] مرض برسام کے بارے میں عہد مامون کے مشہور عراقی طبیب علی بن العباس المجوسی لکھتے ہیں :- (بقیہ صفحہ ۴۱۷)

" زبان موٹی پڑجانے سے البتہ منہ سے بولنے میں تکلف ہوتا تھا ناک کی مدد سے بولنا پڑتا تھا۔ علامہ ابن کثیر نے شہاب بن حراش راوی کے عزیز کی جس نے عراق میں آپ سے بات چیت کی تھی یہ روایت نقل کی ہے :-

فلقيت حسيناً فرايته اسود الرأس	اور میں نے حضرت حسین رضؓ سے ملاقات
واللحية فقلت له السلام عليك	کی ان کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ
يا اباعبد الله فقال وعليك السلام	دیکھے پھر میں نے ان سے کہا السلام علیک
وكانت فيه غنة۔	یا ابو عبد اللہ۔ انھوں نے فرمایا وعلیک السلام
(ص۱۶۹ ج۸ البدایہ والنہایہ)	اور وہ ناک میں بولتے تھے۔

شاید اسی مزمن مرض ہی کے اثرات کا سبب ہو کر آپ کی نسل کے بعض اشخاص کے تکلم کی بھی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہی شہاب بن حراش کہتے ہیں کہ آپ کے پوتے (جناب زید بن علی بن حسین رضؓ) بھی اسی طرح بولتے تھے۔

فحدثت به زيد بن علي فاعجبه	(شہاب نے کہا) میں نے زید بن علی بن حسین سے
وكانت فيه غنة قال سفيان بن	وہ بات بیان کی جو انھیں بڑی اچھی لگی۔ وہ
عيينة وهي في الحسينيين۔	بھی ناک میں بولتے تھے اور سفیان بن عیینہ
(ص۱۶۹ ایضاً)	کہتے تھے کہ حسینیوں میں یہ چیز پائی جاتی تھی۔

اگر واقعہ یہی ہے جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے مزمن مرض

بقیہ ص۴۱۶

البرسام وهي ورم يحدث في الحجاب	حجاب حاجز کے ورم کو برسام کہتے ہیں اس
ويتبع ذلك اختلاط الذهن لما يتادى	ورم کے نتیجے میں دماغ کو بالمشارکت ضرر پہنچتا
عنه الضرر الى الدماغ بالمشاركة	ہے اور ذہن میں اختلاط واقع ہوجاتا ہے۔
(ص۳۵۵ کامل الصناعۃ طبع مصر)	یعنی مریض خبط الحواس ہوجاتا ہے۔

"بر" صدر (سینہ) کو کہتے ہیں (ص۴۵ المعرب للجوالیقی)، برسام اور سرسام دو جداگانہ مرض ہیں۔ برسام کو "الموم" بھی کہتے ہیں (حاشیہ لسان العرب)، شفاء الغلیل للخفاجی (ص۳۱ طبع مصر) میں برسام اور سرسام کو ایک ہی عارضہ کہا ہے مگر سرسام سے سر متاثر ہوتا ہے اور برسام سے ورم حاجز عارض ہوجاتا ہے جس کا ابتدائی اثر آلات تکلم پر پڑتا ہے۔

کی وجہ سے جس سے آلات تکلم متاثر تھے حضرت حسینؓ نے ٹھنڈے شربت کا "قدحِ آخر" نوش کرنے سے پرہیز کیا ہوگا اور اس حالات مرض میں پرہیز کرنا ہی چاہئے تھا مگر امیر یزیدؒ پر بہتان تراشی کی غرض سے اس حکایت کے وضع کرنے والے نے اس "قدحِ آخر" کو "قدحِ مے" سے تعبیر کر کے یہ مہمل قول آپ سے منسوب کر دیا۔ امیر یزیدؒ کو اگر آپ بادہ پرست دمے گسار جانتے تو ملاقات ہی کو کیوں تشریف لاتے۔ تین سال متواتر امیر یزیدؒ امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ حضرت حسینؓ اور دیگر صحابہ وتابعین میں سے کسی نے بھی ان کی اقتداء میں مناسک حج ادا کرنے سے انکار نہیں کیا[1]۔ جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار تھے۔ اکابر صحابہ کی جماعت بشمول حضرت حسینؓ ان کی فوج میں شامل تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی ایک "بادہ پرست" کی قیادت پر اعتراض نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ مے نوشی کے یہ بہتان بعد میں تراشے گئے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خلافت کے لئے اپنے کو زیادہ اہل سمجھا اور بلاشبہ وہ امیر یزیدؒ سے بعض فضائل ذاتی میں برتر تھے اور اپنی برتری کا گفتگوؤں میں اظہار بھی کرتے تھے لیکن اپنی زبان سے کبھی امیر یزیدؒ کو بادہ گسار دمے نوش نہیں کہا۔ ان اتہامات کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو آپ جیسے نڈر اور شجیع شخصیت کو اظہار حقیقت سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔ آپ امیر یزیدؒ کے ذاتی حالات سے بخوبی واقف تھے ان کو نہ مے نوش جانتے تھے اور نہ فاسق وفاجر۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں راویوں نے بیان کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو شرب خمر سے متہم کرتے تھے مگر اپنے ذاتی علم سے نہیں سنی سنائی باتوں سے بلاذری کی مندرجہ ذیل روایت سے اس کا بھی انکشاف ہو جاتا ہے۔

بسط ابن الزبیر لسانہ فی یزید بن معاویۃ وتنقصہ وقال بلغنی انہ یصبح سکران ویمسی کذالک

(ص ۳۱ ج ۲ انساب الاشراف)

ابن الزبیرؓ نے یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان کھولی اور ان کی تنقیص کی اور کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں وہ صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام۔

---

[1] حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں ۲۵ حج کئے جن میں سے متعدد پاپیادہ کئے (کتاب نسب قریش، ص ۲۵)

گویا انھوں نے اپنی زبان ہی سے یہ اقرار کیا کہ یزیدؒ کی شراب نوشی کا کوئی ذاتی علم ان کو نہ تھا لوگوں سے سن سنا کر اپنی زبان کھولی تھی۔ امیر المومنین یزیدؒ نے بعض لوگوں کو جو یہ جھوٹی باتیں کہتے تھے دروغ گوئی کی سزا بھی دی تھی۔ حضرت ابن زبیرؓ پر ان کو بہت غصہ آیا اور سخت کارروائی کرنے کا تہیہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور ان کے فرزند معاویہ ثانی نے کہا۔

یا امیر المومنین ان ابن الزبیر رجل الیٰ لجوج فدعہ علی امرہ۔

(ص ۴۲ ج ۲ انساب الاشراف)

اے امیر المومنین ابن زبیرؓ ضدی اور جھگڑالو شخص ہیں انھیں ان ہی کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

مگر یہ مشورہ قبول نہ ہوا اپنی قسم پوری کرنے کے لئے ان کو گرفتار کرانا چاہا چند افسر بھیجے جن میں ایک افسر عبداللہ بن عضاۃ الاشعری بھی تھے ان سے اور حضرت ابن الزبیرؓ سے جو گفتگو ہوئی بلاذری نے الہیثم وغیرہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے "عضاۃ" کو دوسری جگہ "عضام" بھی لکھا ہے۔

ابن زبیر ــــ میں تو مسجد الحرام کے کبوتروں میں سے (گویا) ایک کبوتر ہوں کیا تم لوگ کبوتران حرم سے بھی لڑائی کروگے؟

ابن عضاۃ نے یہ الفاظ ان کے منہ سے سنکر اپنے آدمی کو آواز دے کر بلایا۔ اور کہا کہ ذرا تیر کمان تو اٹھا لاؤ۔ جب تیر کمان آگیا ابن عضاۃ نے ایک تیر کمان پر چڑھایا اور ایک کبوتر پر شست باندھ کر کہا "اے کبوتر! کیا یزید شراب نوش ہیں تو نے اگر ہاں کہا تو واللہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ پھر کہا۔

یا حمامۃ أتخلعین امیر المومنین یزید وتفارقین الجماعۃ وتقیمین بالحرم یستحل بک۔

(ص ۴۱ ایضاً)

اے کبوتر! کیا تو امیر المومنین یزید کی بیعت (خلافت) توڑ بیٹھے گا جماعت (مسلمین) سے علیحدگی اختیار کرے گا۔ اور حرم کعبہ میں مقیم ہوگا تاکہ یہاں (پناہ گزین) ہونا تجھے حلال ہو جائے؟

ابن زبیرؓ ــ ہائیں! ابن عضاۃ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیا پرند بھی بات چیت کر سکتے ہیں؟

ابن عفاۃ ۔ پرند تو باتیں نہیں کرسکتے مگر تم تو بول سکتے ہو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سے ہم بیعت لے کر رہیں گے خواہ برضا مندی یا بکراہت ورنہ ہم تم سے قتال کریں گے۔ اور تم اگر خانہ کعبہ کے اندر جا بیٹھو گے تمھیں وہیں سے پکڑیں گے۔ چاہے اس میں ہمیں الہدام واحراق کا کوئی کام ہی نہ کرنا پڑ جائے۔

ابن زبیر۔ تو کیا تم مسجد الحرام اور بیت اللہ میں لڑائی کو حلال وجائز کردو گے۔

ابن عفاۃ ۔ یہ تو وہ کرے گا جو اس کے اندر بیٹھ کر خلاف ورزی (احکام شریعت) کا مرتکب ہوگا۔ "الحدیقہ"

اس صاف گوئی پر حضرت ابن الزبیرؓ دم بخود رہ گئے کچھ نہ کہہ سکے۔ شرب خمر کے اتہام کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو اس موقع پر وہ اپنی زبان کیوں نہ کھولتے کیوں چپ سادھے رہتے۔ امیر یزیدؒ نے جب باغیان مدینہ کی سرکوبی کے لئے فوجی دستہ بھیجا ہے اس وقت تین شعر فی البدیہہ کہے تھے جو ابتدائی اوراق میں درج ہیں۔ ان میں ان ہی ابن الزبیرؓ کو مخاطب کرکے کہا تھا کیا تم اسے شرابی بدمست کی جماعت سمجھتے ہو، یا اس ہوش مند کی جو (بغاوت فرد کرنے کو) فوجیں روانہ کرتا ہے۔ آخری شعر تھا ؎

واعجباً من ملحد واعجباً　　مخادع فی الدین یقفو بالفری

افسوس اُس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) پر افسوس۔　　جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بات بیان کرتا ہے۔

"مخادع فی الدین" سے سیاسی اغراض کے لئے کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہوکر بغاوت وفتنہ پیدا کرنے کا پروپگنڈہ مراد ہے اور "یقفو بالفری" سے شرب خمر وغیرہ کے بہتانوں کی جانب صاف اشارہ ہے۔ سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کی آڑ لینے اور اس طرح دین میں نئی بات پیدا کرنے کی بنا پر "ملحد" کہا۔ اور ابن عفاۃ نے بھی اپنی گفتگو میں کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہوکر نظام سیاسی درہم برہم کرنے کی کارروائی کے بارے میں "الحدیقہ" کہا تھا غرضیکہ یہ باتیں تو ان کے ہمعصر سیاسی مخالفین کی تھیں مگر جتنا زمانہ گزرتا گیا نئے نئے بہتان تراشے گئے حتی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درمیان میں لایا گیا اور اس قسم کی بکثرت بے لغو روایتیں گھڑی گئیں کہ یزید کو

حضرت معاویہؓ کی گود میں دیکھ کر آپ نے فرمایا ایک دوزخی جنتی کی گود میں جارہا ہے حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ یزید کی ولادت آپ کی وفات کے کم از کم بارہ برس بعد ہوئی تھی جھوٹی حدیثوں، وضعی روایتوں اور بہتانوں کا انبار در انبار ہے جو عہد بہ عہد وضع ہوکر دیگر کتب کے علاوہ کتب تاریخ میں بھی موجود ہے۔ ناسخ التواریخ کے مؤلف نے تو حد سے بھی تجاوز کرکے ۶۱ھ کے اس سیاسی حادثہ کا تذکرہ نوع انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم ؑ سے ہبوط کرۂ ارض کے سلسلہ میں کرتے ہوئے امیر یزیدؒ پر ان کی زبان سے ایک مرتبہ نہیں اکٹھے چار مرتبہ لعن کے الفاظ کہلوائے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ بی بی حوّا کی تلاش میں تمام کرۂ ارض کا چکر کاٹ کر جب زمین کربلا پر گزر ہوا تو یکایک ان پر "اندوہ بزرگ" طاری ہوگیا سینہ میں تنگی محسوس ہوئی پیروں میں لغزش ظاہر ہوئی "وخون از پائے او بردمید" (ص۲۱۱ ج۲) یعنی ان کے پیروں سے خون جاری ہوگیا حضرت آدم ؑ نے بارئ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ساری دنیا میں پھر آیا ہوں کہیں بھی یہ کیفیت میری نہیں ہوئی۔ کیا خطا یہاں مجھ سے سرزد ہوئی جو ایسا ہوا۔ جواب میں یہ وحی آئی۔

یا ادم ماحدث منک ذنب ولکن　　اے آدم گناہ تو تم سے کوئی سرزد نہیں ہوا لیکن
یقتل فی ھذہ الارض ولدک الحسین　　اس زمین پر تمھاری اولاد میں سے حسین قتل
ظلماً فسال دمک موافقۃ لدمہ　　ہوگا اس لئے یہ تمھارا خون اس کے خون کی
(ص۲۱۱ ج۲ ایضاً)　　موافقت میں بہ گیا ہے۔

حضرت آدم ؑ کے پوچھنے پر کہ قاتل حسینؓ کون ہوگا "خطاب آمد یزید ملعون اہل آسمانہا وزمینہا است"، چنانچہ جبریل کے مشورہ سے انھوں نے چار مرتبہ یزید پر لعن کیا اس کے بعد مؤلف ناسخ التواریخ نے ہر نبی و پیغمبر کو جن کے نام انھیں یاد تھے کربلا پہنچا کر ان کی زبان سے بھی اسی طرح الفاظ لعن کہلوائے ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اسی اپنی کتاب میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی جو تقریریں اور گفتگوئیں درج کی ہیں ان میں یزید اور اہل شام کا نہیں کوفیوں ہی کا شکوہ ہے زہیر بن القین کے تو یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اے لوگو! حسینؓ کا راستہ مت روکو ان کو اپنے ابن عم یزید کے پاس جانے دو" کیا ایک بادہ پرست کے

پاس جا رہے تھے۔ اور وہ بھی بیعت کرنے کو!

لیکن اقوال محقق دبے ہوئے حادثہ کربلا نے رفتہ رفتہ اور تدریجاً افسانے کی شکل اختیار کر لی۔ وضعی روایتوں اور مسلسل پروپیگنڈے، مثالب کی لغو حکایتوں مناقب کی جھوٹی حدیثوں سے واقعات تاریخ مسخ صورت میں پیش کئے گئے حقیقت تعصبات کے پردے میں روپوش ہو گئی اور ایسی فضا پیدا کر دی گئی کہ سب و شتم کے سوائے کسی کو کچھ یاد نہ رہا اور اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ ؎

انھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ ابن معاویہؓ مے نوش و عیاش و ستمگر تھے[1]

ان اوراق میں اس بارے میں تفصیلاً لکھنے کی گنجائش نہیں۔

حلیہ: جسمانی حیثیت سے امیر یزیدؒ متناسب الاعضاء تھے۔ قدبلند وبالا جسم مضبوط رنگ گورا، خوبصورت آنکھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی۔
(ص ۲ ج ۴ انساب الاشراف بلاذری)

ویقال ابیض وکان حسن اللحیۃ خفیفھا (ص ۳ ایضاً)	یہ بھی کہتے ہیں کہ یزیدؒ سفید گورے رنگ کے تھے اور ہلکی خوبصورت داڑھی تھی۔

وفات: بروایت اصح ۱۴ ربیع الاول کو بعارضہ نقرس حوارین میں جو تدمر اور دمشق کے درمیان پر فضا مقام ہے وفات ہوئی ان کے فرزند اور ولیعہد معاویہ بن یزیدؒ نے نماز جنازہ پڑھائی تدفین کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ واقدی کی روایت ہے کہ ہر دلعزیز امیر المومنین کا جنازہ اتنے دور مقام سے لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور جامع دمشق کے مقبرہ باب الصغیر میں ان کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال الواقدی دفن یزید بدمشق فی مقبرۃ الباب الصغیر ومات بحوارین فحمل علی اعناق الرجال الیھا فیھا	واقدی کہتے ہیں کہ یزید دمشق میں باب الصغیر کے مقبرے میں دفن ہوئے انتقال ان کا حوارین میں ہوا وہاں سے جنازے کو

---

[1] علامہ شبلی کے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں تصرف لفظی کیا گیا ہے۔

دفن الی معاویۃ۔ (ص ۱۲ ج ۴ انساب الاشراف بلاذری)	لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور ان کے والد (حضرت) معاویہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔

سیدنا حضرت معاویہؓ کی قبر تو آج بھی موجود ہے مگر امیر المومنین یزیدؒ کی قبر کے آثار مٹا دیئے گئے ہیں۔ امیر یزیدؒ دشمنی نے ایک دوسرے مقام کو ان کا مدفن ظاہر کیا ہے جو غلط ہے۔ ابوبکر بن حنظلہ نے امیر یزیدؒ کا مرثیہ کہا تھا اس کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق میں نہیں حوارین ہی میں ہے وہ شعر یہ ہے۔

یا ایُّھا القبر بحوارینا	ضَمَمْتَ خیرَ النّاسِ اَجْمَعِیْنا
اے وہ قبر جو حوارین میں ہے	سب لوگوں میں سے اچھا شخص تیرے پہلو میں آرام کر رہا ہے۔

مگر اس شعر کو اس طرح بھی کہا گیا ہے۔

یا ایُّھا المیّت بحُوّارینا	اَصبحتَ خَیْرَ النّاسِ اَجمعینا
اے وہ شخص جس کا انتقال حوارین میں ہوا	تو سب آدمیوں سے بہتر ہو گیا

امیر المومنین یزیدؒ نے بیالیس برس کی عمر پائی تقریباً یہی عمر ان کے نواسے امیر المومنین یزید بن عبد الملکؒ کی ہوئی۔ مدت خلافت تین برس نو مہینے تھی۔ اور تقریباً یہی مدت خلافت ان کے ہم نام نواسے یزید بن عبد الملکؒ کی بھی ہوئی۔

ازواج واولاد: امیر المومنین یزیدؒ کی زوجہ اولیٰ والدہ معاویہؒ ثانی کلبیہ خاتون تھیں ان کے انتقال کے بعد ان چار خواتین کو با وقات مختلف حبالہ عقد میں لائے (۱) بنت ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس۔ نام فاختہ تھا اور لقب حبہ (۲) ام کلثوم بنت عبد اللہ بن عامر امویہ۔ (۳) ام محمد بنت عبد اللہ بن جعفر طیار ہاشمیہ (۴) ام مسکین بنت عاصم بن حضرت عمر فاروقؓ اولادیں تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں کل انیس اولادیں تھیں بیٹیوں میں سیدہ عاتکہ زوجہ امیر المومنین عبد الملکؒ بڑی دانشمند بی بی تھیں۔ ان سے دو بیٹے یزید و مروان فرزندان عبد الملکؒ ہوئے۔ سیدہ عاتکہ نے طویل عمر پائی قرشیہ خواتین میں یہ خصوصیت صرف ان ہی کو حاصل تھی کہ بارہ خلفائے اسلام ان کے محرم تھے یعنی

(۱) ان کے دادا حضرت معاویہؓ (۲) ان کے والد امیر یزیدؒ (۳) ان کے بھائی معاویہ ثانیؒ (۴) ان کے خسر مروانؓ بن الحکم (۵) ان کے شوہر عبدالملکؒ (۶) ان کے فرزند یزید بن عبدالملکؒ ان کے تین سوتیلے بیٹے (۷) الولید (۸) سلیمان (۹) ہشام، انکے پوتے (۱۰) ولید بن یزید اور سوتیلے بیٹے الولید بن عبدالملک کے دو بیٹے (۱۱) یزید اور (۱۲) ابراہیم امیر یزیدؒ کی دوسری صاحبزادی ام یزید کی شادی الاصبغ بن عبدالعزیزؒ بن مروان سے ہوئی۔ تیسری بیٹی رملہ عباد بن امیر زیاد کی زوجہ تھیں ان کے فوت ہو جانے پر چوتھی بیٹی ام عبدالرحمٰن بھی ان ہی کو بیاہی گئیں۔ پانچویں بیٹی امیرالمومنین یزید کی ام محمد زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان تھیں اور چھٹی صاحبزادی ام عثمان زوجہ عثمان بن محمد بن ابوسفیان تھیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امیرالمومنین یزیدؒ کے تیرہ بیٹوں میں (۱) معاویہؒ ثانی سب سے بڑے تھے جو خلافت پر فائز ہوئے (۲) خالد (۳) عبداللہ الاکبر (۴) ابوسفیان (۵) عبداللہ الاصغر جن کا لقب الاسوار تھا (۶) محمد (۷) ابوبکر (۸) عمر (۹) عثمان (۱۰) عبدالرحمٰن (۱۱) عتبہ (۱۲) یزید (۱۳) عبداللہ جن کو اصغر الاصاغر کہتے تھے۔ رحمہم اللہ۔

امیرالمومنین معاویہ ثانیؒ

معاویہ ثانیؒ اپنے والد کے فرزند اکبر تھے، ان کی والدہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر کی بھتیجی تھیں سنہ ۴۲ھ ولادت ہوئی۔ بیعت خلافت کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی بلاذری کہتے ہیں کہ:-

فلما مات یزید بایع الناس معاویۃ وانتہ بیعۃ الآفاق الا ماکان من ابن زبیر فولی ثلاثۃ شہر (ص۲۱۷ انساب الاشراف)

جب یزید کی وفات ہوگئی لوگوں نے معاویہ ثانیؒ سے بیعت کی اور سوائے ابن زبیرؓ کے اور تمام مقامات کے لوگوں نے بیعت کی تین مہینے خلیفہ رہے۔

معاویہ ثانیؒ بڑے نیک خصلت اور باپ دادا کی طرح حلیم وکریم تھے خلقتاً کمزور جثہ کے تھے، رنگ سرخ وسفید تھا۔ کان شاباً صالحاً (وہ جوان صالح تھے) (تاریخ الاسلام ذہبی ج۲ ص۱۸۲) حدیث اور تفسیر کی اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے استاد عمر المخصوص تابعی عقیدتاً قدریہ تھے استاد کے خیالات کا اثر شاگرد پر بھی پڑا تھا۔ بچپن سے اپنے دادا حضرت معاویہؓ کی شفقت میں پرورش پائی تھی۔ بیعت خلافت کے وقت سیاسی حالات سازگار نہ تھے۔ عراق وحجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرفداروں کی تحریک شدت سے جاری تھی اور خود ملک شام میں حضرت ضحاکؓ بھی ان ہی کے طرفدار تھے۔ معاویہ ثانیؒ نے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پائی اپنے استاد سے مشورہ کیا انھوں نے کہا اگر معدلت کے ساتھ سیاسی حالات کو درست کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہو خلافت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اعیان حکومت سرداران قبائل اور علماء وفضلاء کا بڑا جلسہ طلب کیا اور قبل جلسہ اپنے والد اور دادا کے مخصوص لوگوں سے علیحدہ علیحدہ بات چیت کی۔ پھر اس مجمع عام میں تقریر کی جلسہ میں بیشتر وہ حضرات موجود تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی خلافتوں میں بڑے بڑے کام کئے تھے اور ان کے مخالفوں

سے نبرد آزمائی کی تھی۔ معاویہ ثانیؒ اپنے باپ دادا کی طرح اچھے خطیب بھی تھے۔ ان کی اس تقریر کے بعض جملے مورخین نے نقل بھی کئے ہیں۔ یہ فقرہ ان سے منسوب ہے کہ خلافت اگر کوئی اچھی چیز ہے تو آل ابی سفیان اس کا خوب مزہ چکھ چکے۔ اگر بری چیز ہے تو ہم کو اس کی حاجت نہیں۔ وان کان شرا فلاحاجة لنا فيه (ص۶۵) پس آپ خود اپنے میں سے اپنا امام منتخب کرلیں فاختاروا لانفسكم اماما۔ (ایضاً) اور ایسے شخص کی بیعت کرلیں جو اس کام میں مجھ سے زیادہ خواہشمند ہو۔ تبايعوه هو احرص على هذا الامر منى (ایضاً) پھر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ میری بیعت سے آزاد ہیں اور حسان بن مالک کو متعین کیا کہ جب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو جائے تم نماز پڑھاؤ اور مجلس شوریٰ کے انعقاد کا انتظام کرو۔ سبائی راویوں نے ان کی اس تقریر کے بعض فقرے وضع کر کے مشہور کئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے والد اور دادا کی برائیاں بیان کی تھیں مگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ برائیاں بیان کرنے کے لئے انھوں نے ان لوگوں کو جلسے میں طلب کیا جو ان کے باپ دادا کی پالیسی کے طرفدار اور ان کے کارگزار عمال ہی تھے مجمع میں نہ سبائی عراقی تھے اور نہ بلوائی حجازی بگری کرتے بھی تو کس کے سامنے کس کے مواجہہ میں۔ یہ سب وضعی باتیں ہیں۔ مدت خلافت کے لئے بھی کسی نے چالیس دن بیان کئے ہیں کسی نے بیس دن لیکن تحقیق سے یہ مدت تین سے لے کر چھ مہینے ثابت ہوتی ہے۔ مرض الموت کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ وبائی ہیضے میں فوت ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی علامہ خالد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ صغیر باب الفرادیس میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ۔ ان سے کوئی عقب نہیں اپنے دادا کی طرح ان کی کنیت عبدالرحمٰن تھی۔ مخالف تنقیصاً ابولیلی لیتے تھے۔

علامہ خالد بن امیر المومنین یزیدؒ

مسلمانوں میں سب سے پہلے سائنس داں اور بانی کیمیا

امیر المومنین معاویہؓ اور امیر المومنین یزیدؒ کے علمی ذوق کی بدولت دمشق میں یوں تو علماء و فضلا کی اچھی جماعت موجود تھی لیکن خود بیت معاویہؓ "بیت الخلافہ" کے ساتھ "بیت الحکمۃ" بھی بن گیا تھا۔ ان ہی کے پوتے علامہ خالد بن یزیدؒ تھے جو علم حدیث و تفسیر و لسانیات کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علوم طبعیہ، فنون طب اور کیمیا سے ان کو خاص شغف تھا۔
صاحب ضحاة الطرب فی تقدمات العرب نیز ابن خلکان (ص۲۱۱) نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"كان اول من اشتهر فى الطب بين الاسلام خالد بن يزيد بن معاوية الاموى۔

كان اعلم القريش بفنون العلم وله كلام فى صنعة الكيمياء والطب ورسائله فيهما دالة على معرفته وبراعته [1]

زمانہ اسلام میں سب سے پہلے علم طب میں جو شخص مشہور ہوا وہ خالد بن یزید بن معاویہ اموی تھا جو قوم قریش میں فنون علمیہ کا بڑا عالم تھا۔ کیمیا اور طب کے رموز اس نے بیان کئے ہیں اور اس پر اس کے جو رسائل ہیں ان سے ان کی معرفت علمی اور ذکاوت ذہنی کا پتہ چلتا ہے

بیرونی نے علامہ خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم" بتایا ہے[2]۔ زمانہ حال کے مشہور مورخ پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں کہ۔

---

[1] مطبوعہ بیروت ص۴۳۵ [2] آثار الباقیہ البیرونی ص۳۰۲

"علم طب سے فن کیمیاء کا بہت قریب کا تعلق ہے اور یہ ان اکتسابات علمیہ میں سے ہے جس کو عربوں نے سب سے اول حاصل کیا تھا۔ خالد بن یزید کو روایت میں اسلام کا سب سے پہلا سائنٹسٹ اور فلاسفر وحکیم، بتایا گیا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ کیمسٹری کے بانی مبانی یہی صدر اول کے مسلمان عرب تھے۔ جورجی زیدان، جو ایک شامی النسل عیسائی فاضل تھا تاریخ التمدن الاسلامی میں اس کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے۔

لاخلاف فی ان العرب هم الذين اسسوا الكيمياء الحديثة- تجاربهم واستحضاراتهم۔ تاریخ التمدن الاسلامی ج۳ ص۱۸۲

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے موجودہ فن کیمیاء کی اپنے تجربات اور ذہنی قابلیتوں سے بنیاد ڈالی۔"

جملہ مورخین ومحققین کا اتفاق ہے کہ ان عرب فاضلوں میں جن کے علمی اور فنی کد وکاوش سے کیمیا کو علمی درجہ حاصل ہوا۔ خالد بن یزید ہی پہلے عرب فاضل ہیں جن کو اس علم میں حد درجہ انہماک تھا۔ صاحب کتاب الاغانی شیعی خالد کے اس شغف وانہماک، کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

خالد بن یزید معاویہ بن ابی سفیان - كان من رجالات قريش سخاء وعارضة وفصاحته وكان شغل نفسه بطلب الكيمياء فافنى بذلك عمره واسقط نفسه۔ کتاب الاغانی ج۱۶ ص۸۸-۸۹

خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان سخاوت وقابلیت وفصاحت میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ طلب علم کیمیا کے شغل میں اس نے اپنی ذات کو مصروف رکھا اور اپنی عمر اسی میں صرف کر ڈالی اور اپنے کو فنا کر دیا۔ زمانہ حال کے ایک اور شیعی مورخ جسٹس امیر علی خالد کے خاندان کا تذکرہ اپنے نقطہ نظر سے کرنے کے بعد ان کے علم وفضل اور فن کیمسٹری میں ان کی مہارت وفضیلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بنی امیہ نے اپنی تمام مدت حکومت میں صرف ایک عالم فاضل خالد بن یزید کو پیدا کیا جو علوم طبعیہ اور علم وادب میں اپنے اکتسابات علمیہ کے لئے نامور ہے۔

خالد نے جو طب اور کیمسٹری کا جید عالم تھے۔ ان مضامین پر اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔

علامہ خالد کے تذکروں میں یہ بھی بتایا ہے کہ انھوں نے صنعت کیمیا کو ایک رومی راہب موریانس سے حاصل کیا تھا اور اپنے اس استاد فن سے بعض امور میں تحریری مباحثہ بھی کیا تھا چنانچہ ان کے ایک رسالہ میں ان امور اور "رموز" کا بیان بھی ہے۔ سلسلہ بحث نے نظم کا پیرایہ بھی اختیار کیا تھا۔ علامہ خالد اپنے والد کی طرح اچھے بھی شاعر تھے۔

وله فيها ثلاث رسائل تضمنت احداها ما جرى له مع مريانس المذكور وصورة ما تعلمه منه والرموز التي اشار اليها وله في ذلك اشعار كثيرة۔

رضاجتہ الطرب فی تقدمات العرب (ص۲۳۵)

علامہ خالد نے نہ صرف علم طب وکیمیا کو سبقاً سبقاً رومی اساتذہ سے حاصل کیا بلکہ ان میں قدمائے یونان ومصر کی جس قدر بھی تالیفات دستیاب ہوسکیں ان کو حاصل کیا۔ ان کے تراجم عربی زبان کرائے اور اس کے لئے دمشق اور مصر میں دارالتراجم قائم کئے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر عربی مسٹر براؤن نے ۱۹۱۹-۲۰ء میں "طب عربی" پر جو لکچر کالج آف فزیشنز میں دیئے تھے۔ وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں پہلے لکچر میں EARLY STUDY OF ALCHEMY کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ:-

"یونانیوں کے علم وحکمت سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کی اولین تحریک اموی شہزادہ خالد (بن) یزید بن معاویہ کے دل میں، جو علم کیمیا سے خاص شغف رکھتا تھا، پیدا ہوئی فہرست (ابن الندیم) کے بیان کے مطابق، جو اس بارے میں ہماری معلومات کا سب سے قدیم اور سب سے بہتر ذریعہ ہے جو ہم تک پہونچا ہے، خالد نے یونانی فلاسفروں کو ملک مصر میں مجتمع کیا اور اس مضمون کی یونانی ومصری (قبطی) تصانیف کو عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے ان کو مقرر کیا۔ یہ پہلے ترجمے تھے۔ جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کئے گئے تھے۔ ان ترجموں میں سے ایک کا نام استفانوس تھا جس نے دمشق

کے دارالترجمہ میں متعدد کتابیں ترجمہ کی تھیں۔

واستفانوس الذی کان اول المترجمین لخالد مشارًالیه وقد ترجم له عدت مصنفات من الرومی الی العربی (مناجۃ الطرب فی تقدمات العرب ص۴۲۹)

خالد موصوف کا اولین مترجم استفانوس تھا اور اس نے متعدد تصانیف کا رومی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

پروفیسر نکلسن نے اپنی مشہور کتاب A LITERRARY HISTORY OF THE ARARS. میں یونانی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

تاریخ ادب عربی کے قابل مولف کلیمنٹ ہوارٹ نے خالد بن یزید کے علم کیمیا کی تحصیل اور اس کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

غرضکہ مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بدرجہ تواتر ثابت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے شخص جنھوں نے علم کیمیا کو حاصل کیا، اس کے تجربات کئے اور اس فن میں کتابیں لکھیں خالد بن یزید ہی تھے۔ پروفیسر ہوارٹ نے ایک دوسرے موقع (ص۲۱۳) پر لکھا ہے کہ۔ ازمنہ متوسط کا مشہور ماہر فن کیمیا جابر بن حیان غالبًا خالد بن یزید کا شاگرد تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جعفر الصادقؒ شاید جابر کے استاد تھے۔

جابر بن حیان کا زمانہ ضرور جناب جعفر صادق کے بعد کا ہے۔ لیکن خود جناب موصوف کا جن کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی فن کیمیا کی معلومات کا حصول اپنے پیش رو علامہ خالد بن یزیدؒ کی مساعی علمیہ سے کرنا کسی طرح مستبعد نہیں خیال کیا جا سکتا۔

صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں علامہ خالد کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو فن کیمیا کا باپ کہا ہے کیونکہ اسلام میں انہی نے سب سے پہلے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ اور اس میں کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جاحظ البیان والتبیین میں فرماتے ہیں کہ:-

کان خالد بن یزید بن معاویۃ خطیبًا شاعرًا وفصیحًا جامعًا وجید الرای کثیر الادب وکان اول من ترجم کتب النجوم والطب والکیمیا (ج ۱، ص۲۱۲)

قدیم یونانیوں کا خیال تھا کہ اکسیر کے ذریعہ ناقص دھاتوں کی تکمیل ہو سکتی

ہے اور ان کو اعلیٰ بنایا جا سکتا ہے اسی غلط فہمی سے چاندی سے سونا بنانے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن علامہ خالد کی مساعی علمیہ کی بدولت اسلام میں آکر کیمیا کا گویا مذہب ہی بدل گیا اور بجائے سونا چاندی بنانے کے اس سے طب وقرابادین میں اشیاء کے اجزاء وخواص کے تعین میں مدد لی جانے لگی۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ خالد کی جو اپنے زمانے کے بہترین خطیب بھی تھے اور ساتھ ہی شاعر وادیب بھی۔ کیمیاء کی دھن میں یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ اکثر خاموش رہتے اور کیمیاء کے تجربات کے بارے میں غور و خوض کرتے رہتے تھے۔

(انساب الاشراف بلاذری قسم ثانی جزء الرابع (ص۶۶ مطبوعہ بیروت)

طب کے مسائل کے علاوہ علامہ خالد نے اپنے کیمیاوی کارخانہ "لیبارٹری" میں بعض ایسی دریافتیں اور ایجادات بھی کیں جن سے عربوں کے فن حرب کو رومیوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ ان کے باپ دادا کو رومیوں سے برابر برسرپیکار رہنا پڑتا تھا۔ اور "گریک فائر" (آتش یونان) سے جو رومی فوجیں استعمال کرتی تھیں۔ بڑے بڑے نقصانات اٹھانا پڑتے تھے۔ یہ ایک کیمیاوی مرکب تھا جس کی ایک پچکاری چلانے سے آگ لگ جاتی تھیں۔ قلعہ یا جہاز جس چیز پر پڑتی اس کو جلا دیتی۔ گبن نے ایک شامی عیسائی کی ایجاد بتایا ہے۔ جو بنی امیہ کے عہد میں شام سے بھاگ کر روم پہونچا تھا۔ خالد کی لیباریٹری میں حل وعقد سے اس کا نسخہ معلوم کر لیا گیا۔ اس کا جزو اعظم روغن نفت تھا۔ لہذا عربی میں اس کو نفت بھی کہنے لگے تھے۔ اس کیمیکل مرکب کی دریافت نے مسلمانوں کے آلات حرب کو زیادہ کارگر بنا دیا تھا۔ دشمن اس سے زیادہ کسی چیز کو بھی مہیب نہیں جانتے تھے۔ اس کو اڑتا ہوا اژدہا کہتے تھے۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اس کا استعمال کثرت سے کیا گیا۔ صلیبی جنگ آزما جب اس کا مقابلہ کسی طرح نہ کر سکتے تو اپنے بادشاہ سینٹ لوئی کے پاس پہونچ کر فریادی ہوتے۔ لوئی زمین پر گر پڑتا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر تضرع وزاری سے کہتا کہ "اے خداوند مسیح مجھے اور میری فوج کو اس بلا سے بچا"

(تمدن عرب ص۴۳۹)

علامہ خالد نے علم کیمیا پر جو تصانیف کی ہیں ان میں سے ایک میں اپنے اجتہادات اور تجربات کو جنھیں "رموز" سے تعبیر کیا ہے بیان کیا ہے اپنے بیٹے ابی سفیان کو جسے خود یہ علم سکھایا تھا بطور وصیت کے صنعت کیمیاء کے "رموز" لکھ دیئے تھے۔ ابن الندیم نے خالد اور ان کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے۔

"ان خالدعنی باخراج کتب القدماء فی الصنعۃ وکان خطیباً شاعرًا فصیحًا حازمًا وھو اول من ترجم لہ کتب الطب والنجوم وکتب الکیمیا وقد رایت من کتبہ کتاب الحرارت، کتاب الصحیفہ الکبیر، کتاب الصحیفہ الصغیر، کتاب وصیۃ الی ابنہ فی الصنعۃ۔

(فہرست ابن الندیم ص۳۵۴)

"خالد نے صنعت (کیمیا) پر قدما کی کتابوں کے حصول میں بڑی دردسری اٹھائی وہ خطیب بھی تھے اور فصیح شاعر و ہوش مند بھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے طب و نجوم و کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ میں نے ان کی تصانیف مطالعہ کی ہیں جس میں کتاب الحرارت و کتاب صحیفہ کبیر و صحیفہ صغیر تھیں اور ایک کتاب جس میں اپنے بیٹے کو صنعت کیمیا کے رموز پر وصیت کئے ہیں۔"

یہ تو وہ تصانیف ہیں جو ابن الندیم نے مطالعہ کی تھیں معلوم نہیں دیگر علوم کے بارے میں ان کی اور کیمیا پر تالیفات ہوں گی جو ضائع گئیں۔ پروفیسر براؤن نے ایک دوسرے لکچر میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کیمیا کے علاوہ دیگر علوم فلسفہ وطب وغیرہ پر بھی خالد نے قدمائے یونان و مصر کی تصانیف کا ترجمہ کرایا تھا۔ پروفیسر ہتی اور براؤن نے جابر ابن حیان کے فن کیمیا میں علامہ خالد بن یزید کی شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے شبہ کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف ان کے جرجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی (ج۳ ص۱۸۴) میں صاف صاف لکھا ہے کہ جعفر الصادق نے اس فن کی تعلیم علامہ خالد موصوف سے حاصل کی تھی۔ جب یہ ثابت ہے کہ خالد اسلام میں کیمیا کے موجد و موسس کا درجہ رکھتے تھے اپنے بیٹے کو بھی یہ علم سکھایا تھا

اور اس کے لئے ایک خاص کتاب بھی لکھی تھی تو اس کے بعد میں کسی مسلمان نے ان علوم کو حاصل کیا ہو ان کے تجربات اور تصانیف سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ خالد اور ان کے خلاف برابر حجاز جاتے رہتے تھے کتاب انساب الاشراف بلاذری میں خالد کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ یعنی علامہ خالد کا حج کے لئے جانا وہاں قیام کرنا۔ مصعب بن زبیر کی حقیقی بہن رملہ سے نکاح کرنا اور دیگر واقعات کا بیان ہے۔ حضرت زبیرؓ کی پوتی سے یہ نکاح اسی سال ہوا تھا جس سال حجاج نے اس زبیری خاتون کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا تھا۔ حجاج کو جب خالد کے اس ارادہ کا علم ہوا تو اس نے رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ آل زبیر کے یہاں رشتہ کریں گے۔ تو مجھ سے مشورہ بھی نہ کریں گے۔ وہ خاندان تو آپ کا کفو و ہمسر بھی نہیں ان لوگوں نے تو آپ کے والد سے خلافت کے بارے میں لڑائی کی تھی اور برے برے الزام لگائے تھے۔ جس وقت علامہ خالد نے یہ رقعہ پڑھا بڑا طیش آیا۔ قاصد سے کہا کہ اگر پیغامبروں کو سزا دینا جائز ہوتا تو تمھارے ٹکڑے کر کے حجاج کے دروازے پر پھنکوا دیتا۔ جاؤ اس کو جواب دو کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ تم اپنے کو اتنا اونچا جاننے لگے ہو کہ اپنے خاندان قریش میں بغیر تمھارے مشورہ کے میں رشتہ بھی نہ کروں کیا وہ یہ بات نہیں جانتا کہ زبیری تو ہمارے ہمسر اور کفو ہیں۔ اے ام الحجاج کے بیٹے تیرا برا ہو کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاندان میں خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح کیا تھا اور العوام نے صفیہ بنت عبدالمطلب سے۔ آل ابوسفیان اور بنوامیہ کے لئے تو یہ آل زبیر ہمسر ہیں۔ اور ہم کفو بھی۔ آخر میں فرمایا تھا۔

واما قولک قاتلوا اباک علی الخلافۃ ورموہ بکل قبیح فھی قریش تقارع بعضھا بعضا حتی اذا اقر اللہ الامر مقرہ عادت الی احلامہا وفعلہا۔

(ص۶۷)

اور تمھارا یہ کہنا کہ آل زبیر نے تمھارے والد سے خلافت پر جنگ کی ان پر قبیح الزام لگائے سنو قریش آپس میں کتنی ہی جنگ و جدل کو بیٹھیں جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے پھر وہ اپنی خاندانی نجابت و شرافت اور رشتہ داری پر پلٹ آتے ہیں۔

(شتر کینہ نہیں رکھتے)

چنانچہ اپنے والد کے سیاسی حریف عبداللہ بن زبیرؓ کی سوتیلی بہن سے جو بنو کلب کی نواسی تھیں نکاح کیا۔ انہی کے بارے میں ان کے یہ شعر بھی بلاذری نے لکھے ہیں۔

أُحِبُّ بني العوام طرًّا لحبّها
میں ان کی محبت میں بنو العوام (زبیریوں سے) محبت کرتا ہوں۔

ومن حُبّها أحببتُ أخوالها كلبا
اور انہی کی محبت کی بنا پر ان کی ننھیال بنو کلب سے۔

ولا تكثر وا فيها الضجاج فانني
مجھ سے ان کے بارے میں زیادہ تکرار مت کرو۔

تخيّرتها عمداً زبيرية قلبا
میں نے قصداً انھیں منتخب کیا ہے کہ ان کا دل زبیری خصائص کا آئینہ دار ہے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے فرزند کے زبیری خاندان میں اس رشتہ سے بھی لان کا ذہب کی تردید ہو جاتی ہے جو کعبہ کی بے حرمتی اور اہل مکہ کے مظالم کی تراشی گئی ہیں۔ زبیری خاندان کے علاوہ ہاشمی خاندان میں اپنا ایک نکاح حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے یہاں کیا تھا اسی ہاشمیہ زوجہ کے بارے میں بلاذری سے انے ان کے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

مَنافِيَّة غرا جلاتٍ جُدودها
بنو عبد مناف کی اس ذی رتبہ خاتون نے

لِعَبدِ مُنافِي أغَرَّ مُشَهَّرِ
عبد مناف کے ممتاز فرزند کو اپنی خالص محبت سے نوازا ہے۔

مطهرة بين النبي محمّدٍ
وہ ایسے پاک نسب کی ہیں کہ ایک طرف محمدؐ جیسے رسول ہیں۔

وبين الشهيد ذي الجناحين جعفر
اور دوسری طرف جعفر ذوالجناحین جیسے شہید۔

یہ شعر اس طرح بھی لکھا ہے۔

مقابلة بين النبي محمّدٍ
ان کے ایک طرف محمدؐ جیسے نبی ہیں

وبين علي ذي الفخار وجعفر
اور دوسری طرف علی و جعفر جیسے قابل فخر بزرگ۔

ہاشمی خاندان میں فرزند امیر المومنین یزیدؒ کا یہ رشتہ مناکحت کیا اس بات کا مزید ثبوت نہیں کہ خاندان معاویہؓ وخاندان علیؓ میں کوئی خاندانی ونسلی عناد یا مغائرت نہ تھی۔ سیاسی جھگڑوں کے باوجود یہ سب ایک ہی تھے۔

علمی وفنی شغف کے ساتھ ساتھ مملکت کے انتظامی امور میں بھی مہارت تھی۔ عرصہ تک صوبہ حمص کے گورنر رہے اور وہاں انھوں نے اپنے صرف سے جامع مسجد تعمیر کی تھی۔

وكان خالد على حمص فبنى
اور (علامہ) خالد حمص کے حاکم تھے۔

مسجدها وكان له اربع مائة
وہاں انھوں نے مسجد تعمیر کرائی جس کی

عبد يعملون فى المسجد فلما فرغوا
تعمیر میں ان کے چار سو غلام کام کرتے

من بنائه اعتقهم۔
تھے۔ جب تعمیر کے کام سے یہ لوگ فارغ

(انساب الاشراف بلاذری ص ۶۹)۔
ہوگئے۔ ان سب کو آزاد کر دیا۔

ان کی علم دوستی اور علوم دینیہ کے ذوق قلبی کا اندازہ اس عدیم المثال واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علمی سرمایہ کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے حبر الامۃ کے غلام شاگرد ابو عبد اللہ عکرمہ کو چار ہزار دینار میں خرید لیا تاکہ اپنے پاس رکھ کر ان کی علمی معلومات سے بہرہ مند ہوں۔

مات ابن عباس وعكرمة عبدٌ
حضرت ابن عباسؓ کی وفات ہوگئی تو

فاشتراه خالد بن يزيد بن معٰوية
اس وقت بھی عکرمہ غلامی کی حالت

من علي بن عبد الله بن عباس
میں تھے خالد بن یزید بن معاویہؓ نے

باربعة آلاف دينار
انھیں علی بن عبد اللہ بن عباسؓ سے

(طبقات ابن سعد)
چار ہزار دینار میں خرید لیا۔

اسی روایت میں مزید یہ بھی ہے جب عکرمہ نے علی بن عبداللہ بن عباسؓ سے شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے والد کے علم کو اتنی رقم میں فروخت کر دیا۔ انھیں ندامت ہوئی اور علامہ خالد سے اس معاملہ بیع وشرا کو منسوخ کرا کے عکرمہ کو آزاد کر دیا۔ مذہبی اعمال کے بڑے پابند تھے۔ جمعہ کو کہ عید المسلمین ہے روزہ رکھتے اسی طرح سنیچر واتوار کو کہ اہل کتاب کی عیدیں ہیں۔ محدث ابو زرعہ دمشقی کا قول ان کے اور

ان کے بھائی معاویہ ثانیؒ کے بارے میں ہے کہ کان من خیار القوم (البدایہ) اپنے دادا اور باپ کی طرح بخشش و عطا و جود و سخا میں بڑے دریا دل تھے۔ شعراء نے ان کی مدح میں جو کہا ہے یہ دو شعر سنیئے۔

سألت الندی اذا الجود هل انتما ۔۔۔ فردا و قالا اننا لعبید

فقلت من مولاکما فتطاولا ۔۔۔ علی وقالا خالد بن یزید

سنہ وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں کسی نے ۸۴ھ لکھا ہے کسی نے ۹۰ھ۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک آخر الذکر سنہ صحیح ہے لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبد الملکؒ کے زمانہ میں وفات ہوئی واللہ اعلم۔

اولاد میں چھ بیٹے تھے۔ سعید[۱]، یزید[۲]، حرب[۳]، عتبہ[۴]، ابوسفیان[۵]، اور عبد اللہ[۶] آخر الذکر کے نکاح میں حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علیؓ مقتول کربلا کی پوتی سیدہ نفیسہ تھیں جن کے بطن سے ان کے فرزند علی بن عبد اللہ بن خالد بن یزید تھے۔ جنھوں نے امیر المومنین عبد اللہ المامون عباسیؒ کے عہد میں بادعائے خلافت دمشق پر قبضہ کر لیا تھا۔

امیر المومنین یزیدؒ کے بقیہ فرزندان اور ان کی اولاد کا تذکرہ دوسری میں ملاحظہ ہو۔

توضیحات

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا کلیہ:۔ عیسوی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے دو کلیے وضع کئے گئے ہیں۔ ایک ان سنین کے لئے ہے جو ۱۷۵۲ء سے پہلے کے ہوں۔ دوسرا اس کے بعد کے سنین کے لئے۔ یہ دونوں کلیے پروفیسر ول محمد ایم۔ اے کی "دلسں نیو ارتھمیٹک" (انگلش ایڈیشن) میں دیئے گئے ہیں۔ اردو ایڈیشن میں صرف دوسرا کلیہ درج ہے پہلا کسی غلطی سے ترک ہو گیا۔ بعض لوگ جو اپنی خاص مصلحتوں کی وجہ سے اس کتاب کی تردید پر تلے ہوتے ہیں وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایک جز پہلے کلیہ کا اور ایک دوسرے کلیہ کا لے لیتے ہیں اور کھینچ تان کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری جلد "تحقیق مزید" میں یہ دونوں کلیے وضاحت سے پیش کر دیئے گئے ہیں اور بعض ان تاریخوں کے دن جو پہلے سے صحیح طور پر معلوم ہیں اسی کلیہ کی مدد سے نکال کر چند مثالیں بھی درج کر دی ہیں۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے:۔

مثال ۱:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ و سنہ ولادت عیسوی سنہ کے اعتبار سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے اور یوم ولادت متفقہ طور سے دوشنبہ (پیر) ہے علامہ شبلیؒ نے سیرۃ نبوی میں لکھا ہے۔

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ (سیرۃ نبوی جلد ۱ صفحہ ۱۷۱)

کلیہ حساب کی مدد سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کا دن حسب ذیل طریقے معلوم کر لیا جا سکتا ہے۔

اس سال میں س	= ۵۷۰	(د = دن) جنوری	۳۱
ل	= ۱۴۲	فروری	۲۸
د	= ۱۱۰	مارچ	۳۱
مجموعہ	۸۲۲	اپریل	۲۰
		مجموعہ	۱۱۰ دن

گویا س + ل + د = ۸۲۲/۷

۷) ۸۲۲ (۱۱۷
۷
۱۲
۷
۵۲
۴۹
باقی ۳

یعنی س = اس سال سے ایک سال پہلے کا سنہ
ل = لوند کے سالوں کی تعداد جو اس سنہ تک ہو۔
د = جنوری سے اس تاریخ تک کے دن۔

مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ۳ باقی بچتا ہے۔ کلیہ کے مطابق باقی عدد کو شنبہ (سنیچر) سے شمار کرتے ہیں چنانچہ سنیچر سے ۳ دن آگے شمار کرنے سے مطلوبہ دن دوشنبہ (پیر) آتا ہے اور یہی دن آپ کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔

اسی ایک مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا یہ کلیہ کس قدر صحیح و کارآمد کلیہ ہے۔ حضرت حسین رض کے مقتول ہونے کا واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا تھا۔ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہارشنبہ تھا۔ چنانچہ اسی کلیہ سے یہ دن معلوم کر لیا گیا ہے۔ جو پچھلے اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

دسویں محرم ۶۱ھ کو چونکہ جمعہ نہ تھا جیسا افسانوی طرز کی موضوع روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ چہارشنبہ تھا شیعہ مورخین کو یہ دشواری پیش آئی کہ چہارشنبہ (بدھ) کو جمعہ کیسے ثابت کریں ناسخ التواریخ کے شیعہ مورخ کو یہ تدبیر سوجھی کہ سانحہ

کربلا ہی کو ایک سال پہلے قرار دے لیا جائے اور اس غرض سے حضرت معاویہ رض کی وفات بھی ایک سال قبل کی بتائی جائے۔ چنانچہ "تعیین سال وفات معویہ و سال شہادت سید الشہدا" کے ذیلی عنوان سے تسلیم کرتے ہوئے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو نہ جمعہ تھا نہ شنبہ اور نہ دوشنبہ بلکہ اس سے ایک سال پہلے ۶۰ھ میں دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے اس لئے "وفات معویہ را در سال پنجاہ و نہم ہجری رقم کنیم و قتل سید الشہدا در سال شصتم ہجری بعد از ظہر جمعہ عاشورا دانیم" (ص۱۵ جلد ششم از کتاب دوم) بالفاظ دیگر قتل حسین رض کا دن جمعہ بتانے کے لئے معاویہ رض کی وفات بھی جو متفقہ طور سے ۶۰ھ میں ہوئی تھی اس سے ایک سال پہلے ۵۹ھ میں قرار دے لی جائے اور حضرت حسین رض کے مقتول ہونے کا واقعہ جو ۶۱ھ کی دسویں محرم چہارشنبہ کے دن پیش آیا تھا اسے بھی ایک سال پہلے ۶۰ھ کی دسویں محرم کو قرار دیا جائے کیونکہ اسی سال کی دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: "در سالے کہ سید الشہدا در عاشورا شہید شد اول ماہ روز چہارشنبہ برآمد واجب میکند کہ روز عاشورا جمعہ باشد و ایں راست نیاید مگر در سال ۶۰ھ" (ص۱۵ ایضاً)

بایں ہمہ یہ شیعہ مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ اس بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو کون سا دن تھا۔ ایک جماعت تو جمعہ کا دن بتاتی ہے دوسرا گروہ شنبہ کہتا ہے اور بعض دوشنبہ۔ ایک اور قدیم شیعہ مورخ ابن واضح یعقوبی متوفی ۲۹۲ھ بھی فرماتے ہیں۔

وکانت مقتلہ لعشر لیل خلون	اور وہ (حسین رض) دسویں محرم کو مقتول ہوئے
من المحرم سنہ ۶۱ واختلفوا فی	اس دن کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے
الیوم السبت وقالوا الیوم الاثنین	بعض لوگ کہتے ہیں کہ شنبہ تھا بعض دوشنبہ
وقالوا الیوم الجمعۃ۔	بتاتے ہیں اور بعض جمعہ۔

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں ایک جگہ (ص۴۶۴ پر) تو یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ جانسوز دسویں محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا وہ دن یا تو جمعہ تھا یا دوشنبہ مگر دوسرے صفحہ ص۴۶۵ پر اپنے ایک امام (جناب جعفر رح) سے یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے نور کو اول ماہ رمضان یوم جمعہ میں پیدا کیا اور ظلمت کو چہار شنبہ عاشورہ کے دن اور یہی چہار شنبہ وہ دن تھا جب حسینؓ شہید ہوئے۔ یہی روایت بتغیر الفاظ مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی درج کی ہے (صفحہ ۴۱۹ جلد ششم از کتاب دویم) "مجاہد اعظم" کے شیعہ مؤلف نے تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے قواعد علم ریاضی سے تفصیلاً بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء سے مطابق ماننا پڑتا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ طبع یازدہم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے۔" (مجاہد اعظم صفحہ ۲۰۴)

تقویم سنین ہجری و عیسوی اور کلیہ حساب سے ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کو چہار شنبہ آتا ہے نہ جمعہ۔ بظاہر تو یہ بات کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں کہ حضرت حسینؓ کا واقعہ جس تاریخ کو پیش آیا وہ دن چہار شنبہ تھا یا جمعہ یا شنبہ و دوشنبہ لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سبائی راویوں نے جس طرح دیومالائی انداز کی روایتیں گھڑ ڈالی ہیں جن کے چند نمونے پچھلے اوراق میں پیش کئے گئے ہیں اسی طرح تاریخوں کے دن بھی اٹکل پچو قرار دے لئے ہیں اس لئے یہاں یہ بحث اٹھائی گئی۔ مستند تقویم سے ہجری و عیسوی تاریخوں کی مطابقت ہو جائے تو اس کلیہ سے صحیح دن قرار دیا جا سکتا ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی مندرجہ بالا مثال سے واضح ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو "تحقیق مزید" کے صفحات ۲۹۸-۳۰۴۔

مفروضہ صحابیت وموروثی فضیلت

"عرض مؤلف" (طبع سویم) میں حضرات حسنین کے سنین ولادت کا ذکر ہو چکا ہے صحیح بخاری (ج ۱ صفحہ ۵۳۰) میں حضرت حسنؓ کی کم سنی کا یہ واقعہ مذکور ہے۔ نیز مصعب زبیری متوفی سنہ ۲۳۶ھ کی کتاب نسب قریش (صفحہ ۲۳) و الاصابہ اور دیگر کتب میں بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک دن اپنے ابتدائی ایام خلافت میں نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لے جا رہے تھے حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے کہ حسنؓ کو گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا (والحسن یلعب مع الصبیان کتاب نسب قریش ص ۲۳)

ان کے چہرے میں رسول اللہ صلعم کی شباہت آتی تھی حضرت صدیق اکبرؓ نے فرط محبت سے گود میں اٹھا لیا اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وابابی شبیہ النبی — اے وہ جو نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ

لیس شبیھاً بعلی — نہیں تجھ پر میرا باپ فدا۔

یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دن بعد کا ہے (وذلک بعد وفاۃ النبی صلعم ص ۲۳ ایضاً) اب دیکھئے جب حسنؓ ہی بعد وفات نبی صلعم اتنے کم سن بچے تھے کہ چونسٹھ پینسٹھ برس کے کمزور جثہ کے بزرگ گود میں اٹھا کر کندھے پر چڑھا لیں (فاحتملہ علی رقبتہ) تو حسینؓ جو ان سے سال بھر چھوٹے تھے یقیناً اور بھی کم سن و ناسمجھ بچہ ہوں گے مگر ان کی ولادت کے بارے میں عجیب عجیب روایتیں ہیں۔ ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ حسینؓ شکم مادر میں صرف چھ مہینے رہے (جلاء العیون ص ۳۱۳ مطبوعہ ایران سنہ ۱۳۳۴ھ) پھر اسی کتاب میں دوسرے مقام پر اپنے ایک امام کی سند سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک بیٹے کی بشارت دیتا ہے جسے میری امت میرے بعد شہید کر دیگی یہ سنکر انہوں نے کہا مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیئے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی بالآخر جب آپ نے فرمایا کہ وہ بیٹا اور اس کے فرزندان پیشوایان دین اور میرے آثار کے وارث اور میرے علم کے خزانہ ہوں گے" تو وہ راضی ہو گئیں "پس حاملہ شد بحضرت امام حسینؑ و بعد از شش ماہ آن حضرت متولد شد" (صفحہ ۳۱۳) اسی کے ساتھ کہتے ہیں کہ "چھ ماہ کا پیدا شدہ بچہ زندہ نہیں رہتا سوائے حضرت حسینؓ اور حضرت عیسیٰؑ کے" شاید اس روایت سے حضرت حسین کی عمر میں چند ماہ کا اضافہ مقصود ہو ورنہ جو جنین شکم مادر میں پورا نشوونما نہ پا سکے۔ اگر بعد وضع حمل وہ زندہ بھی رہے قویٰ کی کمزوری تو بہر نوع قائم رہے گی۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی عہد رسالت میں تو حسین ایسے طفل صغیر تھے کہ ان کی صحابیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ روایت پرستی کی سحر کاری ہے کہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت حسینؓ کی صحابیت اور فضیلت کے ثبوت میں شیعہ کمال

کی گھڑی ہوئی اور دو کٹر شیعہ راویوں ہی کی سند سے یہ روایت حضرت عمار بن یاسرؓ کے ترجمہ میں درج کر ڈالی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو سات نجباء دوزراء ورفقاء عطا ہوتے تھے مجھ کو چودہ عطا ہوئے ہیں۔ یعنی حمزہؓ و جعفرؓ و ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و عبداللہ بن مسعودؓ و سلمانؓ و عمارؓ و ابوذرؓ و حذیفہؓ و مقدادؓ و بلالؓ حضرت عثمانؓ کا نام شیعہ راویوں نے ترک کر دیا۔ راویوں میں ایک تو کثیر بن اسمٰعیل النواء ہے جس کے متعلق محدث ابن عدیؒ نے کہا ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا اور دوسروں نے بھی اسے گمراہ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۵۲) اور دوسرا فطر بن خلیفہ ہے۔ المعارف میں جو فہرست شیعہ راویوں کی امام ابن قتیبہ نے درج کی ہے اس میں اٹھارواں نام اسی فطر کا ہے (ص ۲۰۶) جامع ترمذی میں بھی ایک شیعہ راوی مسیب بن نجبہ کوفی سے اسی مضمون کی روایت ہے جس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ وہ چودہ نجباء ورفقاء (رقباء) آپ کے کون کون ہیں فرمایا انا وابناي یعنی میں اور میرے یہ دونوں بیٹے (یعنی حسنؓ و حسینؓ) پھر وہ سب نام گنائے جن میں حضرت عثمانؓ کا نام شامل نہیں تھا۔ شیعہ راویوں کا آپؐ سے یہ قول منسوب کرنا کہ اپنے چودہ نجباء دوزراء رفقاء ورقباء میں خود اپنی ذات اقدس کو بھی شامل فرمائیں اور ایسے کم سن بچوں کو جو سن تمیز کو بھی نہ پہنچے تھے جس درجہ بے معنی ہے ظاہر ہے۔

یہاں اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ یہ اور اس قسم کی سب روایتیں اگر شیعوں اور سبائیوں کی من گھڑت ہیں تو پھر سنیوں کی کتابوں میں کیوں ہیں؟ مختصر جواب یہ ہے کہ منافقین عجم نے حضرت فاروق اعظمؓ کو شہید کر لینے کے بعد مناقب و مثالب کی حدیثیں گھڑ گھڑ کر مرکز اسلام سے دور دراز مقامات پر پھیلانی شروع کیں۔ پھر شہادت عثمانیؓ اور اس کے نتیجہ میں جنگ جمل و صفین کے واقعات پر شہادت علیؓ پھر واقعہ کربلا اور فتنہ ابن زبیرؓ وغیرہ کے بعد جب یہ دیکھا کہ سیاسی انتشار پیدا کرنے کے باوجود مسلمانوں کی دینی وحدت کا قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں پڑتا مناقب و مثالب کی حدیثوں کے علاوہ اختلاف قراءت کی روایتیں۔ تفسیری روایتیں بنا بنا کر مشہور کرنے

لگے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز اموی کو اس فتنہ روایات کا احساس ہوا انہوں نے ابو بکر بن حزم کو جو والی مدینہ بھی تھے حکم دیا کہ صحیح روایتیں و حدیثیں جمع کریں مگر جلد ہی امیر المومنین کی وفات ہو گئی اور ابو بکر بن حزم بھی عہدے سے معزول کر دیئے گئے اس کے بعد سے تو ہر طرف جامعین احادیث کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک ائمہ صحاح ستہ نے اپنی اپنی کتابیں مدون کیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شیعہ سنی خارجی معتزلی قدریہ وغیرہ سب ملے جلے رہتے تھے۔ دینی بٹوارہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہر فرقے کے راویوں سے جو بظاہر حال ثقہ معلوم ہوتے تھے۔ جامعین احادیث روایتیں لے لیا کرتے تھے چنانچہ صحاح کی کتابوں میں شیعوں کی روایتوں کا حصہ رسدی بھی کافی موجود ہے۔ یہ سب حدیثیں جو "اھل البیت" سے متعلق ہیں نیز فضائل علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم میں مروی ہیں تمام تر نہیں تو اکثر و بیشتر شیعوں کی ہیں جو حصہ رسدی کی حیثیت سے سنیوں کی کتابوں میں آ گئی ہیں۔

بعض شیعہ مصنفین نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر تصانیف کیں مثلاً حاکم صاحب المستدرک کہ انکی کتاب کے تقریباً ہر صفحہ سے شیعت نمایاں ہے اس زمانہ میں جسے زمانہ اجمال کہتے ہیں سنیت کی نمائش کرنا ان کے لئے ضروری بھی تھا چنانچہ فضائل ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی درج کر دی ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن جریر طبری ہیں جن کے مسلکاً شیعہ ہونے کا ذکر پچھلے اوراق میں مجملاً ہو چکا ہے ان کی تفسیر اور تاریخ کی کتابوں کو سنی اپنی کتابیں سمجھنے لگے اور انکی مندرجہ روایتوں و حدیثوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ یہاں تفصیل کا تو موقع نہیں "عرض مؤلف" (طبع سوم) میں ضمناً بیان ہوا ہے کہ سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع اول سے آخر تک ازواج مطہرات نبی کریم علیہ وعلیہن الصلوٰۃ والتسلیم کی شان پاک میں نازل ہوا ہے جس سے کوئی صاحب عقل و ہوش انکار نہیں کر سکتا۔ اس رکوع کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوئی ہے "اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو" پھر درمیان میں یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ (اے نبی کی بیویو) کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے

اور یہ مخاطبت آخر رکوع تک قائم ہے۔ ایک آیت اس رکوع کی یہ ہے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝

اے نبی کی بیویو، اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ اور اگلی جاہلیت والی زینت کی نمائش (غیروں کے آگے) نہ کیا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے اے اہل خانہ پلیدی دور کردے اور اچھی طرح تمہیں پاک کردے۔

اس آیت سے پہلے بھی ازواج مطہرات سے ہی مخاطبت ہے ان کے سوا کسی سے نہیں۔ اور پھر اس آیت کے بعد بھی اور خود اس آیت میں بھی ان ہی بیویوں سے خطاب ہے۔ اب دیکھیے ابن جریر طبری نے اپنی کتاب ”جامع البیان فی تفسیر القرآن“ کے جزء ۲۲ ص۵ میں ایک دو نہیں اکٹھی سترہ موضوع حدیثیں اس ثبوت میں درج کی ہیں کہ یہ آیت حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کے الفاظ ہیں:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزلت هذه الآية في خمسة فيّ وفي علي رضي الله عنه وحسن رضي الله عنه وحسين رضي الله عنه وفاطمة رضي الله عنها۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے بارے میں اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں۔

اس وضعی اور قطعاً جھوٹی حدیث کے آئینہ ہی میں علامہ ابن جریر طبری کی شیعیت کا جنہیں بعض سنیوں نے اپنا امام قرار دے رکھا ہے صاف اور صحیح

عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وضعی حدیث کے راویوں میں متعدد سبائی شیعہ شامل ہیں یعنی عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی جو ایک جغادری سبائی محمد بن السائب الکلبی سے روایت کرنا ظاہر کرتا ہے اور خود ہی اس کی کنیت بھی ”ابوسعید“ گھڑ ڈالتا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص۲ و تہذیب التہذیب) تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ صحابی رسول سے روایت کر رہا ہے۔ عطیہ نے تو ”ابوسعید“ ہی پر اکتفا کیا تھا ”الخدری“ کا اضافہ نہیں کیا تھا مگر علامہ ابن جریر طبری ”ابوسعید“ کے ساتھ صراحتاً ”الخدری“ بھی لکھتے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کی شیعی فطرت بھی عطیہ سے کچھ کم نہ تھی۔ ان آیات کی تفسیر میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو“ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اور درمیان میں يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منسوب قول کو اپنی تفسیر میں درج کرنا کہ یہ آیت میری ازواج کے بارے میں نہیں بلکہ خود میرے اور علی و فاطمہ و حسن و حسین کے بارے میں ہے پھر ان حضرات کے ناموں کے ساتھ زبان مبارک سے ”رضی اللہ عنہ“ کے الفاظ میں کہلوانا کیا ابن جریر کے غالی شیعہ ہونے کے واضح دلیل نہیں؟ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی تاریخ میں ابومخنف جیسے کذاب سبائی رافضی کی موضوعات کی بھرمار سے جیسا ذکر ہو چکا شیعی پروپگنڈے کی تشہیر کی ہے۔ یہاں یہ ذکر تو ان مفسرین و محدثین و مورخین کی شیعیت کے سلسلہ میں آگیا جن کی موضوعات سے اکثر سنی بھی متاثر ہوئے۔ مناقب و فضائل کی حدیثوں کے گھڑنے کی ابتداء تو بقول ابن ابی الحدید شیعوں نے کی اور جیسا کہ مفتی محمد عبدہ و سید رشید رضا کی تفسیر القرآن کے حوالہ سے عرض مؤلف (طبع سوم) میں عرض کیا گیا ہے آیت مباہلہ کے سلسلہ کی جملہ روایتیں شیعوں کی ساختہ ہیں مگر خاصے پڑھے لکھے اہلسنت بھی ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہ رہے حتیٰ کہ ایک دیوبندی ”حکیم الاسلام“ نے جو مجموعہ خرافات اس کتاب کی تردید میں شائع کرایا ہے جس کی شیعہ حلقوں میں خاص طور سے اشاعت بھی کی گئی ہے اس میں انہی وضعی روایات کی آڑ لے کر نجرانی عیسائی کو حضرات حسنین رضی کی صحابیت کے ثبوت میں بطور شاہد یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ اس نے ”حسن و حسین رضی کے مبارک

چہروں پر مقبولیت اور نور فطرۃ کا مشاہدہ کر لیا اور کفار بھی آثار مقبولیت و محبوبیت کو دور سے
دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرف صحبت کے آثار تھے۔" چنانچہ اس عیسائی کے منہ میں گھس
کر "حکیم الاسلام" نے یہ الفاظ کہلوائے ہیں کہ "میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر
اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا۔" قصہ گوئی
اور بات ہے اور واقعات تاریخی کا حقیقت پسندانہ جائزہ دوسری چیز ہے۔
پہاڑوں کا ٹلا دینا تو درکنار حضرت حسینؓ کی شرطوں کے باوجود گورنر صوبہ عبید اللہ کا حکم
بھی نہ ٹلایا جا سکا تھا مگر آنحضورؐ کے صرف یہی دو نواسے تو نہ تھے اور بھی تھے۔ خصوصاً
حضرت علی بن ابی العاصؓ سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سعادت عظمیٰ حاصل تھی
کہ بچپن سے اپنے مقدس نانا کے دامن شفقت میں رہے تا درسن تمیز میں آپ کے شرف
صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ زینبؓ آپ کی سب سے بڑی
صاحبزادی تھیں جو آپ کو بہت محبوب تھیں ان ہی کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد منقول
ہے کہ ھی افضل بناتی یعنی میری بیٹیوں میں یہ سب سے افضل و برتر ہیں۔ ماہنی کے یہ
فرزند اور آپ کے سب سے بڑے نواسہ حضرت علی بن ابی العاصؓ تھے جو آپ کی وفات
کے وقت اوان شباب کی حد تک پہنچ گئے تھے یعنی پندرہ سولہ سال کے نوجوان تھے۔
اور آنحضورؐ کو ان سے ایسی محبت و الفت تھی کہ فتح مکہ کے دن یہی بڑے نواسہ جو بنی امیہ
کی دوسری شاخ سے تھے آپ کے ردیف تھے۔ یعنی آپ کی سواری پر آپ کے ساتھ تھے
اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے تھے[1] (الاصابہ والاستیعاب وکتاب نسب قریش)
دوسرے دونوں نواسے حسنؓ و حسینؓ تو اتنے چھوٹے بچے تھے کہ صغیر سنی کی وجہ سے کسی
سفر میں آپ کے ردیف ہونے کا شرف انہیں کبھی حاصل نہ ہوا حالانکہ حضرت فاطمہؓ اور ان
کے بچے، ازواج مطہرات اور ہاشمی خاندان کے دیگر افراد حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ کے سفر
میں آپ کے قافلہ کے ساتھ گئے تھے۔ حضرت علیؓ بن ابی العاصؓ کی حقیقی بہن سیدہ امامہؓ
بنت زینبؓ بنت النبی صلعم آنحضور کی سب سے چھوٹی نواسی تھیں جن سے آپ کی محبت
و شفقت کے اس واقعہ کا امام بخاریؒ نے خاص باب باندھا ہے یعنی باب اذا حمل

[1] سنہ ۸ھ میں انکے وفات پانے کی روایت صحیح نہیں۔

جاریۃ صغیرۃ علیٰ عنقہٖ فی الصلوٰۃ (یعنی چھوٹی سی بچی کو حالت نماز میں گردن
پر چڑھا لینے کے بارے میں) اور ایک بدری صحابی حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کی روایت سے
بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے امامہ کو دوش مبارک پر بٹھا
لیتے سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔ (عن ابی قتادۃ
الانصاری ان رسول اللہ صلعم کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت زینب
بنت رسول اللہ ولابی العاص ابن الربیع فاذا سجد وضعھا واذا قام
حملھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۴)
آپ نے اپنے ان بڑے داماد حضرت ابی العاصؓ کی تعریف بھی کی ہے اور فرمایا ہے
کہ انہوں نے جو عہد مجھ سے کیا پورا کیا جو وعدہ کیا وفا کیا یہ ارشاد آپ کا اس وقت کا
ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ پر سوت لانے کا ارادہ کیا تھا اور ابوجہل کی بیٹی
کو پیام دیا تھا آپ کے یہ بڑے داماد ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھانجے
اور قریش کے بڑے تاجر۔ قبل فتح مکہ اسلام لائے، ہجرت کی اور جہادوں میں حـ
سنہ ۱۲ھ میں فوت ہو گئے۔ مناقب و فضائل کی اکثر و بیشتر روایتوں اور حدیثوں
میں آپ کی تینوں محبوب بیٹیوں سیدہ زینبؓ و رقیہؓ و ام کلثومؓ کا کچھ ذکر
آتا ہے نہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں ان کے نام لئے جاتے ہیں کیا محض اس بناء پر
کہ وہ بنی امیہ کے خاندان میں بیاہی گئیں۔ صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور
ان کی اولاد کے نام تو لئے جاتے ہیں۔ مگر ان ہی کی حقیقی بہنوں کے نام ترک کر دیئے
جاتے ہیں، آخر یہ تفریق اور امتیاز کیوں؟ مناقب و فضائل کا معیار بیشتر نسبی تعلق
و قرابت کو ان وضعی روایتوں میں بتایا گیا ہے مگر کیا یہ معیار صحیح ہے؟ شیخ الاسلام
ابن تیمیہؒ کے رسالہ راس الحسین کے ایک حاشیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں قابل
لحاظ ہے:-

وھل یلزم من فضل رسول اللہ صلعم وحمزۃ وعلی وعبیدۃ ان	اور کیا رسول اللہ صلعم اور حمزہؓ و علیؓ و عبیدہؓ کے فضائل سے سارے بنی ہاشم اور ان کے

يكون كل بني هاشم وابناءهم
فاضلين وكل الصلاح والفضل
يورث كما يورث المال والملك
فاين ما ذكر الله سبحانه عن
ابراهيم في قوله (۲: ۱۲۴) قَالَ
إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ
وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي
الظَّالِمِينَ ۝ وقوله (۳۷: ۱۱۳)
وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ وَمِن
ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ
مُبِينٌ ۝ وما قص من نبأ ابن
نوح عليه السلام وقوله سبحانه[1]
لنوح حين تحركت فيه عاطفة
الابوة على ابنه (۱۱: ۴۶) فَلَا
تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ
الْجَاهِلِينَ ۝ ولقد كان ابولهب
من بني هاشم، وابو طالب مات
على دين...

بیٹوں پوتوں کا بھی صاحب فضائل ہونا لازم
سمجھا جا سکتا ہے؟ کیا فضیلت اور نیکوکاری
بھی ایسی چیزیں ہیں جو وراثت میں وارثوں
کو مال وملک کی طرح ملا کریں؟ تو پھر وہ
کہاں جائے گا جو ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام
کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے کلام
پاک میں کہ "میں تمہیں سب انسانوں کا امام
بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا اور
میری اولاد میں سے؟ تو ارشاد ہوا کہ ان میں
سے جو لوگ ظالم ہوں گے ان کے ساتھ میرا
وعدہ پورا نہ ہوگا (۲-۱۲۴) اور انہیں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور ہم نے ابراہیمؑ
کو اور اسحٰقؑ کو برکتیں دیں اور ان کی اولاد
میں کچھ نیک کردار ہوئے اور کچھ اپنی جانوں
پر آپ کھلم کھلا ظلم کرنے والے ہوئے
(۳۷-۱۱۳) اور پھر پسر نوحؑ کو خبر دی گئی
جس وقت نوحؑ کے دل میں شفقت پدری
کا جوش ہوا تھا اور اپنے بیٹے پر ترس کھانے
لگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

[1] سورۂ ھود کی ۴۵ سے ۴۶ آیتوں کا یہ آخری ٹکڑا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ نوحؑ نے اپنے رب کو کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔ یعنی وہ نہیں ہے تیرے گھر والوں میں اس کے کام خراب ہیں۔

ابيه عبد المطلب المشرك....
ان الشرف والفضل لا يورث و
انما يكون بالعلم والايمان
والاستقامة والعمل ولقد وقع بنو
هاشم في غرور كبير بهذا الزعم الذي
زعموه لانفسهم، او زعمها لهم
الناس: ان مجرد النسب يشفع
لهم ويغني عنهم مجراً ذلك كثيراً
منهم على الاعراض عن العلم
والعمل بل وجرأهم على
الترف الذي يكرهه الله
ورسوله حتى كان فيمن
خرج مع الحسين من بني
هاشم اطفال مقرطون
باللؤلؤ كما ذكر ذلك
ابن كثير رحمه (ج ۸ ص ۱۸۶)[1] وجرأهم على
الادلال على الناس والتعاظم
والتكبير بذلك. فكان من آثار
هذا في النفس بني هاشم وفي
الناس شر كثير وضلال مبين

جس بات کا تجھکو علم نہیں اس کے متعلق مجھ
سے کچھ سوال نہ کریں تجھ کو جاہلوں میں شامل
ہونے سے باز رہنے کی نصیحت کر رہا ہوں۔"
(۱۱-۴۶) اور پھر ابولہب بھی تو بنی ہاشم
ہی سے تھا اور ابوطالب بھی اپنے مشرک باپ
عبدالمطلب کے دین پر مرے...
شرافت وفضیلت اور صلاح وتقویٰ وراثت
کی چیزیں نہیں ہیں یہ چیزیں ہر شخص کو
اس کے علم وایمان وعمل واستقامت
کے مطابق ملتی ہیں مگر کچھ بنی ہاشم اپنے
زعم باطل کی وجہ سے بڑے غرور نفس میں
پڑ گئے جو زعم غلط انہوں نے اپنی ذات کے
لئے اپنے دماغ میں پیدا کر لیا یا لوگوں نے
ان کے متعلق اپنے دماغوں میں پیدا کر لیا
ہے کہ صرف نسبی تعلق (جو ان کو رسول اللہ
صلعم سے ہے) ان کی شفاعت کے لئے
کافی ہے اور فقط نسب ہی ان کو سب
باتوں سے مستغنی کر دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ بہت سے بنی ہاشم کو علم وعمل کی طرف
سے بے پروائی سی ہوگئی اور وہ جری اور

[1] علامہ ابن کثیرؒ نے سبائی راویوں کی جو روایتیں اپنی کتاب میں درج کر دی ہیں ان ہی میں یہ روایت بھی ہے۔ چنانچہ مولف ناسخ التواریخ نے بھی لکھا ہے کہ علی اکبر کے بعد ایک طفل خیمہ سے باہر آیا، خوف اور ڈر سے سارا بدن کانپ رہا تھا۔ "دو دو گوشوارہ از لال در گوش داشت (ص ۱۲۹، جلد ششم از کتاب دوم)"

وہذا رسول اللہ صلعم یقول لهم ولابنته أم الحسين۔ يا عباس يا عم محمد! يا صفية عمة محمد! يا فاطمة بنت محمد! اعملوا فلن اغنی عنكم من الله شيئاً فجزی الله رسوله خير الجزاء عن هذه النصيحة لامته ولاسرته+

وغالب الظن: ان هذا الادلال بالنسب والاغترار بالسيادة والشرف الذی زعموه موروثا: هو كان السبب الاكبر فی نكبة الحسين رضی وفی فتنة المسلمين

هذه الفتنة الكبری بقتل الحسين وكان امر الله قدراً مقدوراً۔

رضی الله عن الحسن فی صافته وحكمته ورشده فی سد باب الشر علی المسلمين يدل علی انه لم يكن من المغرورين بالنسب وانما كان من المستمسكين اشد الاستمساك برسالة جده صلی الله عليه وسلم

(حاشیہ "ابن الحسین" صفحہ ۔۔)

دلیر ہو گئے علم و عمل کی طرف سے بے پروائی پر یہاں تک کہ وہ عیش و عشرت پر اتر آئے جس کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول نے مکروہ قرار دیا ہے اس حد تک کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ ایسے بچے نکلے تھے جو کانوں میں موتیوں کے آویزے ڈالے ہوئے تھے جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ (دیکھو ج ۔۔) اس پر دلیر کر دیا تھا ان کو اس خیال نے کہ وہ عام لوگوں سے اپنے کو بڑا اور صاحب عظمت سمجھتے تھے اسی نسبی تعلق کی بدولت اور ان کے تکبر اور غرور کے باعث بنی ہاشم اور عام لوگوں کے درمیان دلوں میں سخت قسم کا کھوٹ پیدا ہو گیا تھا۔ اور دونوں۔ فریق کے کچھ افراد گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے مگر دیکھو رسول اللہ صلعم بنی ہاشم اور اپنی صاحبزادی حسینؓ کی ماں سے فرماتے تھے "اے عباس محمد کے چچا! اور اے صفیہ محمدؐ کی پھوپھی! اور اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی! عمل کرو عمل! اللہ تعالےٰ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو اس نصیحت کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے جو انہوں نے اپنی امت اور اپنے خاندان دونوں کو عطا فرمائی۔

اور گمان غالب یہی ہے کہ یہ نسب پر بھروسہ

اور اپنی سیادت و شرافت کا غرور ہی تھا جس کو ان لوگوں نے موروثی قرار دے لیا تھا یہی سب سے بڑا سبب تھا۔ حضرت حسینؓ کے مصیبت میں پڑنے کا رضی اللہ عنہ۔ اور عام مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی ایمانی آزمائش مقصود ہے حضرت حسین کے قتل کئے جانے میں اور یہی تقدیر الٰہی تھی جو ہو کر رہی۔

اللہ تعالٰی حضرت حسنؓ سے راضی رہے کہ ان کی دور اندیشی اور حکیمانہ سوجھ بوجھ نے مسلمانوں کے سامنے ساری خرابیوں کا دروازہ بند کر دیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نسبی فخر کے فریب میں مبتلا نہ تھے اور اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و ہدایت کی ڈوری کو بہت مضبوط طور سے پکڑے ہوئے تھے۔

خروج وبغاوت:۔ عربی زبان کے یہ دونوں لفظ سرکشی و مقابلہ پر آجانے کے معنی میں عام طور سے مستعمل ہیں خواہ یہ سرکشی حق کے مقابلہ میں ہو یا باطل کے، بلند ترین جذبہ حب وطنی و خدمت ملی کے تحت ہو یا پست ترین مطلب برآری کی غرض سے رائج الوقت آئینی نظام کی اصلاح یا شکست آئین کے مقصد سے ہو یا اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے ایسے تمام اقدامات کو خروج ہی کہا گیا ہے۔

حضرت حسینؓ کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کر کے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا اس لئے خروج ہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود انہی کے عزیزوں مخلص دوستوں اور صحابہ کرام نے جن کے بعض اقوال اسی کتاب میں دوسری

جگہ تل ہیں ان کے اقدام کو خروج ہی کہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شیعہ مورخ ونساب نے جناب عمر بن علی رضؓ کے حالات میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے ان بھائی سے خروج میں ساتھ دینے کو کہا مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا قد دعاہ الی الخروج فلم یخرج (عمدۃ الطالب ص۹۹) یہ بات بھی واقعات سے ثابت ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی یہ خواہش ان کو عرصہ سے تھی موقع مناسب کے منتظر تھے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی صلح جویانہ پالیسی سے متفق نہ تھے مگر ان کے دباؤ سے حضرت معاویہؓ سے بالآخر بیعت کر لی تھی۔ عراق کے مفسدین ان کے ان خیالات سے بخوبی واقف تھے اور وقتاً فوقتاً ورغلاتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو ایک مرتبہ جب اس کی اطلاع ملی انہوں نے حضرت حسینؓ کو مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا:۔

"تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کے لئے جدوجہد کی خواہش ترک چکے ہو اگر یہ خبریں غلط ہیں تو تم بڑے ہی خوش نصیب ہو۔ ۔ ۔ ۔
حسین! خدا سے ڈرتے رہو، مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو اور انہیں خانہ جنگی کی طرف نہ دھکیلو۔ (بلاذری)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد کوفی مفسدین کو تحریص و ترغیب کا پھر موقع مل گیا۔ اس مضمون کی تحریرات بھیجنے لگے کہ اگر اس امر (خلافت) کے طلب کرنے آپ کو خواہش ہے تو ہمارے پاس پہنچ جائیے ہم نے اپنی جانوں کو آپ کے لئے وقف کر رکھا ہے حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ تم لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہو جب تک یہ معاویہ زندہ ہیں اگر ان کا وقت آ گیا تو دیکھا جائیگا تم بھی سوچنا اور ہم بھی سوچیں گے (اخبار الطوال ملخصاً) چنانچہ یہ وقت جب آ گیا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے گورنر مدینہ کو جھک دے کر اور سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق یہ اور

ابن الزبیرؓ کہ دونوں بعد میں طالب خلافت ہوئے مدینہ سے مکہ چلے آئے وہ تو خانہ کعبہ میں جا بیٹھے اور حضرت حسینؓ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس مقیم ہوئے جو اس وقت ہاشمی خاندان کے سربراہ تھے۔ ان حالات میں امیر المومنین یزیدؒ نے جن پر بحیثیت حکمران خلیفہ کے انقلابی اور تخریبی تحریک کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی پوری ذمہ داری عائد تھی اول تو اپنے طبعی علم و کرم سے افہام تفہیم کی کوشش کی حضرت ابن عباسؓ کو مراسلہ بھیجا جو پہلے بھی نقل ہوا ہے اور ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤلف نے بھی درج کیا ہے اس میں امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے پاس عراق کے لوگوں کے زیادہ آنے جانے اور خروج پر آمادہ کرنے کا ذکر کرتے ہو لکھا تھا کہ آپ چونکہ ان کے خاندان کے بزرگ اور سردار ہیں انہیں سمجھائیے اور امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرنے سے باز رکھئے حضرت ابن عباسؓ نیز حضرت ابن عمرؓ دوسرے صحابہ اور خود ان کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جس جس طرح انہیں سمجھایا۔ خروج سے روکنے کی کوششیں کیں ان کا ذکر آ چکا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ صحابی رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا تھا اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علی امامک (البدایہ) یعنی اپنے دل میں خدا سے ڈرو۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو۔ امام سے مراد ان صحابی رسول اللہ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ سے تھی جن کی بیعت خلافت کئی مہینے پہلے ہو چکی تھی اور یہی صحابی اس حدیث کے بھی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لئے بیعت ہو تو اس دوسرے کو (یعنی جس کی بعد میں بیعت لی جائے) قتل کر دو۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد رجب سنہ ۶۰ھ میں امیر یزیدؒ جو چند سال قبل سے ولیعہد تھے۔ سریر آرائے تخت خلافت ہوئے اس کے پانچ مہینے کے بعد حضرت حسینؓ نے مکہ معظمہ سے اس حالت میں خروج کیا تھا کہ سوائے اپنے چند نوجوان عزیزوں کے صحابہ و تابعین میں سے فرد واحد بھی نہ ان کے ساتھ ہوا اور نہ ان کے موقف کی کسی نے موافقت کی اسی سے واضح ہے کہ صحابہ کرام نے خروج سے منع کرنے اور روکنے کی غرض سے احکام

شریعت کی متابعت میں کیا کچھ نصیحتیں ان کو نہ کی ہونگی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ "راس الحسین" کے حاشیے کی مندرجہ ذیل عبارت میں حضرت حسینؓ کی اپنے مخلصین کے نصائح سے بے اعتنائی برتنے اور اس کے افسوسناک نتائج کا حقیقت پسندانہ بیان ہے جو قابل توجہ ہے :-

ولقد كان للحسين عن كل ذلك مندوحة اذا هو قبل نصح ابن عباس وابن عمر واخيه محمد بن الحنفية وغيرهم ممن نصحه الاولياء المخلصين بعدم الخروج من مكة وقد قال جده صلى الله عليه وسلم اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الثاني منهما وهو يعلم انه قد سبق من اهل العراق الغدر بابيه، وترك نصرة اخيه الحسن، فاعتزلهم اراح المسلمين من هذه الفتن وحقن دماءهم، ولكن الحسين غلبه الشباب والادلال بالنسب والخديعة بالشيعة وعدم التمرس في سياسة الحياة العملية التجريبية والاغرار الذين كانوا معه من اخوة مسلم بن عقيل الذين اعماهم لعصبية الجاهلية

اور حسینؓ کو ان تمام باتوں سے بے پرواہی و بے اعتنائی سی تھی کہ وہ ابن عباسؓ و ابن عمرؓ اور اپنے بھائی محمد بن الحنفیہؒ کی نصیحتوں کو قبول کرتے جو ان دانشمند مخلصین نے ان کو کی تھیں کہ مکہ سے خروج نہ کریں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لئے بیعت ہو تو ان میں سے دوسرے کو قتل کردو۔ اور وہ جانتے تھے کہ اہل عراق سے ان کے والد کے ساتھ غدر و بے وفائی ہوچکی ہے اور ان کے بھائی حسن بھی اس بات کو جانتے تھے اسی لئے انہوں نے عراقیوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچالیا اور باہمی خونریزی نہ ہونے دی لیکن حسینؓ پر جوانی اور نسبی غرّہ اور شیعوں کا فریب غالب آگیا تھا اور پھر عملی زندگی کی سیاست سے ناواقفیت اور ناتجربہ کاری بھی تھی۔ ان سب پر بالائے بات تھی کہ ان کے ساتھ مسلم بن عقیل کے جو بھائی تھے ان کو مسلم بن عقیل کے خون کا بدلہ لینے

والحرص على الاخذ بثار مسلم بن عقيل، ذلك غلب الحسين على الرشد والحكمة فخرج بنفسه وبمن معه من شباب بني هاشم في الاخطار التي اهلكتهم ولم يكن شيء من كل ذلك يرضي الله ورسوله صلعم وكان امر الله قدرا مقدورا. وما كان يسع يزيد ولا عبيد الله بن زياد والفتن تموج بالجزيرة، قلب العالم الاسلامي ودماء صفين لا تزال تلمع بالفتنة ما كان يسعهم الا ما كان ولو ان الحسين او غيره من بني هاشم كان مكانهم ما وسعه الا ما وسعهم ولقد كان من بني العباس مثل ما كان من يزيد وعبيد الله بن زياد واشد ولم ير الناس صنيعهم بالعين التي رأوا بها صنيع يزيد وعبيد الله بن زياد لهوى غلب او اتقاء لسخط العامة ورغبة في رضاهم او لعاطفة تحكمت بغير بصيرة ولا عدل.

کے خیال نے حمیت جاہلیہ کے جذبات ابھار کر اندھا کردیا تھا۔ یہ ساری باتیں حضرت حسینؓ کی مصلحت اندیشی و ہدایت کوشی پر غالب آگئیں آخر انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھی بنی ہاشم کے کچھ نوجوانوں کو خطرناک حالات میں ڈال دیا جس نے ان سب کو ہلاکت تک پہنچایا۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو رضائے الٰہی و خوشنودی رسول کا باعث سمجھی جاسکے لیکن تقدیر الٰہی یوں ہی تھی جو ہو کر رہی۔ اور یہ بات یزید اور عبید اللہ بن زیاد کی وسعت سے باہر تھی کیونکہ فتنہ و فساد کے طوفان جزیرے (عراق) میں عالم اسلامی کے قلب میں موجیں مار رہے تھے، صفین کی خونریزیاں فتنوں کی طرف اشارہ کررہی تھیں جو کچھ ہوا اس کے سوا ان کی وسعت میں اور کچھ نہ تھا اور اگر حسینؓ یا کوئی بھی بنی ہاشم میں سے ان لوگوں کی جگہ ہوتا اس سے بھی وہی ہوتا جو ان سے ہوسکا۔ چنانچہ بنی عباس سے وہی کچھ ہوا جیسا کہ یزید اور عبید اللہ بن زیاد سے ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت مگر لوگ بنی عباس کی کارروائیوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے یزید اور عبید اللہ کے کاموں کو دیکھتے ہیں

فكان من ذلك التجافي عن النصفة والميل عن وزن الامور بالقسطاس المستقيم، ودو قام الناس بالقسط كما امر الله لخمدت نيران تلك الفتن العمياء التي طالما حذر منها الرسول صلعم والتي يصطلي المسلمون الى اليوم بنارها ولا يتشجعون ان يطفوها ولا حول ولا قوة الا بالله -

(حاشیہ رسالہ راس الحسین طبع ۱۳۷۳ھ)

محض غلبہ ہوائے نفس کے سبب سے یا عوام کی ناراضی کے ڈر سے اور عوام کو خوش کرنے کے لئے یکطرفہ غلو اور میلان طبع کی وجہ سے جو انھوں نے بغیر بصیرت اور عدل و انصاف کے پیدا کرلیا ہے درحقیقت یہ انصاف و دیانت سے روگردانی اور واقعات و امور کو صحیح ترازو پر تولنے کے خلاف ہے اور اگر لوگ واقعی حکم الٰہی کے مطابق انصاف کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو ان اندھے فتنوں کی آگ ضرور بجھ جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا اور جن فتنوں کی آگ آج تک مسلمانوں کو جھلس رہی ہے مگر لوگ اس کے بجھانے پر کمربستہ نہیں ہوتے۔ حق کو قائم رکھنے اور باطل کو اکھیڑ پھینکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے -

مورخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے بعض اقوال درج کئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ حسبی و نسبی علوئے مرتبت کی بنا پر خلافت کا دوسروں کے مقابلہ میں وہ اپنے کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ مندرجہ بالا عبارت میں الادلال بالنسب (نسب پر فخر) سے اسی جانب اشارہ ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی ان کے واقعہ پر اظہار تاسف کرتے ہوئے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ حسینؓ نے اپنے بزرگوں کے نام لے کر میرے ماں باپ اور میرے جد پر جو فوقیت جتائی تھی سو حال اس کا یہ ہے کہ ان کے اور میرے والد کے تنازعہ کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہو گیا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ یہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا تھا

والدہ ماجدہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادی نہیں ان سے میری ماں کو نسبت ہی کیا پھر جد مادری تو ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اور میری جان کی قسم جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جانتا ہے کہ سب انالوگ بے عدیل و بے نظیر ہیں رہا ان کا یہ قول کہ انا خير منه واحق بهذا الامر (یعنی میں یزید سے بہتر ہوں اور اس امر خلافت کا زیادہ حقدار ہوں) تو یہ اللہ کی دین ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے۔ تؤتي الملك من تشاء (الخضری)

ابتدائی اوراق میں احادیث نبوی اور احکام شرعی کی رو سے بیان ہو چکا ہے کہ منصب خلافت کے لئے جس فرد ملت کی اوّل بیعت ہو جائے خواہ نسباً کمتر ہی کیوں نہ ہو اسکے مقابلہ میں خروج کا اور دعوے خلافت کا کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا خواہ نسباً و حسباً وہ کیسا ہی افضل کیوں نہ ہو، امیر و خلیفہ کی اطاعت اچھا ہو یا برا ہر حالت میں سوائے معصیت کے لازم ہے خود حضرت حسینؓ ہی کے والد ماجد نے خارجیوں کے اس قول پر کہ حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں فرمایا تھا :-

وَ اِنَّهٗ لَا بُدَّ مِنْ اَمِيْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ (الی آخرہ) یعنی لوگوں کے لئے امیر (خلیفہ) ضروری ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر کہ مومن اس کے عہد خلافت میں اپنا کام کر سکے اور کافر بھی دنیاوی فائدہ حاصل کر سکے اور اللہ اپنی مقررہ مدت کو پوری کر دے (الی آخرہ) (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۵۱)

خلیفہ کے انتخاب میں نسل و خاندان اور حسب و نسب کی کوئی قید نہیں، نہ شریعت نے کسی کو یہ حق دیا ہے کہ نسبی تفوق کی بنا پر دعویدار ہو بلکہ خلافت کے لئے خود خواہشمند اور حریص ہونے کو بھی منع کیا گیا ہے امام بخاری نے کتاب الاحکام کے باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میں اس شخص کو کوئی عہدہ نہ دوں گا جو خود اس کا طالب ہو یا اس کی حرص کرے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ کو طلب و خواہش پر آپ نے عامل مقرر نہیں فرمایا تھا۔ طلب خلافت کی اجازت ہوتی تو ہر طرف سے دعویدار کھڑے

ہو جاتے اور امت میں تفرقہ و انتشار پڑ جاتا۔ جیسا بعض حضرات کی سیاسی لغزشوں کی وجہ سے بالآخر یہی سب کچھ ہوا جس کے تلخ ترین نتائج امت کو بھگتنے پڑے۔ مثلاً حضرت حسینؓ کے خروج سے جو ملت اسلامیہ میں پہلا اور ناکام خروج تھا تقریباً نصف صدی بعد سے انکے اور انکے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کے اخلاف نے قائم حکومتوں کے مقابلہ میں خروجوں کا تانتا باندھ دیا تھا اس کتاب کی دوسری جلد تحقیق مزید میں حسنی و حسینی نسب کے ان اشخاص کے خروجوں کے حالات و واقعات سلسلہ وار پیش کئے گئے ہیں جو اموی و عباسی خلفاء کے خلاف ہوتے رہے ان سب طالبان خلافت کے دعاوی کا دارومدار زیادہ تر نسبی تعلیوں اور تفاخر بالآباء ہی پر تھا۔ مگر حصول مقصد میں سب ہی ناکام و نامراد رہے یعنی سربرآرائے خلافت کوئی بھی نہ ہو سکا یہ شاید حضور کے اس ارشاد کی تعبیر ہی تھی کہ انا لا نولی من حرص علیہ یعنی جو اس منصب کی حرص رکھتا ہو اس کو مقرر نہیں کریں گے۔ سبائی راویوں نے ہر حکمراں اور خلیفہ وقت کو جس نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کا مقابلہ کیا اور بغاوتوں کا استیصال کر کے امن و امان بحال کیا غاصب و جابر و ظالم و فاسق و فاجر کہا اور طالبان خلافت اور باغیوں کی پاکیزگی و تقدیس میں جھوٹی حدیثیں اور مہمل روایتیں گھڑ ڈالیں حتیٰ کہ سنہ ۱۶۹ھ میں اولاد حسنؓ میں سے جن لوگوں نے طلب خلافت کے لئے خروج کیا تھا اور وادی فخ قرب مدینہ میں سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے گئے۔ یہ مہمل حدیث و روایت وضع ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مقام فخ پر ہوا آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی (گویا ان لوگوں کے مارے جانے سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے) پھر فرمایا کہ اس جگہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص مع ایک جماعت کے قتل ہوگا ان کے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے (ص ۴۴۳ مقاتل الطالبین) اس سے تقریباً نصف صدی پہلے حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی (زین العابدینؒ) نے امیر المومنین ہشام اموی جیسے نیک سیرت و حلیم و کریم و پاکباز خلیفہ کے خلاف کوئی

سبائیوں کے ورغلانے سے خروج کیا تھا اور مارے گئے تھے ان کو زید الشہیدؒ کا لقب دیا گیا۔ پھر اس سے تقریباً چوبیس برس بعد حضرت حسنؓ کے پرپوتے محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے سنہ ۱۴۵ھ میں امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؒ کے خلاف جو علم و عمل، تقویٰ و طہارت میں ممتاز بڑے فرزانہ و مدبر و منتظم حکمراں تھے مدینہ میں خروج کیا یہ وہی امیر المومنین ہیں جن کے ایما سے امام مالکؒ نے حدیث کی کتاب المؤطا تالیف کی تھی۔ ابن خلدون اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقد كان ابو جعفر بمكان من العلم والدين قبل الخلافة وبعدها وهو القائل لمالك حين اشار عليه بتاليف الموطا يا ابا عبد الله انه لم يبق على وجه الارض اعلم مني ومنك واني قد شغلتني الخلافة فضع انت للناس كتابا ينتفعون به تجنب فيه رخص ابن عباس وشدائد ابن عمر ووطئه للناس توطئة قال مالك فوالله علمني التصنيف يومئذ۔ (مقدمہ تاریخ)

اور ابو جعفرؒ کا خلافت پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد بھی علم اور دین میں جو مرتبہ تھا وہ مخفی نہیں انہوں نے ہی امام مالک کو کتاب المؤطا کے تالیف کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ابوعبداللہ! دنیا کے پردے پر اب سوائے میرے اور تمہارے حدیث نبوی کا عالم کوئی باقی نہیں رہا میں تو اس خلافت کے بکھیڑوں میں مشغول ہوں تم لوگوں کے لئے کتاب تالیف کرو جس سے وہ نفع حاصل کریں اس میں تم ابن عباسؓ کی سی نرمی اور ابن عمرؓ کی سی سختی سے اجتناب کرنا اور لوگوں کے لئے اس کو اچھی طرح روند ڈالو یعنی خوب تحقیق سے لکھو۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ قسم بخدا اسی دن مجھے ابو جعفرؒ نے تصنیف کا فن سکھا دیا۔

انہی امیر المومنین نے ابن اسحٰق سے سیرۃ نبوی تالیف کرائی تھی اور امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تدوین، اشاعت علوم کے لئے ادارہ و دارالترجمہ قائم کیا، حد درجہ سادہ

زندگی بسر کرتے بیت المال میں سے ایک حبہ بھی اپنے ذات پر صرف نہ کرتے ولا سمح بالانفاق فیہ من اموال المسلمین (مقدمہ ابن خلدون) ایسے عالم وفاضل متقی و پرہیزگار خلیفہ کے خلاف جن کی خلافت اس عہد کی مثالی خلافت تھی محض نسبی تعلیوں کی بنا پر محمد الارقط نے اپنا حق جتایا اور خروج کیا اور عوام کو دام فریب میں پھانسنے اور جمعیت اکٹھی کرنے کے لئے اپنے کو "مھدی" کہا "محمد الارقط کے بجائے" محمد المہدی "کہلانے لگے۔ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے سرکاری فوجی دستے کے مقابلہ میں مارے جانے کے بعد ان کی تقدیس میں بھی جھوٹی حدیثیں وضع ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ میری اولاد میں سے ایک "نفس زکیہ" اس مقام احجار الزیت پر قتل ہوگا۔ (عمدۃ الطالب صفحہ ۸۳) غالی راویوں کے وضع کردہ اس لقب کی تشہیر اس شدت سے کی گئی کہ غیر شیعہ اور اچھے پڑھے لکھے لوگ نام کے بجائے "نفس زکیہ" ہی کہتے اور لکھنے لگے۔ محمد الارقط کے اس خروج کے جواز میں جو کھلی بغاوت تھی اور ایسے امیر و خلیفہ کے مقابلہ میں کی گئی تھی جن کی خلافت قائم ہوئے بھی بارہ برس ہو چکے تھے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ پر یہ بہتان باندھے گئے کہ محمد الارقط کے خروج کی موافقت میں انہوں نے فتوے دیئے تھے اور ابو جعفر المنصورؒ کو غاصب جانتے تھے حالانکہ یہ دونوں ائمہ مذہب امیر المومنین کی سرپرستی میں علمی خدمات انجام دے رہے تھے خود امام ابو حنیفہؒ ہی کی زبانی سنئے۔ کہ وہ اس خلیفہ کو "امیر المومنین" ہی کہتے ہیں جس کے خلاف فتویٰ دینے کا بہتان ان پر باندھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین ابو جعفرؒ کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اے ابو حنیفہؒ تم نے علم کن (بزرگوں) سے حاصل کیا۔ (قال ابو حنیفۃ دخلت علی ابی جعفر امیر المومنین فقال لی یا ابا حنیفۃ عمن اخذت العلم. صفحہ ۳۶۶ تاریخ الخمیس) ان کذب بیانیوں پر تفصیلی محاکمہ دوسری کتاب میں کیا گیا ہے یہاں تو حضرت حسینؓ کے خروج کے سلسلہ میں یہ چند مثالیں اس غرض سے پیش کی گئیں کہ جب حضرات حسنینؓ کے پوتوں پر پوتوں کی بغاوتوں کو مذہبی رنگ دیا گیا، باغیوں کے فضائل و تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں اور جن

خلفاء اور ان کے عمال نے طالبان خلافت کا مقابلہ کیا انہیں طرح طرح مطعون کیا گیا غاصب و جابر و فاجر کہا گیا تو اس خلیفہ و حکمران کی درگت بنانے میں غالی سبائی راوی کونسی کسر اٹھا رکھتے جس نے خود حضرت حسینؓ کے خروج کو ناکام بنانے اور ذمہ دار حکمران کی حیثیت سے سوریہ عراق سے جہاں فتنوں کے طوفان موجیں مار رہے تھے شر و فساد دفع کرنے کے لئے عمال حکومت کو احکام جاری کئے تھے مگر جیسا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے ایک رسالۃ الوصیۃ الکبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہؓ نے نہ حسینؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا نہ اس پر اظہار مسرت کیا تھا۔

وھو لم یامر بقتل الحسین ولا اظھر الفرح بقتلہ ولا نکت بالقضیب علی ثنایاہ ولا حمل راس الحسین الی الشام لکن امر بمنع الحسین و بدفعہ عن الامر ولو کان بقتالہ (رسالہ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہؒ)

اس نے نہ حسین کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ ان کے قتل پر خوشی ظاہر کی اور نہ ان کے دانتوں پر چھڑی ماری اور نہ حسین کا سر ہی ملک شام بھیجا گیا۔ لیکن حسین کو روکنے اور ان کے ارادہ سے باز رکھنے کا حکم دیا تھا خواہ انہیں ان سے لڑنا ہی کیوں نہ پڑ جائے۔

لڑائی بھڑائی کی جو صورت پیش آئی اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب حضرت حسینؓ کوفیوں کی نصرت و حمایت سے مایوس ہو کر طلب خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور واپسی کے لئے یا بصورت دیگر کسی سرحدی مقام پر یا خلیفہ یزیدؒ کے پاس چلے جانے کے لئے آمادہ تھے تو گورنر عبید اللہ نے آخر یہ مطالبہ کیوں کیا کہ پہلے بیعت کر لیں بیعت کا یہ مطالبہ آیا جبر و ظلم کی بناء پر تھا یا آئین و قانون و ضابطہ کے تحت پھر کیوں حضرت حسینؓ نے گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جیسا کہا جاتا ہے انکار کیا حالانکہ ابن زیاد سے بیعت خلیفہ ہی کی بیعت تھی کیونکہ وہی خلیفہ وقت کا نائب قائمقام تھا، وہی حاکم مجاز تھا اور اسی کو خلیفہ نے فتنہ کو مٹانے، امن و امان بحال کرنے اور امت کی اس مصلحت کو قائم رکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا جس کی جانب حسینؓ کے دانشمند ناصحین نے اشارہ کیا تھا قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں کوئی شخصیت قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ اور نہ کوئی

شخص یا دعائے عالی نسبی قانون سے بالا ہو سکتا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے جب مخزومی قبیلہ کی خاتون کے بارے میں عرض کیا تھا کہ چوری کے جرم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلی قومیں اس لیئے بھی تباہ ہوئیں کہ ان کے بڑے لوگ کوئی جرم کرتے چھوڑ دیئے جاتے وہی جرم چھوٹے کرتے تو سزا پاتے۔ میری بیٹی فاطمہ چوری کرے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سلسلہ میں مثالاً فرض کیجئے ہمارے زمانہ میں کوئی پیرزادے اپنے خاندانی مریدوں کے بل بوتے پر مملکت کے کسی علاقہ میں بغاوت کا اقدام کر بیٹھیں اور ناکام رہ کر عذرات پیش کرنے اور اپنی پیرزادگی کا واسطہ دینے لگیں تو اس علاقہ کا کمشنر یا چیف کمشنر جو علاقائی نظم و نسق کا ذمہ دار ہے آیا ان کو گرفتار کر کے جیل میں بھیجے گا یا پیرزادگی کا لحاظ کر کے رہا کر دے گا!

پیش آمدہ حالات کے اعتبار سے گورنر عبید اللہ کا یہ مطالبہ کہ حسینؓ اوّل بیعت کر لیں جائز اور ہمدردانہ مطالبہ تھا اور سیاسی و وقتی مصالح کے لحاظ سے بھی مناسب اور ضروری تھا کیونکہ گورنر کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے ایسا واضح اور بیّن ثبوت ان کی دست برداری کا ہو جاتا کہ پھر ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی امکان ہی نہ رہتا اور دوسری طرف افسران حکومت کے دلوں میں جو خدشہ تھا کہ مدینہ یا دمشق کے سفر پر اگر ہم انہیں جانے دیں مبادا پھر کوئی اقدام از خود یا کوفی ساتھیوں کے اثر سے کر بیٹھیں۔ بیعت کر لینے سے اس خدشہ کا بھی ازالہ ہو جاتا۔ بہر حال طلب خلافت سے دست برداری خواہ غلطی محسوس کر لینے کے بعد کی ہو یا اس مجبوری سے کہ نصرت و حمایت کا وعدہ کرنے والے ہی منحرف ہو گئے تھے لازمی نتیجہ ان کی دست برداری کا بیعت خلیفہ و التزام جماعت مسلمین ہی ہو سکتا تھا جو لوگ کہتے ہیں کہ حسینؓ برابر اپنے موقف پر قائم رہے اور بیعت سے منکر وہ نہیں سمجھتے کہ کیا کہہ رہے ہیں، حضرت حسینؓ کو کس پوزیشن میں رکھ رہے ہیں۔ لزوم جماعت و اطاعت خلیفہ کے بارے میں متعدد احادیث میں سخت تاکید ہے۔ پچھلے اوراق میں ہم حضرت حسینؓ کے ترک طلب خلافت کے سلسلہ میں کہہ چکے ہیں کہ وہ حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے [illegible] لیا ... حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ

ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا! اسلامی زندگی کا دوسرا نام ہے باہمی اتحاد و اخوت و ائتلاف اور حسب فرمان نبوی جو شخص اطاعت امام و خلیفہ سے الگ ہو گیا یعنی بیعت نہ کی اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی خواہ ارکان مذہبی کا پابند ہی کیوں نہ ہو۔ مورخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے یہ الفاظ متعدد جگہ نقل کئے ہیں کہ "میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کو موجود ہوں (اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ) مگر یہ موقع کیوں نہ آیا اس کی تفصیلات بیان ہو چکیں مسلم بن عقیل کے بھائیوں کی عصبیت جاہلیہ نے یہ نوبت نہ آنے دی ورنہ واقعات کا دھارا یکسر پلٹ جاتا۔ گورنر عبید اللہ اور دیگر افسروں نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی غلط کارروائی نہیں کی تھی اسی وجہ سے ان سے نہ کوئی باز پرس ہوئی اور نہ ہونی چاہئے تھی۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ عراقی اور کوفی سب حکومت کے ساتھ تھے اور بیعت خلیفہ میں منسلک، معدودے چند سرپھرے جو بغاوت کے سرغنہ تھے خائب و خاسر زاویہ خمول میں جا بیٹھے تھے۔ مملکت کے تمام صوبوں اور صوبوں کے تمام مقامات پر خلیفہ یزیدؒ کی بیعت مکمل و موکد ہو گئی تھی جس پر پورے چھ ماہ کی مدت بھی گذر چکی تھی۔ سیکڑوں صحابہ کرام جن میں بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان جیسی ہستیاں جو درجہ و منزلت میں جناب حسینؓ سے بہت اونچی تھیں اس نوجوان غازی و مجاہد کی بطیب خاطر بیعت کر چکی تھیں جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

وکان من شبان المسلمین ولا کان کافراً ولا زندیقاً وتولی بعد ابیہ علی کراھۃ من بعض المسلمین ورضا من بعضھم وکان فیہ شجاعۃ وکرم ولم یکن مظہراً للفواحش کما یحکی عنہ خصومہ۔

اور وہ (یزیدؒ) مسلمان نوجوانوں میں سے تھے نہ کافر تھے، نہ زندیق۔ اپنے والد کے بعد حاکم (خلیفہ) ہوئے جسے بعض مسلمانوں نے ناپسند کیا اور بعض نے پسند کیا۔ ان کی ذات میں بہادری، کرم و مہربانی کی صفت تھی۔ وہ فواحش اور برائیاں ان میں نہیں تھیں جو ان کے دشمن ان سے منسوب کرتے ہیں۔

(الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہؒ)

ناپسند کرنے والوں میں ایک گروہ تو ان کوفیوں ہی کا تھا جنہوں نے آخر میں حضرت حسینؓ سے انحراف کیا تھا باقی یہ دو بزرگوار تھے جو خود طالب خلافت تھے ۔ یعنی حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ ان کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر ہستی مخالف نہ تھی ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ کا نام اس ضمن میں لینا غلط ہے کیونکہ وہ تو بیعت خلافت سے تین سال پہلے ہی فوت ہو چکے تھے ۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ دیگر صحابہ خصوصاً حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ابتداء ہی میں بیعت کر لی تھی ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے موقف کی یوں تصریح کی ہے : ۔

کان امتنع ان یبایع لعلی ومعاویة ثم بایع لمعاویة لما اصطلح مع الحسن بن علی واجتمع علیه الناس وبایع لابنه یزید بعد موت معاویة لاجتماع الناس علیه ۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۶۲)

ابن عمرؓ نے تو علی و معاویہؓ دونوں سے بیعت کرنے سے (فتنے کے دوران) انکار کر دیا تھا پھر معاویہؓ سے اس وقت بیعت کر لی جب حسن بن علیؓ سے صلح ہو کر لوگوں کا ان پر اجماع ہو گیا تھا پھر معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کے فرزند یزیدؒ سے بیعت کی کہ ان پر بھی لوگوں کا اجماع ہو گیا تھا ۔

استخلاف کے علاوہ امیر یزیدؒ کی خلافت پر اجماع امت کا ہونا ان کے متفق علیہ و برحق خلیفہ ہونے کا ایسا ثبوت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا ۔

ایک شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ : ۔

"حضرت عبداللہ بن عمر بھی یزید کو خلیفہ برحق جانتے تھے اگر ایسا نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگوں سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کراتے ۔ اتنے بڑے خلیفہ کے بیٹے اور خود بھی مرد دانا اور فہیم ہو کر ایک فعل لغو کے مرتکب نہیں ہو سکتے ۔ یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے اور کیوں نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ ہونے میں شروط خلافت کی رو سے کوئی عذر نہیں کیا جا سکتا ہے ۔"

(مصباح الظلم ص ۱۲۷)

یہی شیعہ مؤلف مزید فرماتے ہیں کہ : ۔

خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ من جانب اللہ کی پہلی مثال یزید اور جناب امام حسینؓ ہیں یہ دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر خلیفہ تھے مگر ایک کو خلافت منجانب الناس اور دوسرے کو منجانب اللہ حاصل تھی ۔ یزید شروط خلافت کے ساتھ خلیفہ قرار پایا تھا اسی لئے اس کی خلافت منجانب الناس تھی ۔ جناب امام حسینؓ رسول اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تھے اس لئے آپ کی خلافت منجانب اللہ تھی :

(مصباح الظلم ص ۲۲۳ مطبوعہ اسٹیم پریس لاہور)

لیکن مؤلف موصوف نے یہ نہ بتایا کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ نے لوگوں کے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کے خلاف خروج کیوں کیا اور کیوں کامیاب نہ ہوئے صحابہ کرام نے اور ان بزرگواروں نے جو اللہ کے کلام " والذین معہ " کے مصداق تھے یعنی بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان نے نیز تابعین عظام و جمہور امت خصوصاً ان کے قریبی عزیزوں نے " خلیفہ منجانب اللہ " کا ساتھ کیوں نہ دیا کیوں خروج سے منع کیا ۔ ظاہر کہ یہ سب بزرگوار ان کو " خلیفہ منجانب اللہ " نہیں سمجھتے تھے ۔ جیسا کہ خود مؤلف موصوف نے ہی لکھا ہے کہ ۔

"اہل سنت کے عقائد کی رو سے جناب امام حسینؓ نہ خلیفہ رسول تھے نہ امام وقت اور نہ معصوم ۔ آپ کی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ میں خروج تھی اور اسی لئے آپ کی ہلاکت شہادت نہیں مانی جا سکتی جیسا کہ کہا گیا ہے

خَرَجَ الحُسَینُ فَقُتِلَ عَنْ سَیْفِ جَدِّہٖ ۔ (مصباح الظلم ص ۱۱۲)

اسی سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ ۔

بیعت برائے یزید گردیدہ بود پس حسینؓ بروے باغی شد ۔ زیرا کہ سان لسیار

یزید کے لئے بیعت (خلافت) ہو گئی تھی لہٰذا حسینؓ نے ان پر بغاوت کی کیونکہ

اقدام بر بیعت وے نمودند و استخلاف پدر او برائے وے اختیار کردند و باوجود استخلاف این چنیں مخالفت کہ حسین کرد شرطہ باشد و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفہ برحق بود (ص۴۲ ایضاً)

بہت سے لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور ان کے والد نے ان کو ولیعہد بھی کیا تھا باوجود استخلاف کے لایسی بیتاد حسین نے کی جائز نہ تھی اور اس میں شک نہیں کہ ان کے والد معاویہ خلیفہ برحق تھے۔

شیعہ مؤلف صاف طور سے لکھتے ہیں اپنی کتاب مصباح الظلم کے آخری صفحات پر۔

خلافت شیخین یعنی خلافت حضرت ابوبکر و خلافت حضرت عمر کو حق مان کر کوئی متنفس، نہ امام حسینؑ کی شہادت کو شہادت مان سکتا ہے نہ امام حسینؑ کی عزاداری یا ہمدردی کا استحقاق رکھتا ہے۔۔۔ سچ ہے اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا۔ لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

چہ خوش فرمود شخصے ایں لطیفہ
کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ

۔۔۔ الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسین بلاگفتگو علت و معلول کی نسبت رکھتی ہیں اور دونوں ایسی شے ہیں کہ ان میں سے ایک کا ارادتمند دوسرے کا منکر ہو نا ممکن ہے کہ شخص واحد دونوں کی حقیقت کا اعتراف رکھے۔۔۔ خلافت اگر ہے شہادت نہیں شہادت اگر ہے خلافت نہیں۔۔۔ بنی ہاشم (یعنی حسین و اولاد حسنین م) ہر خلافت میں اپنا اور اپنے دشمنوں کا خون بہاتے رہے ظاہرا اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری نظر آتی ہے ان سب خروجوں کا منشا وہی طلب حق تھا اور یہ حق وہی حق تھا جسے بنی ہاشم اجماع سقیفہ کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے اور جس کے کھوئے جانے کا باعث حضرت عمر ہوئے تھے: (ص۴۲ ایضاً)

واقعہ کربلا کو اجماع سقیفہ کا فطری نتیجہ قرار دینے سے مقصد ظاہر ہے جسے شیعہ

ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ:۔

ولم یکن احد اذ ذاک یتکلم فی یزید بن معاویۃ ولا کان الکلام فیہ من الدین ثم حدثت بعد ذلک اشیاء فصار قوم یظہرون لعنۃ یزید ابن معاویۃ وربما کان غرضہم بذلک التطرق الی لعنۃ غیرہ۔ (الوصیۃ الکبریٰ ص۳)

اور اس وقت (یعنی واقعہ کربلا سے پہلے) کوئی شخص بھی یزید بن معاویہ کی ذات کے بارے میں کوئی لفظ نہ زبان پر لاتا تھا اور نہ ان کی دینی حالت کے متعلق کچھ کلام کیا جاتا تھا مگر اس کے بعد بعض واقعات ظہور میں آئے کہ ایک گروہ یزید بن معاویہ پر لعنت کا اظہار کرنے لگا اور اس سے مقصد زیادہ تر یہ تھا کہ یزید کی آڑ لیکر دوسروں پر لعنت کی جائے۔

شیعہ مؤلف نے خلافت پر علیؓ داماد رسول علیؓ کے حق و استحقاق کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی کے حصول کی خاطر انہوں نے بار بار اپنا اور دوسروں کا خون بہایا تھا محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ۔ تقدیر الٰہی میں یہ بات مقرر تھی کہ علی مرتضیٰ اور انکی اولاد تا دامن قیامت کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوں اور کسی طرح بھی کوئی صورت انکی خلافت کی جیسی ہونی چاہئے نہ بندھے بلکہ ان میں سے جو کوئی بھی اپنے لئے خلافت دے اور تمام ولایت و قتال ہر مخذول و مقتول ہو (ازالۃ الخفا) یہ سب تاریخی داستانیں مگر شیعہ لٹریچر میں خروج کی ابتداء حضرت علیؓ سے کرکے تمام تر ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر ڈالی گئی ہے اور عجیب طرح کے بہتان باندھے گئے ہیں حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ علیؓ زبردستی بیعت لینے گئے عمرؓ نے ان کے گلے میں (معاذ اللہ) رسی باندھ کر اس طرح گھسیٹ رہے تھے کہ فاطمۃ الزہراء اور حسن و حسین ننگے سر ننگے پاؤں روتے چیختے چلاتے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے کہ مدح حیدری:

بدست عمر بگ سر ریسمان
دوم در کف قنبر پہلوان
برآمد زد نبال شیر خدا
عبا بر سر افگندہ خیر النساء
حسین و حسن در محمد وش آمدہ
برہنہ سر و پا جیب شعر زدہ

یہ اور اسی قسم صدہا بہتان تراشے گئے جب بعد رسول اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کی برائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہو تو معاویہؓ و یزیدؒ اور دوسرے خلفائے

اسلام پر جنھوں نے دعلیسان خلافت کے خروجوں کا مقابلہ کیا تھا سبائی ذہنیت جو کبھی نہ اچھائے کم ہے۔ فتنوں کی آگ تو اسی ذہنیت کی بھڑکائی ہوئی تھی بقول ایک مؤلف :۔

وما هي الا فتنة اليهود والمرفضة	(اور یہ (قتل حسین) تو صرف یہودیوں اور رافضیوں
بعد الله واعداء دينه اتخذوا	کا فتنہ تھا جو اللہ اور اس کے دین کے دشمن تھے
من مقتل الحسين طنبوراً يتزمرون	انہوں نے ہی قتل حسین کے متعلق طنبورے
عليه بما يوحي اليهم الشيطان ليثير	پر اشعار گائے جو شیطان نے ان کے خیال
فار العداوة والفرقة والتشريد بين	میں القا کئے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا
المسلمين القاذا ۔	کہ مسلمانوں میں دشمنی فرقہ بندی اور شر و
(حاشیہ راس الحسین ص۲۴۲)	فساد کی آگ کو زیادہ بھڑکایئں ۔

مندرجہ بالا عبارت میں صاف اشارہ سبائی و دیلمی مجوسی روافض کی جانب تھا ہی میں معز الدولہ دیلمی تھا جو ماتم حسین کا اصلی بانی یا فی تھا یہ بدعت اس نے واقعہ کربلا کے تین سو برس بعد ۳۵۲ھ میں بطور سیاسی تہمارہ بازی (۳۵۲ھ ہجری) کے ایجاد کی تھی جضرت حسینؓ نے نسبی و خاندانی دعوی سے بیجا بے محل خروج کرنے میں بقول مورخ الخضری (ص۱۳۵) عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا اس غلطی کا صحیح صحیح اندازہ صحیح تفتیش علمبرداران دعوت محمدیہ رسول اللہ صلعم کے صحابہ آپکے رفقائے طرز عمل سے ہوتا ہے جنہوں نے اس خروج کو اس درجہ ناجائز سمجھا کہ ان سینکڑوں بزرگواروں میں کسی ایک نے بھی موافقت نہ کی اخذ الشریعت کی تابعت میں نصیحت خلافت کے ساتھ محمد اور قاسم خلافت کے موید و طرفدار فانهم اکثرهم استحق ۔فوا بیع یزید والمرعوا الخ وجم علیہ رح ۲ ص۱۳۵ ابن خلدون) موجودہ دور تحقیق و ریسرچ میں نا جائز خروج کی پردہ پوشی کیلئے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکی اور حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت کے ان خروجوں نے جس کا سلسلہ حضرت حسینؓ کے مخرج سے شروع ہو کر انکی اولاد میں تین صدیوں تک جاری رہا وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا جنکی تفصیل ہماری دوسری کتاب میں مذکور ہوں ۔ واقعہ کربلا کا فرد جرم یہ یا دی کی فتح کا نتائج و اثرات بدلے اغنیاء رہے بیکس تھے تو لیکن سنت میں پھوٹ پڑتی ہے ہر کربلا کے لیے

کتابیات

۱۔ آثار الباقیہ البیرونی
۲۔ اتمام الوفائی سیرۃ الخلفاء الخضری
۳۔ اخبار الطوال ابو حنیفہ الدینوری
۴۔ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ
۵۔ الاستیعاب ابن عبدالبر
۶۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ
۸۔ الاعلام قاموس التراجم زرکلی
۹۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر
۱۰۔ التنبیہ والاشراف مسعودی
۱۱۔ الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ ابن ہشام ۔
۱۲۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ابن تیمیہ
۱۳۔ صنایۃ الطرب فی تقدمات العرب
۱۴۔ العقد الفرید ابن عبدربہ
۱۵۔ العواصم من القواصم ابن العربی
۱۶۔ الامامۃ والسیاسۃ الدینوری
۱۷۔ انساب الاشراف بلاذری
۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا گیارہواں ایڈیشن (انگلش)
۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)
۲۰۔ بذل المجہود شرح ابی داؤد ۔
۲۱۔ البیان والتبیین جاحظ
۲۲۔ تاج العروس شرح قاموس
۲۳۔ تاریخ الاسلام ذہبی ۔
۲۴۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوار (انگلش)
۲۵۔ تاریخ ابن خلدون
۲۶۔ تاریخ الامم والملوک طبری
۲۷۔ تاریخ ادبیات عرب نکلسن (انگلش)
۲۸۔ تاریخ تمدن الاسلامی جرجی زیدان
۲۹۔ تاریخ عرب امیر علی (انگلش)
۳۰۔ تاریخ عرب ہتی (انگلش)
۳۱۔ تاریخ مسلمانان اسپین دوزی (انگلش)
۳۲۔ تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبری گبن (انگلش)

۳۳۔ تاریخ کعبۃ المعظمہ
۳۴۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی ۔
۳۵۔ جامع ترمذی
۳۶۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگلش)
۳۷۔ جلاء العیون ملا باقر مجلسی
۳۸۔ جمہرۃ الانساب ابن حزم
۳۹۔ جمہرۃ الخطب العرب احمد ذکی صفوت
۴۰۔ حاضر العالم الاسلامی شکیب ارسلان
۴۱۔ حیات محمد محمد حسین ہیکل ۔
۴۲۔ دی گریٹ امیر محمد حارث (انگلش)
۴۳۔ رحلہ ابن بطوطہ
۴۴۔ رحلہ ابن جبیر ۔
۴۵۔ رحلۃ الحجاز البتنونی
۴۶۔ سفرنامہ مکہ مدینہ رچرڈ برٹن (انگلش)
۴۷۔ سنن ابی داؤد
۴۸۔ سنن نسائی
۴۹۔ سیرۃ الحلبیہ
۵۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید
۵۱۔ شفاء الغلیل للخفاجی
۵۲۔ صحیح البخاری
۵۳۔ صحیح مسلم
۵۴۔ ضمیمہ فہرست مخطوطات عربیہ مرتبہ سی بریر ۔
۵۵۔ طبقات ابن سعد
۵۶۔ عرب و مشرق بعید پر دقیقہ حزین (انگلش)
۵۷۔ علی دبنوہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین
۵۸۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب
۵۹۔ غزوات النبی ڈاکٹر حمید اللہ
۶۰۔ غنیۃ الطالبین الجیلانی
۶۱۔ فتح الباری شرح بخاری
۶۲۔ فتوح البلدان بلاذری
۶۳۔ فہرست ابن الندیم
۶۴۔ کامل الصناعۃ علی المجوسی
۶۵۔ کتاب الاغانی ابو الفرج اصفہانی
۶۶۔ کتاب الجرح والتعدیل ابی حاتم الرازی ۔
۶۷۔ کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ
۶۸۔ کتاب الزہد امام احمد بن حنبل رح
۶۹۔ کتاب المحبر ابی جعفر محمد
۷۰۔ کتاب المسالک والممالک ابن حوقل
۷۱۔ " " " الاصطخری
۷۲۔ کتاب المعارف ابن قتیبہ
۷۳۔ کتاب نسب قریش مصعب الزبیری
۷۴۔ کشف الاحوال فی نقد الرجال فاضل مدراسی
۷۵۔ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعہ سیوطی ۔

۷۶۔ لسان العرب
۷۷۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی
۷۸۔ لغت الجوالیقی
۷۹۔ مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی
۸۰۔ محاضرات تاریخ الاسلام الخضری
۸۱۔ محمد ایٹ مدینہ منٹگمری واٹ (انگلش)
۸۲۔ معجم البلدان یاقوت حموی
۸۳۔ المعرب للجوالیقی
۸۴۔ مکتوب مجدد الف ثانی رح
۸۵۔ مکتوب شیخ الہند مدنی رح
۸۶۔ مقاتل الطالبین ابو الفرج اصفہانی
۸۷۔ مقتل ابو مخنف
۸۸۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون
۸۹۔ منتخبات فی اخبار الیمن
۹۰۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ
۹۱۔ موطا امام مالک رح
۹۲۔ میزان الاعتدال ذہبی
۹۳۔ ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
۹۴۔ نزہۃ القلوب حمد اللہ مستوفی
۹۵۔ وفیات الاعیان ابن خلکان ۔
۹۶۔ وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم
۹۷۔ تاریخ یعقوبی ابن واضح
۹۸۔ راس الحسین ابن تیمیہ رح
۹۹۔ مصابیح الظلم امداد امام
۱۰۰۔ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہ رح

خریطہ بلاد العرب
حسینی قافلہ کا راستہ اور اس کی منزلیں
مقتولینِ کربلا کے سروں کو دمشق لے جانے کا مفروضہ راستہ
العراق العجمی
قبرص
البحر الابیض المتوسط
(بحیرۂ روم)
نہر الفرات
نہر الدجلہ
بلادِ فارس
العریش
بنی کلب
بنی قضاعۃ
بنی طے
بنی اسد
بحر قلزم
نہر النیل
بصرہ
الخلیج الفارسی
بنی عامر
بنی تمیم
بنی حنیفہ
النوبہ
عمان
الربع الخالی
السودان
بنی خولان
ہمدان
بنی الحارث
الحبشہ
حضرموت
الیمن
المحیط الہندی
پیمانہ: انگریزی میل
٢٥ ٥٠ ١٠٠ ٢٠٠ ٢٥٠